131/م
1846

وقولهم انا قتلنا المسيح عيسى ابن مريم رسول الله وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم وان الذين اختلفوا فيه لفي شك منه ما لهم به من علم الا اتباع الظن وما قتلوه يقيناً بل رفعه الله اليه وكان الله عزيزاً حكيماً وان من اهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته ويوم القيامة يكون عليهم شهيداً

الحمدللہ کہ کتاب مستطاب نافع خاص و عام دافع وساوس و اوہام

مثبتِ حیاتِ مسیح

مسمّٰی بہ

شہادۃ القرآن

حصہ اول

باعلی النداء

حصہ دوم

بانّ المسیح رفع حیا الی السماءِ

جس میں حیاتِ مسیح علیہ السلام کا قطعی ثبوت دے کر قاضی اکمل احمدی کے جواب کا جواب دیا گیا ہے،

مع حواشی سعادت القران بکشف لطائف شہادت القرآن

ہر دو مصنّفہ

حضرت مولانا حاجی و حافظ ابو تیم محمّد ابراہیم میر صاحب فاضل سیالکوٹی

بعد از ترمیم مناسب و اضافہ ضروری و نظر ثانی حضرت مصنّف

بماہ ذی الحجہ ۱۳۷۷ھ مطابق جون ۱۹۵۸ء

طبع ہوئی

بار چہارم

قیمت

Marfat.com

59815

ملنے کا پتہ :-

شعبۂ نشر و اشاعت مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان ملتان شہر

مولانا عبد القیوم میر ایم اے میانہ پورہ سیالکوٹ شہر

(مطبوعہ : علمی پرنٹنگ پریس لاہور)

Marfat.com

1846

فہرست مضامین شہادت القرآن حصہ اول طبع چہارم

مضمون	نمبر صفحہ
دیباچہ طبع چہارم	۱
حمد و صلوٰۃ	۷
تمہید	۸
مصنف کے بعض خواب	۱۰
وجہ تصنیف	۱۲
مقدمہ اولیٰ دربیان امکان خرق عادت	۱۴
طریق ثبوت معجزات	۳۰
مقدمہ ثانیہ، در تشریح سنۃ اللہ	۳۳
مقدمہ ثالثہ، در خصائص حضرت عیسیٰ ؑ	۴۰
فصل اول، دربیان عدم مصلوبیت حضرت عیسیٰ ؑ	۴۹
پہلی آیت ومکروا ومکر اللہ الخ	۵۰
کسر صلیب کی دوسری آیت } وما قتلوہ وما صلبوہ "	۶۵
نقل اشتہار بنام مرزا صاحب قادیانی	۶۶
رسالہ جواب باصواب" کا جواب	۶۷
خلاصہ عبارت انگریزی جارج سیل صاحب	۸۴
دوسری وجہ در آیت انا قتلنا المسیح الخ	۹۱
کسر صلیب کی تیسری آیت واذ کففت الخ	۹۴
کسر صلیب کی چوتھی آیت وجیھاً فی الدنیا الخ	۱۰۱
فصل ثانی در اثبات حیات و رفع آسمانی	۱۰۲
پہلی آیت اذ قال اللہ یعیسیٰ انی متوفیک الخ	″

مضمون	نمبر صفحہ
تحقیق لفظ "توفی"	۱۰۳
نقشہ ابواب ازمادہ وفی مع امثلہ و معانی	۱۰۴
تنبیہ۔ توفی بمعنی موت مجازاً ہے نہ حقیقتاً	۱۰۹
کتب لغت میں توفی بمعنی میت لکھنے کی وجہ	۱۱۶
نقشہ آیات توفی مع بیانِ قرینہ	۱۲۴
تفسیر قولہ تعہ ورافعک الیّ	۱۳۷
تفسیر قولہ تعہ ومطہرک	۱۴۹
دوسری آیت قولہ تعہ بل رفعہ اللہ الیہ	۱۶۴
امتناعِ صعود جسم کا جواب	۱۷۸
رفع سماوی میں پہلی حکمت	۱۸۶
ایضاً دوسری حکمت	۱۸۸
تیسری آیت قولہ وان من اہل الکتاب	۱۹۱
چوتھی آیت قولہ وانہ لعلم للساعۃ	۱۹۷
پانچویں آیت قولہ ومن المقربین	۱۹۹
چھٹی آیت قولہ لن یستنکف المسیح	۲۰۲
ساتویں آیت ویکلم الناس الآیہ	۲۰۵
آٹھویں آیت قولہ فلما توفیتنی	۲۰۸
نویں آیت قولہ وجعلنی مبارکاً	۲۱۱
دلیل کی دوسری قسم احادیث مرفوعہ	۲۱۴
دلیل کی تیسری قسم اجماعِ امت	۲۲۳
تقریظ از پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی	۲۲۸

Marfat.com

فہرست مضامین شہادت القرآن حصہ دوم

مضمون	نمبر صفحہ
خطبہ و سبب تالیف	۲
دیباچہ طبع ثانی از مصنف	۴
مرزائے قادیانی کی پیش کردہ آیات کی قسم اول و دوم و سوم	۵
قسم اول میں سے پہلی آیت یٰعیسٰی انی متوفیک	۶
اس آیت سے مرزا صاحب کے استدلال کے غلط ہونے کی وجہ اول	۶
دوسری وجہ	۹
تیسری اور چوتھی وجہ	۱۰
قسم اول میں سے دوسری آیت وکنت علیہم شہیداً الآیۃ	۱۱
حضرت ابوہریرہؓ کا آیت وان من اہل الکتاب کو حضرت عیسیٰؑ کے نزول ثانی کی دلیل قرار دینا	۱۵
مرزا صاحب کے اس حدیث کو قبول کرنے میں دو عذر	حاشیہ ۱۵
عذر اول کا جواب (بقیہ حاشیہ)	۱۶
عذر دوم کا جواب (بقیہ حاشیہ)	۲۰
اللہ تعالیٰ کے ءانت قلت للناس قیامت کے روز کہنے کی مزید تفصیل	۲۱
وجہ دوم	۲۲
حدیث کے رو سے یہ سوال کہ ءانت قلت کا سوال و جواب ہو چکا ہوا ہے	۲۵
اس سوال کا جواب	۲۶
قسم اول میں سے تیسری آیت بل رفعہ اللہ الیہ	۳۰
〃 〃 چوتھی آیت وان من اہل الکتاب	۳۳
〃 〃 پانچویں آیت قد خلت من قبلہ الرسل	۴۵
قسم اول میں سے چھٹی آیت واوصانی بالصلوٰۃ	۵۲
〃 〃 ساتویں آیت والسلام علی یوم ولدت	۵۸
عیسیٰؑ کی برکتیں اور مرزا صاحب کی شامتیں	۶۰
قسم دوم میں سے پہلی آیت قد خلت من قبلہ	۶۲
تحقیق لفظ خلت	۶۳
اس آیت کے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پڑھنے پر مغالطہ دینا اور اس کا جواب	۷۱ و ۷۲
قسم دوم میں سے دوسری آیت تلک امۃ قد خلت	۷۳
〃 〃 تیسری آیت وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد	۷۶
تیسری قسم میں سے پہلی آیت ولکم فی الارض مستقر	۷۶
قسم سوم میں سے دوسری آیت کل من علیہا فان	۷۹
〃 〃 تیسری آیت ومنکم من یتوفی	۸۰
〃 〃 چوتھی سے آٹھویں آیات	۸۱
〃 〃 نویں آیت وما جعلناہم جسداً	۸۹
〃 〃 دسویں آیت وما ارسلنا من قبلک	〃
〃 〃 گیارہویں آیت والذین یدعون	۹۱
〃 〃 بارہویں آیت اللہ الذی خلقکم	۹۷
〃 〃 تیرہویں آیت اینما تکونوا یدرککم الموت	〃
〃 〃 چودہویں آیت یا ایتہا النفس المطمئنۃ	۹۸
〃 〃 پندرہویں آیت ان الذین سبقت	۹۹
〃 〃 سولہویں آیت ان المتقین فی جنت	〃
〃 〃 سترہویں 〃 ما کان محمد ابا احد	۱۰۴
〃 〃 اٹھارہویں 〃 فاسئلوا اہل الذکر	۱۱۰
〃 〃 انیسویں آیت ما المسیح ابن مریم الا رسول	۱۱۵
〃 〃 بیسویں آیت قل سبحان ربی ہل کنت الا بشراً رسولا	۱۱۹

Marfat.com

حرفِ اول

اثباتِ حیاتِ مسیح علیہ السلام کے عنوان سے حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ میر سیالکوٹیؒ کی معرکۃ آراء تصنیف محتاجِ تعارف نہیں۔ اس کتاب کی مقبولیت کا اس سے اندازہ لگایئے کہ یکے بعد دیگرے چند مرتبہ اشاعت کے باوجود بازار سے نایاب ہوگئی اور اس کے بعد پھر زیورِ طبع سے آراستہ نہ ہوسکی! حسنِ اتفاق سے کتاب کا ایک نسخہ شیخ المشائخ قطب العالم حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر مدظلہ العالی کی خدمتِ اقدس میں پیش کیا گیا۔ تو حضرت اقدس زید مجدہ نے موضوع کی عظمت، مضامین کی بلندی اور دلائل کی پختگی سے متأثر ہوکر اس کتاب کو مختلف مجالس میں بالاقساط پڑھوایا۔ سماعت کے بعد حضرت اقدس زید مجدہ نے اس کتاب کی فوری اشاعت کی خواہش ظاہر فرمائی۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹیؒ کے بھتیجے مولانا عبدالقیوم صاحب مدظلہ سے مولانا مرحوم کا وہ ذاتی نسخہ حاصل کیا گیا۔ جس میں مولانا مرحوم نے طبعِ چہارم کے لئے جابجا ضروری اضافہ اور مناسب ترمیم کو بصورتِ حاشیہ قلمبند کر رکھا تھا۔ مگر انہیں اپنی زندگی میں اس کی اشاعت کا موقع نہ مل سکا تھا۔ عقیدۂ ختمِ نبوت کے تحفظ اور تردیدِ مرزائیت کے سلسلہ میں موضوع کی مناسبت سے اس کتاب کی اشاعت کے اہتمام و انصرام کی سعادت حضرتِ اقدس کی خواہش کے مطابق مجلس مرکزیہ تحفظِ ختمِ نبوت پاکستان ملتان کو نصیب ہوئی۔

یہاں پر اس بات کا تذکرہ برمحل ہوگا کہ ملک بھر میں مجلس تحفظِ ختمِ نبوت ہی ایسی واحد جماعت ہے۔ جو ذاتی اقتدار کی رسہ کشی اور غیر اسلامی سیاسی کھیڑوں سے بے نیاز ہوکر خالصۃً اشاعتِ اسلام اور تبلیغ دین کا فریضہ انجام دے رہی ہے! خدا کے فضل سے اس جماعت کا دائرہ کار

Marfat.com

پورے ملک میں وسیع دہمہ گیر ہو رہا ہے! مغربی پاکستان کے اکثر بڑے شہروں میں اس جماعت کے مبلغین جماعتی خرچ پر تبلیغ دین کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ علاوہ ازیں مجلس کے زیر اہتمام دینی مدارس بھی قائم ہیں! گویا پاکستان بھر میں یہی ایک جماعت ایسی ہے جو منظم اور مؤثر طریق سے عیسائیوں، مرزائیوں اور دیگر باطل تنظیموں کا پوری تن دہی اور مستقل مزاجی کے ساتھ نہ صرف مقابلہ کر رہی ہے۔ بلکہ اس کی دعوت روز افزوں مقبول و محبوب ہو رہی ہے! اور زیر نظر کتاب کی اشاعت بھی اسی مقدس سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

ان سطور کے بعد دیندار عوام سے عموماً، علمائے کرام اور مشائخ عظام سے خصوصاً استدعا ہے کہ وہ اپنا دینی اور اخلاقی فرض پہچانتے ہوئے اس مفید ترین علمی تحفہ اور مؤثر تبلیغی ہدیہ کی بڑھ چڑھ کر قدر افزائی کریں۔ تاکہ مسئلہ ختم نبوت کی عظمت و اہمیت بدرجہا زیادہ جاگزیں ہو اور اس کے اعزاز و اکرام کے صدقہ میں حق تعالیٰ ہماری تمام ذلتوں اور تباہیوں کو دور کر کے ہمیں دارین کی نیک نامیوں اور درجات کی بلندیوں سے بہرہ مند فرمائے۔ آمین۔

Marfat.com

دیباچہ شہادت القرآن

حصہ اوّل (طبعِ چہارم)

حصہ دُوم (طبع سُوم)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی مَن لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ

امّا بعد، اثباتِ حیاتِ مسیح علیہ السلام کے متعلق مولانا محمد ابراہیم صاحب میر فاضل سیالکوٹی کی قابلِ قدر کتاب "شہادت القرآن" کا پہلا حصہ رجب ۱۳۲۱ھ میں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی زندگی میں طبع ہوا۔ اس کے بعد اس کتاب کا دوسرا حصہ بھی جس میں مرزائے قادیانی کے دلائل متعلقہ وفاتِ مسیح کا مفصل اور معقول جواب درج ہے، ۱۳۲۳ھ میں مرزا صاحب کی زندگی ہی میں طبع ہو گیا تھا۔ مگر انہیں ان دونوں میں سے کسی ایک حصے کے جواب کی ہمت نہ ہوئی۔

پہلا حصہ دوسری مرتبہ صفر ۱۳۳۰ھ مطابق فروری ۱۹۱۲ء میں طبع ہوا۔

اور دوسرا حصہ دوسری مرتبہ مولانا ثناء اللہ صاحب فاضل امرتسری کے اہتمام سے ذی الحجہ ۱۳۴۰ھ مطابق اگست ۱۹۲۲ء میں شائع ہوا۔

پہلا حصہ تیسری مرتبہ مصنف علّام نے ذی قعدہ ۱۳۴۶ھ مطابق مئی ۱۹۲۸ء میں شائع کیا۔

اس کے بعد اس کتاب کی مانگ تو بہت زیادہ رہی۔ مگر کثرتِ اشغال و قلتِ فرصت کے باعث فاضلِ مصنف اس کی طبع چہارم اپنی زندگی میں تو شائع نہ فرما سکے، لیکن انہوں نے اتنا اہتمام ضرور کیا۔ کہ حصہ اوّل کی طبع سوم کے ایک نسخے میں طبع چہارم کے لیے اپنے دستِ مبارک سے جگہ جگہ ضروری اضافے فرما دیے۔ اور کتاب کے سرورق پر یہ الفاظ تحریر فرما دیے۔

Marfat.com

"تصحیح کردہ نسخہ طبع چہارم کے لئے"

نیز تاکیداً تحریر فرما دیا - کہ اس نسخے کو ضائع نہ ہونے دیا جائے۔ مصنف علام کی اس تحریر کی تاریخ ۲۸ر جنوری ۱۹۵۰ء بوقت شب (مطابق) ۹ر ربیع الآخر ۱۳۶۹ھ ہے۔

راقم الحروف نے انتہائی کوشش کی ہے۔ کہ مصنف کی دلی آرزو کے مطابق حصہ اوّل کی طبع چہارم میں اس کے تجویز کردہ تمام اضافے اور ترمیمات اپنے اپنے مقام پر صحت کے ساتھ درج ہو جائیں۔

مصنف علام ۱۲ر جنوری ۱۹۵۶ء مطابق ۲۸ر جمادی الاولیٰ ۱۳۷۵ھ ہجر کو اللہ کو پیارے ہو گئے۔* لیکن یہ یقین کر لینا چاہیئے۔ کہ حصہ اوّل کی طبعِ چہارم گویا انہیں کی نگرانی میں شائع ہو رہی ہے۔ اللہ تعالےٰ ان کے درجات بلند کرے۔ اور ناظرین کو اس سے نفع پہنچاتے!

ناشکری ہوگی اگر صمیم قلب سے اس امر کا اعتراف نہ کیا جائے کہ شہادت القرآن کی یہ اشاعت کلیۃً حضرتِ اقدس مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری دامت فیوضھم کی توجہِ خاص کی رہینِ منت ہے۔ مولانا لال حسین صاحب اختر نے جس فیاضی سے کام لیکر شہادت القرآن کے ہر دو حصص کتابت کے لئے پیش فرمائے اللہ تعالےٰ اس کے لئے انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

۲۶- ذی الحجہ ۱۳۷۷ھ — عبدالقیوم میر

۱۵ر جولائی ۱۹۵۸ء — برادر زادہ مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی

---

* مرزا ہادی علی بیگ صاحب وامق رامپوری نے مولانائے مرحوم کی تاریخِ وفات یوں تحریر فرمائی ہے:

ھ ۱ ۳ ۷ ۵

تالوا، ھادي، أكتب: ألحق، موتُ العالِمِ موتُ العالَمِ

دیباچہ طبع ثالث

مسمّٰی بسعادتِ الاقران بکشف بعض لطائفِ شہادتِ القرآن

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الۡعَلِیِّ الۡاَکۡرَمِ، اَلَّذِیۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ، عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ یَعۡلَمۡ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ مُحَمَّدٍ سَیِّدِ الۡعَرَبِ وَالۡعَجَمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ

امّا بعد - صاحبان! **شہادت القرآن** کا پہلا حصّہ جس میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کی رفع آسمانی نو آیاتِ قرآنیہ سے ثابت کی گئی ہے، اوّل مرتبہ ماہ رجب ۱۳۲۱ھ میں طبع ہوا، اس کے بعد اس کا دوسرا حصّہ جس میں ان ۳۰ تیس دلائل کا جواب ہے جو مرزا غلام احمد صاحب مدعی مسیحیت و نبوت نے، حضرت عیسٰی علیہ السلام کی وفات قبل النزول پر بزعم خود قرآن شریف سے پیش کئے ہیں، مرزا صاحب کی زندگی ہی میں رمضان ۱۳۲۳ھ میں طبع ہوا، مرزا صاحب ۲۴ ماہ ربیع الآخر ۱۳۲۶ھ مطابق ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو بروز منگل (سہ شنبہ) میلہ بھدر کالی کے دن بمقام لاہور فوت ہوئے - اس سے صاف ظاہر ہے کہ مرزا صاحب کو **شہادت القرآن** کا جواب لکھنے کے لئے کئی سال کی مہلت ملی، لیکن نہ تو جناب مرزا صاحب آنجہانی کو ہمت ہوئی اور نہ ان کی زندگی میں اُن کی جماعت کے کسی واقعی عالم یا مدعی علم کو جرأت ہوئی -

پھر **دوسری مرتبہ** پہلا حصّہ صفر ۱۳۳۱ھ میں مطابق فروری ۱۹۱۳ء اور دوسرا حصّہ باہتمام حضرت مولٰنا المکرم جناب **مولوی ثناء اللہ** صاحب دامت برکاتہ سردار **اہلحدیث** ذی الحج ۱۳۴۰ھ مطابق اگست ۱۹۲۲ء میں طبع ہوا -

ارادہ تھا کہ دوسری طبع میں اس کی بعض مشکلات کی تسہیل اور مجملات کی توضیح

Marfat.com

تفصیل کردونگا، لیکن میری قلتِ فرصت (جو ہمیشہ شاملِ حال رہتی ہے) اور طالبین کی شدّتِ شوق و استعجال نے اس خواہش کو پورا نہ ہونے دیا ؎

مَا کُلُّ مَا یَتَمَنَّی الْمَرْءُ مُدْرِکُہٗ
تَجْرِی الرِّیَاحُ بِمَا لَا تَشْتَہِی السُّفُنُ

اب تیسری طبع کی نوبت آگئی ہے۔ اور جس قدر شائقین کی طلب اور "دفتر اہلحدیث" کی فرمائش زیادہ ہو رہی ہے، اُسی قدر میری فرصت کم سے کمتر ہو رہی ہے، ایسی قلتِ فرصت کی حالت میں کہ متعدد مشکل اور مطوّل تصانیف[1] کا سلسلہ جاری ہے اس علاوہ[2] کو بھی ساتھ رکھ لیا۔ اب اللہ ہے کہ ان سب کو پورا کرا دے ھو حسبی و نعم الرفیق۔
خیال تھا، اس تیسرے ایڈیشن میں امکان خرق عادت کا مضمون مفصل لکھا جائے۔ چنانچہ وہ لکھ بھی ڈالا۔ لیکن وہ اتنا طویل ہو گیا کہ اگر اُسے اس کتاب کا جزو بنایا جائے تو کتاب کا حجم بڑھ جائے۔ بنا بریں مناسب جانا کہ اسے الگ ایک رسالہ کی صورت میں طبع کرا دیا جائے۔

اہلِ علم نے اس کتاب (شہادت القرآن) کی جو قدر کی، وہ اُن کی ذرہ نوازی، اور علمی قدردانی ہے، ورنہ میری نظر سے وہ اس قابل نہ تھی کہ اہلِ علم اُسے اس طرح ہاتھوں ہاتھ لیتے، اور قادیانی مناظرات میں زیرِ نظر رکھتے،

میں حضراتِ **دیوبند** کا خصوصیت سے شکرگزار ہوں، کہ انہوں نے اپنی علمی قدرشناسی اور فراخ دلی کا عملی ثبوت دیا، خصوصًا مولانا مولوی حبیب الرحمٰن صاحب کا کہ وہ برابر اپنے طلبا اور محصلین اور زیر اثر شائقین کو اس کتاب کی طرف توجہ دلاتے

---

[1] مثلاً تاریخ اہلحدیث، خلافت راشدہ[3] کے دو سلسلے (ایک اخبار اہلحدیث میں، اور دوسرا اخبار زمیندار میں) سیرۃ الرسول (آنحضرت صلعم کے سوانح قدسیہ) تفسیر ثنائی[4] کے ترجمۃ القرآن پر نظر ثانی، حسب فرمائش جناب مولانا الکرم، اور اپنی تفسیر القرآن مسمی بہ توفیق الرحمٰن، اور بلدیہ سیالکوٹ کے تعلقات اور لوگوں کے بیچ کے معاملات اور فصل خصومات اور ہندوستان بھر سے روزانہ خط و کتابت اور انشائے فتاوی کے اشغال تو گنتی میں نہیں۔ اَللّٰھُمَّ تَمِّمْ کُلَّھَا بِالْخَیْرِ وَ تَقَبَّلْھَا مِنِّی اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ
مزید براں فروری ۱۹۲۳ء کا سارا مہینہ سفر میں گذرا۔ [2] علاوہ (بالکسر) عربی میں اس چھوٹی سی گٹھڑی کو کہتے ہیں جو لادو جانوروں پر ان کے اصلی بوجھ سے زائد اوپر رکھ لیتے ہیں۔ ۱۲ منہ

رہتے ہیں، میں انسان ہوکر، اس ناچیز خدمت کو، بے عیب متاع، کی طرح پیش نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن چونکہ ایمان و ایمانیات میں اذعان و وثوق ضروری ہے، اس لئے اپنے ایمان و اذعان کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اس میں حق حق بیان کیا ہے، اور اسے ایسے زبردست اور روشن دلائل سے ثابت کیا ہے کہ اس کے جواب میں مرزا صاحب اور ان کی جماعت کا قلم کیا دم بھی ٹوٹ گیا ہے، نہ تو جواب کی ہمت پڑی اور نہ انشاء اللہ پڑیگی، کیونکہ میں نے اس میں خدا کے فضل و توفیق سے اصل دلیل کی بنا صرف قرآن کریم پر رکھی ہے، اور اسے اِدھر اُدھر کی کھینچ تان اور ایچا پیچیوں سے سلامت رکھتے ہوئے بالکل منشائے الٰہی کے مطابق بیان کیا ہے اور باقی سب قسم کے دلائل کو اس کے ماتحت تائیدی شہادتیں اور تشریحیں بنایا ہے۔ حالٰ اس امر کا لحاظ شدت سے رکھا ہے کہ کسی آیت کے مفہوم کو کلام الٰہی کے امین اور صحیح مخاطب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بیانِ قولی یا فعلی، اور فصیح زبانِ عرب کے محاورات اور علمی قواعدِ استدلال و استنباط کے خلاف بیان نہ کروں،

اہلِ علم و فہم اصحاب کی خدمت میں ان کے مذاقِ علم کی ضیافت کے لئے چند سطور ذیل میں پیش کرتا ہوں، جس سے ان کی دوررس نظر، اس امر کو بسہولت پالیگی کہ میں نے اس کتاب میں کیسی پختگی سے امورِ ضروریہ کو مرعی رکھا ہے، اور مضمون کے مالہٗ وما علیہ کو کس طرح نظر میں رکھ کر حق کا اثبات اور باطل کا ابطال کیا ہے، اور مفہومِ کلام کو خدائے حکیم کے منشا کے مطابق بیان کیا ہے اور مقامِ احتجاج و تحقیق میں دفع الوقتی اور تساہل اور مقامِ تردید و تنقید میں اوچھے ہتھیاروں سے ہرگز کام نہیں لیا۔ بلکہ خدا کے فضل و حسنِ توفیق سے شہادت القرآن کے ہر دو حصوں میں خالص حق (بغیر کسی قسم کی ملاوٹ کے) زبردست دلائل سے بیان کیا گیا ہے۔

پہلے حصے میں مقامِ **استدلال تعلیل** میں کسی امر کو بھی **بغیر دلیل** نہیں چھوڑا،

Marfat.com

کہ کوئی مانع طلب کر سکے، اور ہر دلیل کو قواعدِ علمیہ سے ایسا محکم کیا ہے کہ مخالف کو نقض کی گنجائش نہیں، اور قواعدِ علمیہ کا اجراء اور استدلال کی بنا آیات قرآنیہ پر رکھی ہے، اور یہ مسلّم ہے کہ اُن کا معارضہ ممکن نہیں، اور ہر نقل کو صحیح صحیح بغیر کمی بیشی یا تغییر مفہوم کے لکھا ہے۔ پس صحت نقل کا مطالبہ عبث ہے، اور پھر مسلمات نقلیہ کو میزانِ عقل پر بھی پورا کر دکھایا ہے کہ ہر دو جہت سے برہان قوی ثابت ہو، پس تعارض عقل و نقل کا عذر بھی نہیں ہو سکتا۔

دوسرے حصّے میں مرزا صاحب کے "دلائل وفاتِ مسیح" کا جواب ہے۔ اس میں ان کی ہر فرضی دلیل کے ہر مقدمہ پر علم لغت و نحو و اصول، اور قرآن و حدیثِ صحیح سے نقض کیا ہے اور ہر نقض میں شاہد پیش کیا ہے، اور ان کے اپنے مسلّمات سے اُن پر الزام قائم کئے ہیں، پس اپنی کم بضاعتی کا اعتراف کرتے ہوئے اور محض خدا کے فضل پر اعتماد رکھتے ہوئے، میں کہہ سکتا ہوں کہ شہادت القرآن کے حصہ دوم کے مطالعہ کے بعد مرزا صاحب کے صاحب علم ہونے کا خیال باقی نہیں رہ سکتا۔

اگر اُن کے کسی حامی کے سر میں پھر بھی خیال سمائے کہ مرزا صاحب علم نحو و اصول میں مہارت رکھتے تھے، تو اس کا فرض ہے کہ ان علوم کے رو سے اس کتاب کے حصّہ دوم کا جواب لکھ کر اپنے خیالات کو مرزا صاحب کی تصریحات سے ثابت کرے، جو انشاء اللہ نہیں ہو سکیگا،

مرزا صاحب کی زندگی میں نہ تو ان سے اور نہ اُن کے کسی ذی علم مرید سے ہو سکا کہ شہادت القرآن کا جواب لکھیں۔ آخر ان کی وفات کے کئی ماہ بعد اُن کے ایک حواری مولوی ظہور الدین صاحب اکمل نے اس کے پہلے باب کا جواب بنام شہادت الفرقان چھپوایا۔ لیکن حقیقت میں وہ شہادت القرآن کا جواب نہیں ہے۔ اسی لئے خود ان کی جماعت میں بھی اس کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی، اس کی دو وجہیں ہیں۔ اوّل یہ کہ مولوی اکمل صاحب شہادت القرآن کے مطالب عالیہ اور لطائفِ علمیہ کو سمجھ نہیں سکے۔ بلکہ جن امور کو بالتصریح بیان کیا گیا ہے،

Marfat.com

اُن کو بھی خیال میں نہیں رکھ سکے بلکہ جو باتیں ان کی جماعت اور خود مرزا صاحب اس سے قبل مسئلہ حیات و ممات حضرت عیسٰی علیہ السلام کے متعلق بیان کیا کرتے تھے وہی دُہرادی ہیں۔ حالانکہ شہادت القرآن میں ان عذرات کی تردید صراحۃً یا اشارۃً موجود ہے۔ اور خدا کے احسان سے خاکسار نے اس کتاب کو خاص اسی خیال سے ایسی مضبوطی اور خوبی کے ساتھ لکھا تھا کہ مرزا صاحب قادیانی اور اُن کی جماعت کے علماء اس کے جواب سے عاجز رہیں۔ دیگر اس خیال سے کہ جو کچھ قادیانیوں کی طرف سے اس کے جواب میں نکلے اس کا جواب بھی خود شہادت القرآن ہی ہو، اور مجھے نیا جواب لکھنے کی ضرورت نہ پڑے ؎

قاصد کے آتے آتے میں خط اور لکھ رکھوں
میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں

سو الحمد للہ میرے دونوں خیال درست نکلے۔ نہ تو مرزا صاحب قادیانی اس کا جواب لکھ سکے اور نہ اُن کے علماء اس کے دلائل کو توڑ سکے اور نہ مجھے جواب الجواب کے لئے شہادت القرآن سے باہر جانا پڑا۔ چنانچہ انشاء اللہ آپ دیکھیں گے کہ یہ ہیچمدان موقع بہ موقع اکمل صاحب کا جواب خاص شہادت القرآن ہی کی تصریحات اور اشارات سے دیگا۔ وما توفیقی الا باللہ۔

دوسری وجہ یہ کہ خاکسار نے شہادت القرآن کا پہلا باب رجب ۱۳۲۱ھ میں چھپوایا۔ اور دوسرا باب ڈیڑھ سال بعد رمضان ۱۳۲۳ھ میں طبع کرایا۔ اس ڈیڑھ سال سے کچھ زائد عرصہ میں پہلے باب کا کوئی جواب نہیں لکھا گیا اور اس کے بعد بھی ۱۳۲۶ھ تک خاموشی رہی اور مرزا صاحب چل بسے۔ ساڑھے پانچ سال بعد صرف پہلے باب کا جواب طبع ہوا۔ اور دوسرے باب سے جس میں مرزا صاحب کے ان دلائل کو جو انہوں نے وفات حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں لکھے ہیں لغت عرب اور قواعدِ علمیہ اور احادیثِ نبویہ اور علومِ آلیہ اور اصولِ استدلال سے ایسا غلط ثابت کیا گیا ہے کہ اس کے مطالعہ کے بعد مرزا صاحب کی عیسویت کا رنگ تو کجا آپ کی

علمیت کا بھی سارا بھرم کھل جاتا ہے۔ اور قطارِ علماء میں شمار نہیں ہوسکتے اِستغنا کیا جائے، ایں چہ بوالعجبی؟ لہٰذا خاکسار اکمل صاحب کے جواب کو شہادت القرآن کا جواب نہیں کہہ سکتا۔

بنابریں مجھے اکمل صاحب کی کتاب کا جواب دینے کی ضرورت نہ تھی لیکن چونکہ شہادت القرآن کی دوسری طبع نہایت عجلت وقلتِ فرصت اور کثرتِ سفر کی حالت میں ہوئی۔ اور اس کے حاشیہ پر قادیانی کتاب کے متعلق ریمارک نہیں ہوسکے اور اب تیسری طبع پھر ہونے والی ہے۔ اس لئے مناسب جانا کہ اُن شبہات کو بھی اٹھادوں جو اکمل صاحب کو شہادت القرآن کے نہ سمجھنے کے سبب پڑے ہیں تاکہ شہادت القرآن کے لطائف اور زیادہ ظاہر ہوں اور پیرکہن سال مولوی محمد احسن صاحب امروہوی قادیانی کی وہ رائے درست ثابت ہو جو انہوں نے مولوی فیروزالدین صاحب فیروز ڈسکوی مرحوم کو مرزا صاحب کی زندگی میں سیالکوٹ میں ان سے سوال کے جواب میں کہی تھی کہ اگر شہادت القرآن کا جواب لکھا جائے۔ تو اس کی حیثیت اور بڑھ جائیگی۔ سو میں اس جواب الجواب کا نام جو بیشتر حاشیہ پر ہو گا۔ **سعادت الاقران بکشفِ بعض لطائفِ شہادت القرآن** رکھتا ہوں۔ اور ہر امر سہل وصعب میں خدائے کریم سے توفیق چاہتا ہوں۔

راقم۔ آپ کا صادق
ابوتمیم محمد ابراہیم میر سیالکوٹی

شہادۃُ القرآن

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ عَنَتْ لِجَلَالِ عِزَّتِہٖ وُجُوْہُ الْاَبْطَالِ بِالذُّلِّ وَالْاِبْتِہَالِ ؛ وَخَشَعَتْ لِکَمَالِ حِکْمَتِہٖ اَعْنَاقُ اَکَابِرِ الرِّجَالِ ؛ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ بِغَیْرِ احْتِیَاجٍ وَّیَخْلُقُ مَا یَشَآءُ بِلَا امْتِزَاجٍ وَّعِلَاجٍ - اَعَزَّ لَدَیْہِ مَاوَی الْمُرْتَضِیْنَ وَالْمُلْتَجِئِیْنَ اِلَیْہِ ؛ وَاَکْرَمَ مَثْوَی الْمُنْقَطِعِیْنَ اِلَیْہِ وَالْمُتَوَکِّلِیْنَ عَلَیْہِ ؛ لَا یَعْزُبُ عَنْہُ مِثْقَالُ ذَرَّۃٍ وَّلَا یُعْجِزُہٗ شَیْءٌ وَھُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ ؛ لَا یُعَقَّبُ عَلٰی مَا یَحْکُمُ وَلَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ الْخَبِیْرُ - اَرْسَلَ الرُّسُلَ بِالْحَقِّ وَاَنْطَقَھُمْ بِالصِّدْقِ فَاَوْضَحَ الْمَحَجَّۃَ وَلَمْ یَدَعْ لِاَحَدٍ اِنِ الْحُجَّۃَ ؛ فَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی جَمِیْعِھِمْ وَسَلَّمَ ؛ اِنَّہٗ وَلِیُّ النِّعَمِ وَرَبُّ الْکَرَمِ خُصُوْصًا عَلٰی خَیْرِھِمْ وَصَفْوَتِھِمْ الْمَخْصُوْصِ بِعُمُوْمِ الدَّعْوَۃِ وَخِتَامِ النُّبُوَّۃِ ؛ اَلَّذِیْ نَصَبَ مَعَالِمَ الْھُدٰی لِلْوَرٰی وَرَقٰی فِیْ مَدَارِجِ الْعُلَاءِ

وَمَعَارِجِ السَّمَآءِ اِلَی الْغَایَةِ الْقُصْوٰی ۔ اَخْبَرَ بِمَا یَکُوْنُ مِنَ الْخَیْتَعُوْرِ بِالْفِتَنِ وَالشُّرُوْرِ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ ۔ وَاخْتَارَ اللّٰهُ لِتَصْدِیْقِهٖ کَلِمَتَهُ الْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ الَّذِیْ یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ بِالْحُکْمِ وَالْعِلْمِ ۔ وَعَلٰی اٰلِهٖ الْاَطْهَارِ وَخُلَفَائِهٖ سَادَةِ الْاَبْرَارِ الَّذِیْنَ بَلَّغُوْا عَنْهُ بِاللِّسَانِ وَالسِّنَانِ وَالْقَلَمِ ۔ وَضَرَبُوْا اَعْنَاقَ الْجَبَابِرَةِ وَالدَّجَاجِلَةِ اُوْلِی الْکَبَائِرِ وَالْوَخَمِ ۔ فَمَنِ اقْتَدٰی بِهِمْ فَقَدْ رَشَدَ وَاهْتَدٰی ۔ وَمَنِ ابْتَغٰی غَیْرَ سَبِیْلِهِمْ فَقَدْ ضَلَّ وَغَوٰی ۔

اَمَّا بَعْدُ : پس بندۂ ضعیف سمیّ خلیل اللہ الحنیف محمد ابراہیم میر سیالکوٹی ارباب فطنت و تحقیق و اصحاب خبرت و تدقیق کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ اس زمانِ بغی و طغیان میں ہر شخص جدا گانہ مذہب و طریقہ بنائے بیٹھا ہے اور اسی میں فلاحِ عقبیٰ اور صلاحِ دُنیا سمجھتا ہے۔ ظلمتِ فلسفہ اُن پر ایسی چھائی ہے کہ اپنے خیالاتِ مخترعہ کی تصدیق کے لئے نہ تو کتابِ آسمانی کی ضرورت سمجھتے ہیں اور نہ قائدِ ربانی حکیمِ حقانی رسولِ یزدانی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان و نہی کی حاجت۔ باوجود قلتِ بضاعت اور قصورِ باع میدانِ اجتہاد کے شہسوار بنتے ہیں اور انہیں اوہامِ باطلہ اور وساوسِ عاطلہ پر نجات کے متمنی۔ ایسے ہی لوگوں کے مناسب حال کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

وَکُلٌّ یَدَّعِیْ وَصْلًا لِلَیْلٰی — وَلَیْلٰی لَا تُقِرُّ لَهُمْ بِذَاکَا

"یعنی ہر کوئی لیلےٰ کے وصل کا مدعی ہے۔ لیکن لیلےٰ کا ان میں سے کسی سے بھی اقرار نہیں"

ہر ایک اپنے لئے الگ مسلک بنائے ہوئے ہے اور سلف صالحین کے مسلک کی اتباع کو، جن کے بارِ احسان سے ہم کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتے، چھوڑے ہوئے ہے اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۔ متقدمین اسلام کو اصول و شرائع سے ناواقف بناتے

اور خود وحی والہام کے دعاوی باطلہ جگاتے ہیں۔ چنانچہ حال میں مرزا غلام احمد صاحب ساکن قادیان ضلع گورداسپور نے اپنے لئے مسندِ مسیحی تجویز کی اور رفتہ رفتہ منبرِ محمدیّت[1] پر جا براجے اور پھر ابن اللہ[2] ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ عوام کالانعام کو یہ دھوکا دیا۔ کہ قرآن شریف کے کسی مقام سے ثابت نہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام اسی جسم خاکی کے ساتھ آسمان کی طرف اُٹھائے گئے بلکہ قرآن شریف کے کئی مقامات میں مسیح کے فوت ہو جانے کا صریح ذکر ہے[3]۔

جب ان لوگوں کو کوئی پچھلی تفسیر بتائیں تو اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْن کہہ کر جھٹ انکار کر دیتے ہیں۔ اور اگر اُن کے روبرو حدیثِ نبویؐ پڑھیں تو اُسے بوجہ بے علمی کے مخالف و معارضِ قرآن بنا کر دُور پھینک دیتے ہیں اور اپنی تفسیر بالرائے کو جو حقیقت میں تحریف و تاویلِ منہی عنہ ہوتی ہے۔ مؤیّد بالقرآن کہتے ہیں۔ بیچارے کم علم لوگ اس سے دھوکا کھا جاتے ہیں اور ورطہ تردّدات و گرداب شبہات میں گھر جاتے ہیں۔

وَلَئِنْ نَسَخَ اللّٰهُ فِیْ مُدَّتِیْ وَوَفَّقَنِیْ بِمَزِیْدِ کَرَمِهٖ لَاُصَنِّفَنَّ فِی التَّوْفِیْقِ بَیْنَ الْحَدِیْثِ وَالْقُرْاٰنِ رِسَالَةً تُرْوِی الْغَلِیْلَ وَتَشْفِی الْعَلِیْلَ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَیْهِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْهِ اُنِیْبُ ؕ

اور اگر خدا نے عمر میری بڑھائی اور اپنے مزید کرم سے توفیق بخشی تو میں قرآن و حدیث کی موافقت میں ایک ایسا رسالہ لکھوں گا جو پیاسے کو سیراب کر دے اور بیمار کو شفا دیدے اور میں اسے خدا کی توفیق کے سوا انجام نہیں دے سکتا۔ اُسی پر میرا بھروسہ ہے اور اُسی کی طرف میری باطنی توجہ ہے۔

سو ایسے شبہات کے وقت میں اللہ عزیز حکیم نے مجھ عاجز کو محض اپنے فضل و کرم

---

[1] دیکھو تریاق القلوب مصنفہ مرزا صاحب بشعر۔ منم مسیح زمان و منم کلیمِ خدا۔ منم محمد و احمد کہ مجتبیٰ باشد

[2] دیکھو دافع البلاء مصنفہ مرزا صاحب۔ ۱۲ منہ۔

[3] دیکھو ازالہ اوہام مصنفہ مرزا صاحب طبع اوّل صفحہ ۶۴۶۔ طبع سوم ص۲۰۵ و ۲۰۶۔

[4] خدا کے کرم سے یہ مضمون تائید القرآن میں صفحہ ۳ سے صفحہ ۱۹ تک مفصل بیان کر دیا گیا ہے ۱۲ منہ

سے راہِ حق کی ہدایت کی اور ہر طرح سے ظاہراً و باطناً معقولاً و منقولاً مسئلہ حقہ سمجھا دیا۔
چنانچہ شروع جوانی ۱۸۹۱ء میں (جب میں انگریزی سکول میں پڑھتا تھا) حضرت مسیح علیہ السلام کی زیارت بابرکت سے مشرف ہوا۔ اس طرح کہ آپ ایک گاڑی پر سوار ہیں اور بندہ اس کو آگے سے کھینچ رہا ہے۔ اس حالتِ باسعادت میں آپ سے مرزا صاحب قادیانی کے دعوے کی نسبت عرض کی۔ آپ نے زبانِ وحی ترجمان سے بالفاظِ طیبہ یوں جواب فرمایا کہ کوئی خطرے کی بات نہیں، اللہ تعالیٰ اس کو جلد ہلاک کر دے گا۔[1]

بوجہ چند امور کے اس اشتیاق کو جنب میں رکھے ہوئے انگریزی تعلیم پاتا رہا۔ دفعتہً ۱۸۹۶ء میں قائدِ ازلی کے اشارے سے تمنائے قلبی کو پورا کرنے کے لئے کالج[2] چھوڑ دیا اور ہمہ تن علومِ عربیہ کے حاصل کرنے میں مصروف ہو گیا۔ الحمد للہ کہ تھوڑی مدت میں جو کچھ مقدر تھا بھر پایا۔

ان دنوں مرزا صاحب قادیانی کا بہت چرچا تھا اور اُنہوں نے مسئلہ حیات و وفات مسیح علیہ السلام کو بنائے دعویٰ قرار دے رکھا تھا، اس لئے خاکسار نے مسئلہ حیات و نزول مسیح علیہ السلام کو کتبِ تفسیر و حدیث سے تحقیق کرنا شروع کیا تو سب کو رفع آسمانی اور نزولِ بارِ ثانی پر متفق پایا۔ مگر جب اس فرقہ کا یہ طریق دیکھا کہ وہ تفاسیر و احادیث کو نظرِ حقارت سے دیکھتے ہیں تو اتماماً للحجۃ صرف قرآن شریف ہی سے مسائل زیرِ نزاع کو حل کرنا شروع کیا۔ سو الحمد للہ کہ دامنِ مراد کو گوہرِ مقصود سے بھر لیا۔ اور علومِ عقلیہ کے ہر نامعقول اعتراض کو محض قرآن کریم ہی سے دفع کیا۔ جب علومِ ظاہریہ سے عقیدۂ حیات و نزولِ حضرت مسیح علیہ السلام کو صحیح ثابت کر لیا۔ تو پھر باطنی طور پر فیضانِ الٰہی کا کرشمہ دیکھنا چاہا، چنانچہ شعبان ۱۳۱۹ھ میں جب بندہ حفظِ قرآن شریف[3] میں مشغول

---

[1] چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ مرزا صاحب ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو لاہور میں بعارضہ ہیضہ عالم جزا کو سدھارے ۱۲ منہ

[2] خاکسار اس وقت ایف۔ اے کے پہلے سال میں تھا۔ ۱۲ منہ

[3] الحمد للہ کہ اس کے فضل و توفیق سے اس وظیفہ کے جاری رکھنے تک جو کہ آنحضرت صلعم نے حفظ قرآن کے لئے حضرت علی رضہ کو فرمایا تھا (ترمذی) میں نے صرف ایک مہینہ میں قرآن شریف حفظ کر لیا۔ والحمد للہ ۱۲ منہ

Marfat.com

تھا۔ ایک رات بکمالِ تضرع وابتہال درگاہِ ایزدِ متعال میں عرض پرداز ہوا۔ کہ خداوندا! اس امر میں جو کچھ تیرے نزدیک حق ہے مجھے دکھا، اور اس کی قبولیت و پیروی کی توفیق عطا فرما۔ پس خواب میں دیکھا کہ ایک نہایت سفید کاغذ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف سے جس پر الفاظ اِنَّ عِیْسٰی حَیٌّ فِی السَّمَآءِ وَسَیَنْزِلُ عِنْدَ قُرْبِ السَّاعَۃِ (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام بے شک آسمان میں زندہ موجود ہیں۔ اور وہ قیامت کے قریب ضرور اُتریں گے) مکتوب تھے۔ میرے سامنے کیا گیا[1]۔ اس رویائے حقہ سے بندہ کا سینہ باغ باغ ہوگیا اور نور اور معرفت کے پھولوں سے بھر گیا۔

القصہ ۱۹۰۲ء میں شہر سیالکوٹ میں بمواقع کثیرہ بعض احباب کے اصرار سے حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات فی السماء کو مع دیگر مسائل (معراج وغیرہ) بنصوص قرآنیہ بیان کیا۔ جس سے اللہ تعالےٰ نے منکرین کو بالکل پست کردیا۔ اور بہت سے مذبذبین اور متردوین کو شاہراہِ عقیدت پر چلایا۔ رفتہ رفتہ دوسرے شہروں میں آوازہ بلند ہوا اور خطوطِ طلبی آنے لگے۔ بندہ نے سمجھا کہ حضرت عیسیٰؑ کی گاڑی کو چلانے والا خواب سچا ہوا چاہتا ہے لہٰذا برادرانِ دینی کی استدعا کو بسر وچشم منظور کرکے محض تبلیغ دین کے لئے کئی سفر کئے چنانچہ وزیرآباد (ضلع گجرات۔ شہر جہلم۔ شہر راولپنڈی۔ امرتسر اور پشاور میں سفر کرکے اس قدر وعظ کئے کہ اکثر لوگ مطمئن ہوگئے اور بعض مرزائی تائب ہوگئے۔ فرقۂ مرزائیہ کے بعض مدعیان علم سے پسرور۔ سیالکوٹ۔ وزیرآباد۔ کھاریاں۔ موضع کلا تحصیل کھاریاں ضلع گجرات پنجاب) اور شہر جہلم میں مباحثات و **مناظرات** بھی ہوئے[2]۔ ان سب مواضع میں اللہ تعالےٰ نے اپنے بندہ (خاکسار) کو غلبہ دیا اور مخالفین کو حجت میں مغلوب کیا

---

[1] کیفیت یہ تھی کہ وہ کاغذ عالم غیب سے میری آنکھوں کی اُونچائی کے برابر میرے سامنے آیا۔ اور سوائے دستِ قدرت کے کوئی اس کو تھامنے والا نہیں تھا۔ ۱۲ منہ

[2] شہادت القرآن کی تصنیف کے بعد بھی کئی ایک مقامات پر قادیانی علما سے مباحثات ہوئے۔ مثلاً چنیوٹ۔ لاہور۔ مونگیر (بہار) گوجرانوالہ۔ ڈیرہ بابا نانک صاحب۔ ان سب مقامات پر خدا تعالےٰ نے خاکسار کی مدد کی اور نمایاں فتح دی۔ ۱۲ منہ

Marfat.com

چنانچہ بعض کو ہلاک[۱] کیا اور بعض کو بیماری میں مبتلا کیا اور بعض کو ندامت[۲] کے دریا میں غرق کیا۔ جہلم میں (مرزا صاحب) قادیانی کے سامنے[۴] کھڑے ہو کر صدہا مسلمانوں کے درمیان مسئلہ حیات و رفع مسیح علیہ السلام صرف قرآن شریف سے بیان کیا اور مرزا صاحب کو زبانی و تحریری طور پر تحقیق حق کی طرف دعوت بھی دی۔ مگر وہ اس پر ہاں نہ کر سکے پر نہ کر سکے اور اب بھی نہ کر سکینگے[۵] انشاء اللہ تعالیٰ۔

آخر الامر صدر پشاور کے ایک مخلص دوست[۶] کے مشورہ سے اس مضمون کو قلمبند کیا۔ تاکہ اللہ تعالےٰ گم گشتگان بادیۂ ضلالت کو قادیانی عقائد سے بچا کر شاہراہ عقیدت پر لائے۔ اور نیز ہر محقق کے پاس دلائل ساطعہ و براہین قاطعہ کا مجموعہ موجود رہے۔

اس کتاب میں تین مقدمات اور ایک تنبیہ اور دو فصلیں ہیں۔ مقدمہ اُولیٰ در امکانِ معجزات۔ مقدمہ ثانیہ در تشریح سنۃ اللہ۔ مقدمہ ثالثہ در خصائص حضرت عیسےٰ علیہ السلام۔ تنبیہ در بیان طریق استدلال مُصنّف۔ فصل اوّل در بیان عدم مصلوبیت حضرت مسیح علیہ السلام۔ اس کا نام ضَرْبُ بِالْیَمِیْنِ لِکَسْرِ صَلِیْبِ الْمُلْحِدِیْن ہے۔ فصل ثانی در اثباتِ حیات حضرت عیسیٰ علیہ السلام و رفع جسمی۔

سو اس کتاب کو اللہ تعالےٰ وُدُود کے نام سے شروع کرتا ہوں اور سرامر سہل

---

[۱] مثلاً مولوی قائم الدین صاحب سیالکوٹی اور شیخ چراغ دین صاحب گجراتی۔ ۱۲

[۲] مثلاً مولوی مبارک علی صاحب کو مباحثہ جہلم میں۔

[۳] مثلاً مولوی مبارک علی صاحب سیالکوٹی کو پسرور میں اور فضل دین صاحب کو کھاریاں میں۔

[۴] جب مرزا صاحب مولوی کرم الدین صاحب کے استغاثہ پر جہلم میں تاریخ مقدمہ پہ گئے تھے ۱۲ منہ

[۵] چنانچہ ایسا ہی ہوا تا دم حیات طاقت نہ ہوئی۔ بلکہ جس روز مرزا صاحب لاہور میں فوت ہوئے اس سے ایک روز پیشتر ان کو میری طرف سے بوساطتِ ڈاکٹر ایم۔ اے سعید صاحب دعوتِ مناظرہ کا خط پہنچ چکا تھا۔ وہ خط کیا تھا۔ گویا پیام اجل تھا کہ دوسرے روز مرزا صاحب فوت ہو گئے۔ ۱۲ منہ

[۶] ڈاکٹر سید ابو محمد جلال الدین صاحب مقیم پشاور (رحمہ اللہ) ۱۲ منہ

Marfat.com

بصعب ہیں صرف اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں وَالِالْتِمَاسُ مِنْ کِرَامِ النَّاسِ
اَنْ یَّعْفُوا الزَّلَلَ وَیَسُدُّوا الْخَلَلَ لِاَنَّ جُھْدَ الْمُقِلِّ مَشْکُوْرٌ وَّبَاذِلُ
الْوُسْعِ مَعْذُوْرٌ وَّاِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا
تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ وَھُوَ حَسْبِیْ وَنِعْمَ
الْوَکِیْلُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ
مِنِّیْ کَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ عِبَادِکَ الصّٰلِحِیْنَ وَاغْفِرْلِیْ خَطِیْئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ
وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ اَنْتَ رَبِّیْ وَاَنْتَ حَسْبِیْ وَ
وَاَنْتَ لِیْ نِعْمَ الْمُعِیْنُ ؎

خاکسار

ابو تمیم محمد ابراہیم میر سیالکوٹی ؓ

Marfat.com

مُقدّمہ[1] اُولیٰ

در بیانِ امکانِ خرقِ عادت

خرقِ عادت (معجزہ وکرامت) کے متعلق مدت سے اختلاف چلا آتا ہے کہ آیا یہ ممکن ہے یا نہیں۔ ایک فریق تو یہ کہتا ہے کہ اس کارخانہ قدرت میں جو کچھ ہم روزمرہ دیکھ رہے ہیں اور اس کا جو نظام ہم سمجھ چکے ہیں۔ اس کے خلاف کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اگرچہ خدائے قدیر سب کچھ کرسکتا ہے، مگر اس کے افعال اس نظام سے باہر نہیں ہیں۔ اگر کوئی بات قرآن وصحیح حدیث میں اس کے برخلاف وارد ہو تو اس کی تاویل کی جائے گی۔ اور ظاہری معنی نہ لئے جائیں گے۔

ان کے مقابلہ میں دوسرا فریق ہے جو یہ کہتا ہے کہ ہم مقدوراتِ باری کا احاطہ نہیں کرسکتے اور نہ قوانین قدرت پر ہمیں پوری اطلاع ہے۔ اور نہ ہو سکتی ہے۔ نظامِ قدرت کے سمجھنے کا دعویٰ تو اس صورت میں کریں۔ کہ اس کا اجرا ہمارے ہاتھ میں ہو۔ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا (پ۵۔ نسا)[2] ہماری بنا ہے اور وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ (پ۳۔ بقرہ)[3] ہماری بساط۔ جب قدسیانِ درگاہ سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ[4] (پ۱۔ بقرہ) پکار اُٹھے تو ہم کون ہیں کہ اس کی حکمتوں کے احاطہ کا دعویٰ کرسکیں؟ خواجہ حافظ صاحب

---

[1] مقدمہ بکسر الدالِ المشدّدۃ وبفتحہا ایضاً (لاجلال دمیرزاہد) وقال الزمخشری فی الفائق المقدّمۃ الجماعۃ التی تتقدّم الجیش من قدّم بمعنٰی تقدّم واستعیر لاوّل کلّ شیءٍ فقیل منہ مقدّمۃ الکتاب ومقدمۃ الکلام وفتح الدال خلف (منتہٰی) ۱۲ منہ

[2] انسان ضعیف پیدا کیا گیا ہے ۱۲ منہ [3] خدا کے علم میں کسی چیز کا احاطہ نہیں کرسکتے مگر جس قدر کہ وہ چاہے۔

[4] خداوندا تو پاک ہے ہمیں سوائے اس کے جو تو نے ہمیں سکھا دیا کچھ بھی معلوم نہیں بیشک تو ہی علیم (کل) اور حکیم (مطلق) ہے ۱۲ منہ

Marfat.com

اسی معنی میں فرماتے ہیں :

حدیث از مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معما را

مرزا صاحب قادیانی دعوائے مسیحیت سے پہلے تو اس دوسرے فریق کے ساتھ تھے۔ جیسا کہ ان کی کتاب "سرمہ چشم آریہ" کے مطالعہ سے ظاہر ہے۔ لیکن جب مسیحیت کا دعویٰ کرنے کی سوجھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات و رفع سماوی رستے میں حائل نظر آئی۔ تو پڑی ہموار کرنے کے لئے جھٹ پہلے فریق کے ساتھ ہو گئے

معشوقِ ما بمذہب ہر کس برابر است با ما شراب خورد و بزاہد نماز کرد

چنانچہ مرزا صاحب اپنی بنیادی کتاب "ازالہ اوہام" میں فرماتے ہیں :-

ماسوا اس کے اور کئی طریق سے ان پرانے خیالات پر سخت اعتراض عقل کے وارد ہوتے ہیں، از انجملہ ایک یہ اعتراض ہے۔ کہ نیا اور پرانا فلسفہ بالاتفاق اس بات کو محال ثابت کرتا ہے کہ کوئی انسان اپنے اس جسم خاکی کے ساتھ کرۂ زمہریر تک بھی پہنچ سکے۔" (ازالہ طبع اول تقطیع خورد ص۴۷)

حالانکہ جناب مرزا صاحب آنجہانی دعویٰ مسیحیت سے پہلے سالہا سال تک عیسیٰ علیہ السلام کے نزولِ آسمانی کے برابر قائل رہے۔ اور اپنی تصانیف میں جبکہ آپ کو الہام کا بھی دعویٰ تھا۔ اس کی تصریح کرتے رہے۔ چنانچہ "براہین احمدیہ" میں فرماتے ہیں :-

"اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو اُن کے ہاتھ سے دینِ اسلام جمیع آفاق و اقطار میں پھیل جائے گا۔"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ مرزا صاحب کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رفع سماوی اور آمدِ ثانی قرآن و حدیث کے رو سے محال و غلط ثابت نہیں ہوئی بلکہ اپنے دعوے کی بنیاد رکھنے کے لئے زمین صاف کی ہے۔

ہدایت اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کی طبیعت میں ایک ایسا امر ودیعت کر رکھا ہے جو اُسے ہر امر کی لِمَ (کیوں؟) اور کیف (کس طرح؟) کی نسبت سوال کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ یہ سوال دو طرح پر ہوتا ہے، اول استفسار اً جس کو دوسرے لفظوں میں طمینانِ قلب

Marfat.com

کے لئے کہنا چاہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے احیاء موتی کی کیفیت کی نسبت یہ سوال کیا تھا:۔

رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ (پ ۳ بقرہ رکوع ۳) خداوندا! مجھے دکھا کہ تو کس طرح مُردوں کو جلا کھڑا کرتا ہے۔ خدا تعالےٰ نے فرمایا! کیا تو اس پر ایمان نہیں رکھتا؟ (حضرت ابراہیم علیہ السلام نے) کہا! کیوں نہیں! لیکن اس لئے (دریافت کرتا ہوں) کہ میرے دل کو (عینی شہادت سے) اطمینان ہو جائے" (۲ : ۲۶۰)

اسی لئے امام بخاری علیہ رحمۃ اللہ الباری نے اس آیت کو اپنی صحیح میں ایمان کے کم و زیادہ ہونے کی دلیل میں پیش کیا ہے۔

دوم اس طرح کہ جس امر کی بابت سوال ہے اس کی نسبت دل غبار شبہات سے مکدّر ہے۔ جیسا کہ منکرین حشر اجساد قیامت کی نسبت استبعادی سوال کرتے ہیں قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ (پ ۲۳ یٰس) یعنی وہ (کافر) انسان کہتا ہے کہ ان ہڈیوں کو ان کے بوسیدہ ہونے پر کون زندہ کرے گا؟ (۳۶ : ۷۸)

سو پہلی صورت تو مدارج ایمانیہ میں سے ہے، اور دوسری کفر و ضلالت"

ارشاد چونکہ معجزہ اور کرامت کی نسبت ایک زمانہ وساوس میں قصور علم و فتور ایمان کے سبب مبتلا ہو رہا ہے۔ کوئی تو پہلی صورت میں زیادت علم اور جواب منکرین کے لئے تحقیقات میں لگا ہے۔ اور کوئی دوسری صورت میں شبہات میں پھنسکر انکار پر مُصر ہے۔ کوتاہ اندیش انسان، خدا کی قدرت کے ناپیدا کنار سمندر کو چلوؤں سے ناپنا چاہتا ہے،

اور "ایاز قدر خود بشناس" کی نصیحت کو سامنے نہیں رکھتا۔ اس لئے خاکسار نے مناسب جانا کہ بقدر اس وسعت و ہمت کے جو مجھے خداوند تعالےٰ نے عطا کی ہے، جہالت و غلط فہمی کے پردے کو اُٹھا کر کشف حقیقت کر دوں۔

وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ٭

Marfat.com

سو معلوم ہو کہ فلاسفہ کی طرف سے جو اعتراض تمام مادی و فعلی خوارقِ عادات پر آ سکتا ہے اس کی بنا علّت و معلول، سبب و مسبّب، اور خواصِ اشیاء کے مسئلہ پر ہے۔ جو فلسفی خرقِ عادت کے منکر ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہ کارخانۂ قدرت تمام کا تمام سلسلۂ علّت و معلول، سبب و مسبّب، تاثیر و تاثر سے وابستہ ہے، آگ جلاتی ہے، مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے، پانی تر کرتا ہے، کوئی چیز بغیر علّت و سبب کے وجود میں نہیں آ سکتی، اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ علّتِ تامہ موجود ہو اور معلول نہ پایا جائے، اور معجزہ اور کرامت کے مان لینے سے یہ لازم آتا ہے کہ کوئی چیز بغیر سبب و علّت (معتادہ) کے وجود میں آ گئی مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بلا باپ۔ یا اُس کی ماہیت بدل گئی، جیسے کہ موسےٰ علیہ السلام کا عصا سانپ بن گیا، یا غیر علّت علّت بن گئی، جیسے کہ موسےٰ علیہ السلام نے پتھّر پر عصا مارا تو اس پتھر سے پانی پھوٹ پڑا۔ یا یہ کہ کسی چیز کی خاصیت موجود ہوتے وہ اپنے فعل سے بیکار رہ گئی مثلاً یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جلتی آگ میں ڈالے گئے، لیکن جلے نہیں، وغیرہ ذالک۔

بس یہی ایک اصولی و جامع اعتراض ہے جو تمام فعلی و مادّی معجزات و کرامات پر وارد ہو سکتا ہے۔ اور جس کے حل ہونے پر اس کا حل موقوف ہے۔

حل خدائے قدیر نے نظامِ عالم ایسا مضبوط بنایا ہے۔ کہ ہم اُسے توڑ نہیں سکتے اور نہ اس نے اشیاء میں ایسے خواص رکھے ہیں کہ وہ ان سے منفک نہیں کئے جا سکتے۔ لیکن یہ بھی تو اُسی نظام میں سے ہے کہ اس نے ایک چیز کے مقابلہ میں دوسری اس کی ضد بنائی ہے۔ جو پہلی کے اثر کو باطل کر دیتی ہے۔ اور یہ اضداد کچھ تو ہمارے علم میں آ گئی ہیں، اور جو علم میں نہیں آئیں وہ بہت زیادہ ہیں، اور کسی شے کی جو علّت ہمارے علم میں آ چکی ہے ضرور نہیں کہ کارخانۂ قدرت میں اس کی وہی علّت ہو اور اس کے علاوہ دیگر کوئی نہ ہو بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس کے علاوہ بھی ہو۔ پس اتنے ناقص علم کی بنا پر سلسلۂ کائنات کے احاطہ کا دعوے چھوٹا منہ بڑی بات ہے۔

حقیقت میں سلسلۂ علّت و معلول اور سبب و مسبب ایک ایسا پیچیدہ گورکھ دھندا

ہے کہ اس کی پیچیدگیوں کو کھولنا نہایت ہی دشوار ہے، کیونکہ جو کچھ انسان کے علم میں آیا ہے وہ بہت تھوڑا ہے اور جو اس سے پوشیدہ ہے، اس کی کوئی حد نہیں، پس محدود سے بے حد پر رائے لگانی درست نہیں ہے

اے گرفتارِ سبب از مسبّب غافلی سوئے ایں روتاب، زاں سوماملی

امام غزالیؒ نے ایک کتاب بنام تہافۃ الفلاسفہ لکھی ہے، اس میں اصولی طور پر بقدرِ ضرورت فلسفیوں کے تمام علوم کا ذکر کرکے ان میں سے چار مسئلے مخالفِ اسلام قرار دئے ہیں، ایک یہ ہے جس کا ذکر ہم علت و معلول یا سبب و مسبب کے نام سے کر رہے ہیں۔ چنانچہ امام ممدوح فرماتے ہیں:۔

وَاِنَّمَا نُخَالِفُهُمْ مِنْ جُمْلَةِ هٰذِهِ الْعُلُوْمِ فِي اَرْبَعَةِ مَسَائِلَ (الاولیٰ) حُكْمُهُمْ بِاَنَّ هٰذَا الْاِقْتِرَانَ الْمُشَاهَدَ فِي الْوُجُوْدِ بَيْنَ الْاَسْبَابِ وَالْمُسَبَّبَاتِ اِقْتِرَانٌ تَلَازُمٍ بِالضَّرُوْرَةِ فَلَيْسَ فِي الْمَقْدُوْرِ وَلَا فِي الْاِمْكَانِ اِيْجَادُ السَّبَبِ دُوْنَ الْمُسَبَّبِ وَلَا وُجُوْدُ الْمُسَبَّبِ دُوْنَ السَّبَبِ وَاَثَرُ هٰذَا الْاِخْتِلَافِ يَظْهَرُ فِي جَمِيْعِ الطَّبِيْعِيَّاتِ (ص۶۴)

ہم ان فلسفیوں سے ان علوم میں صرف چار مسائل میں مخالفت کرتے ہیں پہلا مسئلہ یہ کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ اقتران جو اسباب و مسبّبات میں دیکھا جاتا ہے ضروری و لازمی ہے پس ممکن نہیں کہ کوئی سبب بغیر مسبّب کے موجود ہو یا کوئی مسبب بغیر سبب کے پایا جائے اور اس اختلاف کا اثر جمیع طبیعیات میں ظاہر ہوتا ہے۔

اس کے بعد ہر چہار اختلافی مسائل کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:۔

ے مولانا شبلی مرحوم الکلام میں لکھتے ہیں" ۱۸۹۱ء میں جو علمی کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کے ایک جلسہ میں پروفیسر لوورج نے جو بہت بڑا ریاضی دان ہے۔ ایک لیکچر دیا، اور روح کے متعلق تقریر کرتے وقت کہا کہ "اب وہ وقت آگیا ہے کہ مادی اور روحانی عالم میں اب تک جو حدِ فاصل تھی وہ ٹوٹ جائے۔ جس طرح اور بہت سی حدیں ٹوٹ گئیں، اس طریقہ سے ثابت ہو جائیگا کہ ممکنات کی کچھ انتہا نہیں اور یہ کہ جس قدر ہم جانتے ہیں، وہ بمقابلہ ان چیزوں کے جو ہم کو معلوم نہیں ہیں کچھ بھی نسبت نہیں رکھتا" (الکلام حصہ دوم ص۱۲۳) ۱۲ منہ

Marfat.com

وَيَلْزِمُ النِّزَاعَ فِي الْأُوْلٰى مِنْ
حَيْثُ اِنَّهٗ يَنْتَفِيْ عَلَيْهِمَا اِثْبَاتُ
الْمُعْجِزَاتِ الْخَارِقَةِ لِلْعَادَةِ مِنْ
قَلْبِ الْعَصَا ثُعْبَانًا وَاِحْيَاءِ
الْمَوْتٰى وَشَقِّ الْقَمَرِ وَمَنْ جَعَلَ
مَجَارِي الْعَادَاتِ لَازِمَةً لُزُوْمًا
ضَرُوْرِيًّا اَحَالَ جَمِيْعَ ذٰلِكَ وَاَوَّلُوْا
مَا فِي الْقُرْاٰنِ مِنْ اِحْيَاءِ الْمَوْتٰى
وَقَالُوْا اَرَادَ بِهٖ اِزَالَةَ مَوْتِ
الْجَهْلِ بِحَيَاتِ الْعِلْمِ وَاَوَّلُوْا تَلَقُّفَ
الْعَصَا لِسِحْرِ السَّحَرَةِ بِاِبْطَالِ الْحُجَّةِ
الْاِلٰهِيَّةِ الظَّاهِرَةِ عَلٰى يَدِ مُوْسٰى
شُبُهَاتِ الْمُنْكِرِيْنَ وَاَمَّا شَقُّ الْقَمَرِ
فَرُبَّمَا اَنْكَرُوْا وُجُوْدَهٗ وَزَعَمُوْا اَنَّهٗ
لَمْ يَتَوَاتَرْ (ص ۶۵)

پہلے مسئلہ سے یہ لازم آتا ہے کہ اس کی بنا پر معجزات کا اثبات نہیں ہو سکتا جو عادت کے خلاف ہوتے ہیں، یعنی عصا کا سانپ بن جانا، اور مُردوں کا زندہ ہو جانا، اور چاند کا پھٹ جانا اور جو ان امور عادیہ کو ضروری و لازم گردانتے ہیں وہ ان سب کو محال جانتے ہیں اور قرآن شریف میں مُردوں کے زندہ ہونے کی بابت جو کچھ وارد ہوا ہے اس کی تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے مراد جہالت کی موت کو علم کی زندگی سے زائل کرنا مراد ہے۔ اور جادوگروں کے جادو کو (موسیٰؑ کے) سونٹے کے نگل جانے کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی حجت جو موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر ظاہر ہوئی منکرین کے شبہات کو باطل کرتی رہی۔ شق القمر سو کبھی تو اس کا انکار ہی کر دیتے ہیں کہ یہ خبر متواتر نہیں ہے۔"

علمائے اسلام نے فلسفیوں کے اس اعتراض کے جواب میں دو طریق اختیار کئے ہیں،

طریقِ اوّل کا بیان یہ ہے کہ اسلام نے تمام مسبّبات و معلولات کی حقیقی علت ارادۂ خداوندی کو قرار دیا ہے۔ اور تمام عالم کو اس کے امرِ تکوینی کا محل تصرف اور مظہر قدرت گردانا ہے، اور بغیر اس کے کسی سبب و علت میں قدرتِ موثرہ تسلیم نہیں کی چنانچہ فرمایا

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (اعراف ۷: ۵۴)

یعنی خلق و امر صرف ذات باری کا خاصہ ہے وہ رب العلمین بہت برکت و عظمت والا ہے"

امام رازیؒ نے اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے:-

اِحْتَجَّ اَصْحَابُنَا بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ عَلٰى اَنَّهٗ

ہمارے اصحاب (اہلسنت) نے اس آیت

Marfat.com

لَا مُوجِدَ وَلَا مُؤَثِّرَ اِلَّا اللّٰہ سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ خدا کے سوائے کوئی مؤثر و موجد نہیں ہے۔" (تفسیر کبیر جلد چہارم ص۲۳۹)

اسی کے مطابق امام غزالیؒ نے یہ جواب دیا ہے:-

(مسئلہ ۱۷) اَلْاِقْتِرَانُ بَیْنَ مَا یُعْتَقَدُ فِی الْعَادَۃِ سَبَبًا وَمَا یُعْتَقَدُ مُسَبَّبًا لَیْسَ ضَرُوْرِیًّا عِنْدَنَا بَلْ کُلُّ شَیْئَیْنِ لَیْسَ ھٰذَا ذَاکَ وَلَا ذَاکَ ھٰذَا وَلَا اِثْبَاتُ اَحَدِھِمَا مُتَضَمِّنٌ لِاِثْبَاتِ الْاٰخَرِ وَلَا نَفْیُہٗ مُتَضَمِّنٌ لِنَفْیِ الْاٰخَرِ فَلَیْسَ مِنْ ضَرُوْرَۃِ وُجُوْدِ اَحَدِھِمَا وُجُوْدُ الْاٰخَرِ وَلَا مِنْ ضَرُوْرَۃِ عَدَمِ اَحَدِھِمَا عَدَمُ الْاٰخَرِ - (تہافۃ الفلاسفہ ص۶۵)

"جس چیز کو عادت میں سبب مانا جاتا ہے اور جس کو مسبب سمجھا جاتا ہے ہمارے نزدیک ان میں اقتران ضروری نہیں۔ بلکہ ہر دو میں سے نہ یہ وہ ہے اور نہ وہ یہ (یعنی حقیقت میں نہ تو سبب سبب ہے اور نہ مسبب اس کا مسبب) اور نہ ان میں سے ایک کا اثبات دوسرے کے اثبات کا متضمن ہے۔ پس ایک کے وجود سے دوسرے کا وجود ضروری نہیں، اور نہ ایک کے عدم سے دوسرے کا عدم ضروری ہے۔"

امام غزالیؒ نے اس امر کو بہت تفصیل سے مع مثالوں کے بیان کیا ہے جو بخوف طوالت ہم درج نہیں کر سکتے۔

اسی طرح حضرت حجۃ الہند حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ میں کہا ہے:-

وَالْقَوْلُ بِالْمُعْجِزَاتِ یَتَوَقَّفُ عَلٰی اِنْکَارِ اللُّزُوْمِ الْعَقْلِیِّ بَیْنَ الْاَسْبَابِ وَالْمُسَبَّبَاتِ (حجۃ اللہ البالغہ ص۹)

"اور معجزات کا اقرار، اسباب و مسببات میں لزوم عقلی کے انکار پر موقوف ہے۔"

حاصل اس جواب کا یہ ہے کہ اسباب و مسببات میں اقتران بطور تلازم نہیں بلکہ بطور عادت ہے۔ جس کا خرق و خلاف ممکن و جائز ہے۔ لیکن ہر امر کے لئے ارادہ الٰہی شرط ہے۔

دوسرے طریق کا بیان اس طرح ہے کہ معجزات و کرامات اور خوارق عادات کے

Marfat.com

بھی اسباب ہوتے ہیں۔ لیکن وہ مخفی ہوتے ہیں اور عام انسانی رسائی سے بالا ہوتے ہیں۔ کیونکہ عجائباتِ قدرت کی کوئی حد و انتہا نہیں اور وہ بالتمام ہمارے احاطۂ علم میں ہی بھی نہیں۔ پس اگر ہم کو اپنے قصورِ علم کے سبب کسی امر کی علت معلوم نہیں ہوئی۔ تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ واقعہ میں بھی اس کی علت کوئی نہیں۔ کیونکہ عدم علت اور عدم علم بالعلت میں فرق ہے۔ امام غزالی رحؒ نے اس طریق پر بھی جواب دیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:-

(اَمَّا الثَّانِی) فَهُوَ اَنْ نَقُوْلَ ذَالِكَ يَكُوْنُ بِاَسْبَابٍ وَلٰكِنْ لَيْسَ مِنْ شَرْطِهٖ اَنْ يَكُوْنَ السَّبَبُ هُوَ الْمَعْهُوْدُ بَلْ فِيْ خَزَائِنِ الْمَقْدُوْرَاتِ عَجَائِبُ وَغَرَائِبُ لَمْ يُطَّلَعْ عَلَيْهَا، يُنْكِرُهَا مَنْ يَّظُنُّ اَنْ لَّا وُجُوْدَ اِلَّا لِمَا شَاهَدَهٗ كَمَا يُنْكِرُ طَائِفَةٌ السِّحْرَ وَالنَّارَنْجِيَاتِ وَالطِّلِسْمَاتِ وَالْمُعْجِزَاتِ وَالْكَرَامَاتِ وَهِيَ ثَابِتَةٌ بِالْاِتِّفَاقِ بِاَسْبَابٍ غَرِيْبَةٍ لَا يُطَّلَعُ عَلَيْهَا بَلْ لَوْ لَمْ يَرَ اِنْسَانٌ الْمِقْنَاطِيْسَ وَجَذْبَهٗ لِلْحَدِيْدِ وَحُكِيَ لَهٗ ذَالِكَ لَاسْتَنْكَرَهٗ وَقَالَ لَا يُتَصَوَّرُ جَذْبُ الْحَدِيْدِ اِلَّا بِخَيْطٍ يُشَدُّ عَلَيْهِ وَيُجْذَبُ فَاِنَّهُ الْمُشَاهَدُ فِي الْجَذْبِ حَتّٰى اِذَا شَاهَدَهٗ تَعَجَّبَ مِنْهُ وَعَلِمَ اَنَّهٗ قَاصِرٌ عَنِ الْاِحَاطَةِ بِعَجَائِبِ الْقُدْرَةِ (تہافۃ الفلاسفہ صفحہ ۵۸)

دوسرے طریق کا بیان اس طرح ہے کہ ہم کہتے ہیں۔ کہ اس کے اسباب تو ہیں۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ اسباب وہی ہوں جو ہمیں معلوم ہیں بلکہ الٰہی خزانوں میں ایسے ایسے عجائبات بھی ہیں۔ جن پر کسی کو اطلاع نہیں۔ ان امور کا انکار وہی کرتا ہے۔ جو یہ کہتا ہے۔ کہ صرف وہی کچھ ہو سکتا ہے۔ جو میرے مشاہدے میں آجائے جس طرح کہ بعض لوگ سحر (جادو) اور اعجوبہ نمائی اور طلسمات اور معجزات اور کرامات کا انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ ان سب کا ہونا بالاتفاق ایسے نادر و مخفی اسباب سے ثابت ہے۔ جن پر عام طور پر اطلاع نہیں۔ بلکہ اگر کسی شخص نے کبھی سنگ مقناطیس کا لوہے کو کھینچنا نہ دیکھا ہو اور اس کے پاس اس بات کا ذکر کیا جائے تو وہ ضرور انکار کریگا۔ اور کہیگا۔ کہ لوہے کا کھینچا جانا ممکن نہیں، مگر اس صورت میں کہ اس سے ڈورا باندھا جائے۔ اور اسے کھینچا جائے۔ کیونکہ مشاہدے میں

یہی آیا ہے، حتی کہ جب وہ اس امر کا مشاہدہ کرلے۔ تو اس سے حیران رہ جائے گا اور سمجھ لیگا۔ کہ میں عجائبات قدرت کے احاطہ کرنے سے قاصر و عاجز ہوں۔

اسی طرح علامہ **خواجہ زادہ** نے بھی اپنی کتاب "تہافۃ الفلاسفۃ" کی فصل ہشتم میں بحث طبیعیات میں اعجوبہ نمائیوں اور اسرار قدرت کی بعض مثالیں جن کے اسباب مخفی یا باریک ہیں بیان کرکے لکھا ہے :-

وَمَا اِنْكَارُ هٰذَا اِلَّا بِضِيْقِ الْحَوْصَلَةِ وَالْاُنْسِ بِالْمَوْجُوْدَاتِ الْغَالِبَةِ وَالذُّهُوْلِ عَنْ اَسْرَارِ اللهِ تَعَالٰى فِى الْخَلِيْقَةِ وَمَنْ اِسْتَقْرَأَ عَجَائِبَ الْعُلُوْمِ لَمْ يَسْتَبْعِدْ مِنْ قُدْرَةِ اللهِ تَعَالٰى مَا يُحْكٰى مِنْ مُعْجِزَاتِ الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ بِحَالٍ مِنَ الْاَحْوَالِ۔

اور معجزات کا انکار (ایمانی) حوصلہ کی تنگی اور اکثر موجودات سے مانوس ہونے اور اللہ تعالے کی مخلوقات کے اسرار سے غفلت بیخبری کی وجہ سے ہے اور جو کوئی علوم (عقلیہ) کے عجائبات کا استقرا کریگا۔ وہ ان امور کو جو انبیاء علیہم السلام کے معجزات میں مروی ہیں ہرگز ہرگز کسی حال میں بھی خدا کی قدرت سے بعید نہیں جانے گا۔

(ص۷۵ جلد دوم)

اسی طرح الشیخ الرئیس بو علی سینا جو علوم عقلیہ میں اپنے بعد کے مشرقی علماء کے مسلم پیشوا و امام ہیں۔ اپنی کتاب **اشارات** کے اخیر میں معجزات و خوارق عادات کے ذکر کے بعد بعنوان **نصیحۃ** فرماتے ہیں۔

اِيَّاكَ وَاَنْ تَكُوْنَ تَكَيُّسُكَ وَتَبَرُّؤُكَ عَنِ الْعَامَّةِ هُوَ اَنْ تَنْبَرِئَ مُنْكِرًا لِكُلِّ شَيْءٍ فَذٰلِكَ طَيْشٌ وَعَجْزٌ وَلَيْسَ الْخَرْقُ فِىْ تَكْذِيْبِكَ مَا لَمْ تَسْتَبِنْ لَكَ بَعْدُ جَلِيَّتُهُ دُوْنَ الْخَرْقِ فِىْ تَصْدِيْقِكَ مَا لَمْ تَقُمْ بَيْنَ يَدَيْكَ بَيِّنَتُهُ بَلْ عَلَيْكَ

(اے عقلمند) تو اس امر سے پرہیز کر کہ عام لوگوں سے تیری ہوشیاری و برأت کی امتیازی صورت یہ ہو کہ تو ہر امر سے انکاری بریت کرے کیونکہ یہ طیش و عاجزی ہے اور تجھے جس امر کی حقیقت معلوم نہیں ہوئی۔ اس کی تکذیب کر دینا اس بات کی تصدیق کرنے سے کم (بے عقلی) نہیں ہے جس کی دلیل تیرے نزدیک قائم نہیں ہوئی بلکہ تجھ پر

59815

Marfat.com

الاعتصام بحبل التوقف وان اذعجک استنکارہ ایوعاہ سمعک ما لم تتبرہن استحالتہ لک فالصواب ان تسرح امثال ذالک الی بقعۃ الامکان ما لم یذدک عنہ قائم البرھان واعلم ان فی الطبیعۃ عجائب وللقوی العالیۃ الفعالۃ والقوی السافلۃ المنفعلۃ اجتماعات علی غرائب ؎۲	لازم ہے کہ توقف کی رسی سے اپنا بچاؤ کرلے اگرچہ تجھے ان باتوں کا انکار جو تیرے کان میں پڑی ہیں پھسلا دے۔ جب تک کہ تجھے اس کا محال ہونا صاف طور پر واضح نہ ہو جائے۔ پس ٹھیک یہ ہے کہ تو ایسی باتوں کو امکان کے میدان میں لے جائے جب تک کہ تجھے یقینی دلیل وہاں سے نہ روکے اور خوب جان رکھ کہ طبیعت میں بڑے بڑے عجائبات ہیں اور اوپر کے اثر کرنے والے قوی اور نیچے کے اثر قبول کرنے والے قوی کے اجتماع میں بڑے بڑے نادر نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔"

اس کی توضیح یوں ہے۔ کہ ہم کو دو امر معلوم ہیں۔ اول معلول کا وجود۔ دوم معلول کا بغیر علت کے موجود نہ ہو سکنا۔ اگر معلوم نہیں تو صرف یہ کہ اس معلول کی علت کونسی ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی یاد رہے کہ ساری علتیں ہمارے علم میں نہیں آگئیں۔ بلکہ قدرت کے ہزارہا بلکہ بے شمار ایسے اسرار ہیں۔ جن کی علتیں ہمارے احاطہ علم اور پرواز ادراک سے پرے ہیں۔ پس اس نقصانِ علم کے ساتھ کسی معلول کی علت کے معلوم نہ ہونے سے اس معلول کے وجود و وقوع سے انکار کرنا اس اصول پر مبنی ہوگا کہ مجہول سے معلوم کا انکار ہو سکتا ہے۔ حالانکہ یہ بالکل خلاف قاعدہ ہے۔ استدلال کا صحیح طریق یہ ہے۔ کہ معلوم سے مجہول کا علم حاصل کیا جائے نہ یہ کہ مجہول کی جہالت کی وجہ سے معلوم

؎۱ محال دو قسم پر ہے۔ عقلی و عادی۔ عقلی ممتنع ذاتی یعنی ناممکن ہوتا ہے۔ مثلاً اجتماع ضدین اور نقیضین اور شریک باری، لیکن عادی ممکن بالذات ہوتا ہے۔ اگر علل و اسباب موجبہ کے ساتھ خدا کا ارادہ منضم ہوگیا۔ تو وہ صادر و حادث ہوگیا۔ ورنہ نہیں ہوتا۔ مگر اپنی ذات میں ممکن ہی رہتا ہے۔ ۱۲ منہ۔

؎۲ شرح اشارات مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۱۴۳۔ ۱۲ منہ۔

Marfat.com

کا انکار کیا جائے۔ امام رازی آیت وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا (بقرہ پ۲) کی تفسیر میں فرماتے ہیں

تَفْسِيْرُهٗ اَنَّ الطَّرِيْقَ الْمُسْتَقِيْمَ الْمَعْلُوْمَ هُوَ اَنْ يُّسْتَدَلَّ بِالْمَعْلُوْمِ عَلَى الْمَظْنُوْنِ فَاَمَّا الْاِسْتِدْلَالُ بِالْمَظْنُوْنِ عَلَى الْمَعْلُوْمِ فَذٰلِكَ عَكْسُ الْوَاجِبِ وَضِدُّ الْحَقِّ [1]

اس کی تفسیر یوں ہے کہ سیدھا اور معلوم طریق استدلال یہ ہے کہ معلوم کے ذریعے مظنون کو معلوم کیا جائے اور مظنون سے معلوم (کے انکار) پر استدلال کرنا اس بات کا عکس ہے جو واجب ہے اور حق کی ضد ہے۔

حاصل کلام یہ کہ اس نازک مقام پر عدم العلم اور علم العدم میں فرق کرنا واجب ہے اور اسی کے ملحوظ نہ رکھنے سے لوگ غلطی کھاتے ہیں یعنی یہ کہ علت تامہ کا موجود نہ ہونا امر دیگر ہے اور اس کا ہمارے علم سے مخفی ہونا امر دیگر ہے [2]۔ اسی اصول کی بنا پر قرآن مجید اپنے منکرین کی نسبت فرماتا ہے۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ. یونس پ۱۱ (یعنی ان منکرین نے اس شے کو جھٹلایا جس کے علم کا ان کو احاطہ نہیں ہوا۔ اور ابھی تک ان کو اس کی حقیقت یا انجام بھی معلوم نہیں ہوا) (۱۰: ۳۹)

اسی طرح علامہ ابن رشد مغربی جن کو فلسفہ یونانی کے سمجھنے میں بے مثل مانا گیا ہے۔ اور فرانس وغیرہ ممالک مغرب میں ان کی وفات کے صدیوں بعد تک بھی ان کی تحقیقات پر اضافہ کرنا منع خیال کیا جاتا رہا۔ تہافۃ الفلاسفہ [3] میں فرماتے ہیں:

اَمَّا الْكَلَامُ فِي الْمُعْجِزَاتِ فَلَيْسَ فِيْهِ لِلْقُدَمَاءِ مِنَ الْفَلَاسِفَةِ قَوْلٌ لِاَنَّ هٰذِهٖ كَانَتْ عِنْدَهُمْ مِنَ

معجزات کی بابت تو یہ ہے کہ قدیم فلسفیوں کا (انکاری) قول ان کے متعلق کچھ بھی نہیں، کیونکہ یہ باتیں ان کے نزدیک ان چیزوں میں سے تھیں

---

[1] تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ ۱۵۲ ۱۲ منہ

[2] معجزات کے متعلق انشاء اللہ الگ رسالہ لکھونگا جس میں زمانہ ماضی و زمانہ حال کے فلاسفروں کے اقوال سے امکان ثابت کیا جائے گا۔ ۱۲ منہ۔

[3] علامہ ابن رشد ۵۲۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۹۵ھ میں فوت ہوئے۔ انہوں نے یہ کتاب امام غزالی کی کتاب تہافۃ الفلاسفہ کے مقابلہ میں لکھی ہے جس میں بعض مقامات پر طریق استدلال میں یا الزام خصم میں امام غزالی سے اختلاف کیا

Marfat.com

الاشیاء التی لا یجب ان یتعرض للفحص عنھا و تجعل مسائل فانھا مبادی الشرائع والفاحص عنھا والمشکک فیھا یحتاج الی عقوبۃ عندھم (ص۱۲۱)

جن کے احوال کی نسبت کرید و پڑتال ان کو مسائل (نظریہ) بنانے کے لئے واجب نہیں تھی کیونکہ یہ شریعتوں کے ابتدائی (مسلمہ) امور ہیں اور ان میں بحث و کرید کرنے والا اور شک کرنے یا ڈالنے والا ان کے نزدیک سزا کا مستوجب ہے۔

پھر اس سے ذرا آگے فرماتے ہیں:۔

واما ما حکاہ فی اثبات ذالک من الفلاسفۃ فھو قول لا اعلم احدا قال بہ الا ابن سینا (ص۱۲۳)

اور (امام غزالی رح نے) اثبات معجزات میں جو کچھ فلسفیوں سے نقل کیا ہے سو وہ ایسی بات ہے جس کی بابت مجھے معلوم نہیں کہ ابن سینا کے سوا کسی نے کہی ہو

اسی طرح اس سے چند صفحے آگے فرماتے ہیں:۔

ولذالک لا نجد احدا من القدماء تکلم فی المعجزات مع انتشارھا و ظھورھا فی العالم لانھا مبادی تثبیت الشرائع والشرائع مبادی الفضائل۔ (ص۱۲۴ و ۱۲۵)

اور اسی لئے تو قدیم فلسفیوں میں سے کسی کو بھی نہ پائیگا کہ اس نے معجزات میں (انکاری) کلام کیا ہو باوجود اس کے کہ معجزات کی اشاعت و ظہور تمام عالم میں تھا کیونکہ وہ سب شریعتوں کے ابتدائی امور (مسلمہ) ہیں۔ اور شریعتیں (حصول) فضائل کے مبادی ہیں"

ان عبارات سے واضح ہو گیا۔ کہ قدیم حکماء معجزات کو مبادی مان کر ان میں خوض نہیں کرتے تھے۔ بلکہ منکر کو قابل سزا جانتے تھے، اس امر میں معقول و منقول کی تطبیق کی روش الشیخ الرئیس بوعلی سینا نے نکالی ہے۔

علامہ ابن رشد رح نے اس مسئلہ میں جو امام غزالی رح سے اختلاف کیا ہے وہ اصل مسئلہ یعنی امکان معجزہ میں نہیں۔ بلکہ طریق استدلال میں کیا ہے، جس کی بنا مذاق طبع پر ہے کیونکہ امام غزالی رح بسبب ایشیائی ہونے کے ابن سینا کی روش پر تھے۔ اور ابن رشد رح کا مذاق فلسفہ بسبب یورپی (اسپینی) ہونے کے ابن سینا کے تابع نہ تھا بلکہ وہ خود بالاستقلال یورپ کا ابن سینا تھا۔

Marfat.com

اسی طرح شرح مواقف جو علم کلام کی مشہور درسی کتاب ہے۔ اس میں سید شریف رح فرماتے ہیں:۔

وَاَمَّا الْفَلَاسِفَةُ فَقَالُوْا هُوَ مَنِ اجْتَمَعَ فِيْهِ خَوَاصُّ ثَلَاثٌ (اِحْدَاهَا) اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اِطِّلَاعٌ عَلَى الْمُغَيَّبَاتِ (وَثَانِيْهَا) اَنْ تَظْهَرَ مِنْهُ الْاَفْعَالُ الْخَارِقَةُ لِلْعَادَةِ تَكُوْنُ عَالَمُ الْعَنَاصِرِ مُطِيْعَةً مُنْقَادَةً لِيَتَصَرَّفَ فَاِنَّهٖ انْقِيَادَ بَدَنِهٖ لِنَفْسِهٖ (وَثَالِثُهَا) اَنْ يَّرَى الْمَلَائِكَةَ مُصَوَّرَةً وَّيَسْمَعَ كَلَامَهُمْ وَحْيًا لَّهٗ

فلسفیوں کے نزدیک نبی و رسول وہ ہے جس میں تین خواص جمع ہوں (ایک[1]) یہ کہ اُسے غیب کی باتوں پر اطلاع ہو۔ (دوسرا) یہ کہ اس سے ایسے افعال ظاہر ہوں کہ وہ عام عادت کے خلاف ہوں اس وجہ سے کہ عالم عناصر اس کے تصرفات کیلئے اس کا ایسا مطیع و منقاد ہو جیسا کہ اس کا بدن اس کی روح کے تابع ہے (اور تیسرا) یہ کہ وہ (نبی و رسول) فرشتوں کو دیکھے اور بذریعہ وحی ان کا کلام سنے۔

علماء و حکمائے اسلام بھی انبیاء علیہم السلام میں ان ہر سہ امور کے قائل ہیں۔ قرآن مجید میں انبیاء کے بیانوں میں جا بجا ان امور کا ذکر موجود ہے فرق یہ ہے کہ فلسفیوں کے نزدیک نبوت کا حصول کسبی ہے اور ان امور عجیبہ کا ان میں پایا جانا ان کی ریاضت و تقدس کا نتیجہ ہے۔ اور اسلامیوں کے نزدیک نبوت ایک وہبی چیز ہے۔ یعنی خدا کی بخشش سے حاصل ہوتی ہے۔ خدا اپنے علم و حکمت سے جسے چاہتا ہے منصب نبوت کے لئے چن لیتا ہے اور اُسے تقدس و پاکبازی کی حالت پر خاص حفاظت سے جسے عصمت کہتے ہیں قائم رکھتا ہے۔ اور یہ امور عجیبہ ان کو بطور دلیل کے عطا کرتا ہے۔ جن کا اظہار ان کے بس میں نہیں ہوتا۔ بلکہ جب خدا چاہے اُسے ظاہر کرے اور جب مصلحت نہ دیکھے نہ ظاہر کرے، ہر دو امر کے لئے آیت ذیل ملاحظہ ہو:۔

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ

اُن (کفار) کو اُن کے پیغمبروں نے کہا ہم تو تمہاری طرح بشر ہونے کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہیں لیکن اللہ

[1] شرح مواقف استنبول جلد ثالث صفحہ ۱۷۴ و ۱۷۵ و ۱۷۶۔ ۱۲ منہ۔

Marfat.com

عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِیَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ (ابراہیم پ ۱۳)

تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے (اسے رسول بنا کر) احسان کر دیتا ہے اور ہم میں تو یہ طاقت نہیں کہ (باختیار خود) خدا کے حکم کے بغیر کوئی نشان (معجزہ) لا سکیں۔" (۱۴: ۱۱)

اس مضمون کی آیات اور بھی ہیں۔ لیکن ہم بنظر اختصار اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ نام کے معقولیوں کے پاس معجزات و کرامات کے انکار میں کوئی ایسی یقینی دلیل نہیں ہے کہ ہم اس پر اعتماد کر سکیں۔ بلکہ ہم تو یہ بھی دیکھتے ہیں۔ کہ فلسفہ جس حد تک کہ ہر زمانہ میں اس کی ترقی ہوتی رہی ہے۔ خود فلسفیوں کے نزدیک بھی ہمیشہ ظنی رہا ہے چہ جائیکہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے مقابلہ میں ان کی تحقیقات و معلومات و قواعد کو کوئی جگہ دے سکیں۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کا علم خدا کی وحی کے سبب سے یقینی ہے اور ظنی کو یقینی پر ترجیح دینا درست نہیں۔

کیا آپ دیکھتے نہیں؟ کہ ہر قرن کے فلسفی اپنے متقدمین کی تغلیط کرتے اور ان کی تحقیقات پر مضحکہ اُڑاتے رہے ہیں۔ جو امور فلاسفہ متقدمین نے بڑی عرق ریزی اور غور و فکر سے معلوم کئے تھے اور ان کی وجہ سے وہ اپنے زمانہ میں اور کچھ عرصہ بعد بھی استاد کامل تسلیم کئے گئے تھے وہ متاخرین کے نزدیک جہل و نادانی سے زیادہ قبیح القاب پاتے ہیں۔ مثلاً حکمائے یونان نے آگ۔ ہوا۔ پانی اور مٹی کو عنصر (بسیط) قرار دیا تھا اور اسی اصل پر اتنے اصول و فروع متفرع کئے تھے کہ گویا قدرتِ الٰہیہ کا احاطہ کر بیٹھے ہیں۔ حال کے فلسفیوں نے ان کو مرکب ثابت کر کے اس پرانی عمارت کو بالکل منہدم کر دیا اور بمصداق ع

ہر کہ آمد عمارتِ نو ساخت۔

اصول جدیدہ وضع کئے۔ اکثر فلاسفہ پیشین فلک کو متحرک اور تعداد میں نو اور زمین کو ساکن جانتے تھے۔ حال کے نازک خیال سرے سے وجودِ آسمان ہی سے منکر اور حرکتِ ارضی کے قائل ہیں۔ ان کی تحقیق ایسی لغو ہے۔ کہ کوئی ان میں سے قدمِ عالم کا قائل ہے۔ اور کوئی وجود واجب الوجود ہی سے منکر۔ کوئی نبوت کو نہیں مانتا اور کوئی قیامت پر یقین

Marfat.com

نہیں لاتا۔ اس قدر اختلاف و بد اعتقادی کے ہوتے کس کے مقلد بنو گے اور کس کو جاہل قرار دو گے؟

جب ان کی تحقیق مسلّم ہے تو قدم عالم کا اقرار اور نبوت سے انکار کیوں نہیں کرتے؟ پس جب ان امور مذکورہ میں ان کو پیشوا نہیں جانتے تو تعلیم الٰہی کی تصدیق کے لئے اُن کی آرائے فاسدہ اور اہوائے کاسدہ کی طرف کیوں رجوع کرتے ہو؟

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی مرضیات و نامرضیات کی بابت انبیاء علیہم السلام پر وحی نازل کی ہے فلاسفہ کو اس کی اطلاع نہیں کی بلکہ فلاسفہ پر بھی اتباع اور اطاعت انبیاء فرض کی ہے جب انبیاء علیہم السلام پر وحی نازل ہونے کا ایمان ہے۔ تو ان امور کا جو انبیاء علیہم السلام نے بوحی الٰہی تعلیم کئے ہیں ، فلسفیوں کے اوہام باطلہ اور مغالطات عاطلہ کی بنا پر کیوں انکار کرتے ہو؟ کیا انبیاء علیہم السلام کی وحی پر ان کی تحقیق کو جو حقیقت میں ظن ہے۔ ترجیح ہے؟ کہ اندھا دھند ان کے قدموں پر دوڑے جاتے اور آثار نبویہ کو چھوڑے جاتے ہو۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس فرقہ کے احوال سے قرآن شریف میں اکثر مقامات پر خبر دی ہے اور ان کے اہواء کو ضلالت اور بے علمی اور ظن اور خرص (اٹکل پچو تک لگانا) فرمایا ہے اور صرف وحی کو حَکم مقرر کیا ہے۔ چنانچہ سورہ انعام میں فرمایا:۔

اَفَغَیۡرَ اللّٰہِ اَبۡتَغِیۡ حَکَمًا (اے پیغمبر ان سے کہو) کیا میں خدا کے سوا کسی اور کو منصف قرار وَّ ھُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ اِلَیۡکُمُ دوں حالانکہ وہی تو ہے جس نے تمہاری طرف یہ کتاب (قرآن) الۡکِتٰبَ مُفَصَّلًا (الآیۃ پ۸ع۱) مفصل کر کے نازل کی ہے۔" (۶ : ۱۱۵)

اس کے بعد یوں فرمایا:۔ (اے پیغمبر!) اگر تو نے دنیا کے اکثر لوگوں کی اطاعت وَاِنۡ تُطِعۡ اَکۡثَرَ مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ کی تو وہ تجھے خدا کی راہ سے بہکا دیں گے۔ وہ تو یُضِلُّوۡکَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ؕ اِنۡ یَّتَّبِعُوۡنَ صرف ظن کے پیچھے لگے ہیں۔ اور ان کے پاس اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنۡ ہُمۡ اِلَّا یَخۡرُصُوۡنَ ۔ سوائے اٹکل کے کچھ نہیں۔" (۶ : ۱۱۷)

حقیقت میں دلیل اسلامی کے سامنے ان کے اوہام باطلہ ایک تنکے کی بھی حقیقت نہیں

Marfat.com

رکھتے اور ایسے ہی ان کی تاویلات رکیکہ ۔

(۱) رفع الی السماء[1] کے مقابلہ میں کشش ثقل کے ہزار عذر پیش کرتے ہیں۔ مگر جب انسان ضعیف البنیان اپنے ناتواں بازو سے ایک پتھر اوپر کو پھینک دے تو ہرگز انکار نہیں کرتے۔ کیا یہ رمی حجر (پتھر پھینکنا) اس امر کا مشعر نہیں کہ جب ضعیف البنیان انسان اس قلیل مقدار خدا داد طاقت سے زمین کی بے حد طاقت کو مغلوب کر لیتا ہے تو کیا وہ عزیز ومقتدر مالک الملک حضرت مسیح روح اللہ وحضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہما وسلّم کو ان کے مبارک جسموں سمیت نہیں اٹھا سکتا؟ بَلٰی وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَاَنَا عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشّٰھِدِیْنَ (کیوں نہیں وہ ضرور ہر شے پر قادر ہے۔ اور میں اس بات پر منجملہ گواہوں کے ہوں ")

(۲) پرندے باوجود کثیف الجسم[2] ہونے کے جو ہوا میں اڑتے پھرتے آسمان کی طرف چڑھتے[3] اور پھر اترتے ہیں۔ مگر یہ متعقل اتنا بھی تو نہیں سمجھتے کہ جس قادر ذوالجلال نے پرندوں کو یہ جناح (پر) دیے ہیں اور یہ طاقت طیران (پرواز) بخشی ہے۔ اس نے فرشتوں کو بھی اُولِی اَجْنِحَۃٍ مَّثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ (دو دو۔ تین تین اور چار چار پر دئے ہیں) تو ان کے نزول وصعود کو کون مانع ہے اور جس طرح وہ پرندوں کو اوپر جانے کی طاقت دینے پر قادر ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اوپر لے جانے پر قادر ہے[3]۔

---

[1] مرزا صاحب قادیانی نے اپنے ازالہ اوہام میں معراج جسمانی کے انکار میں لکھا ہے کہ سیر معراج اس جسم کثیف کے ساتھ نہیں تھا۔ (جلد اوّل ص۴۷) اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِکَ مِنْ سُوْءِ الْاَدَبِ ۱۲ منہ سعادت

[2] اکمل صاحب قادیانی نے یہاں پر عجیب گل افشانی کی ہے۔ کہتے ہیں "کیا کوئی پرند آسمان پر موجود ہے؟" (ص۵۷) سُبْحَانَ اللّٰہ سخن فہمی عالم قادیانی معلوم شد۔ ۱۲ منہ سعادت

[3] اکمل صاحب اس پر سوال کرتے ہیں "پرندوں کے اوپر جانے کو مسیح کے صعود سے کیا نسبت ہے" (ص۵۷)

جواب قرآن شریف میں سورہ نحل میں یہ امر خدائے تعالےٰ کی وسعت قدرت کی مثالوں کے سلسلہ میں مذکور ہوا ہے۔ چنانچہ پہلے اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کہا ہے۔ پھر ماں کے پیٹ سے بچے کا دل۔ آنکھ۔ کان والا کر کے نکالنے

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

(۳) کرۂ ہوائی سے باہر جا کر ہوا کے بغیر زندہ رہنے کو محال سمجھتے ہیں اور اِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ[۱] پر غور کر کے نہیں سمجھتے کہ جنین کا منہ بند ہوتا ہے۔ اور اُسے خوراک بطریق ناف پہنچتی ہے۔

(۴) ہزارہا حیوان بے مادر و پدر پیدا ہوتے ہیں بلکہ یہ متعقل اپنے ہی بطون (پیٹوں) سے خارج ہوتے دیکھتے ہیں۔ مگر عیسیٰ علیہ السلام کا بے پدر پیدا ہونا ان کی باریک عقل میں نہیں سما سکتا۔ چنانچہ فرمایا:۔

سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ (حم سجدہ پ ۲۵) "ہم ان کو اپنے نشانات آفاق میں بھی اور ان کے اپنے نفسوں میں بھی ضرور دکھاتے رہیں گے۔ حتیٰ کہ ان کو ظاہر ہو جائے گا کہ وہ برحق ہے۔" (۴۱: ۵۳)

طریق ثبوت معجزات

انسان یا تو اپنے مشاہدہ و تجربہ یا استدلال سے علم حاصل کرتا ہے یا کسی مخبر صادق کی خبر سے،

پہلی صورت کی نسبت یہ تفصیل بھی بالضرور یاد رکھنی ہوگی کہ بعض مشاہدات و مجربات مختص بلمردمان ہوتے ہیں۔ کہ خاص خاص اشخاص ان کو دیکھ کر فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ اور بعض

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کا ذکر کیا۔ اس کے بعد پرندوں کا بحکم خدا جو آسمان میں اڑنا ذکر کیا۔ ہم نے بھی اسی مناسبت سے خدا کی قدرت کی وسعت کا ذکر کر کے اس سے حضرت مسیح علیہ السلام کی رفع آسمانی کا ممکن ہونا ثابت کیا ہے حضرت ابراہیمؑ کے مناظرہ نمرود میں رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ کے بعد فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ (پ۳۔ بقرہ) (۲: ۲۵۸) کے لانے میں جو ربط ہے اُسے سمجھو تو شہادت القرآن کا یہ مقام بھی سمجھ لوگے فافہم ۱۲ منہ

[۱] ترجمہ۔ جبکہ تم اپنی اپنی ماں کے پیٹ میں جنین تھے" اس آیت کے ذکر سے مقصود یہ ہے کہ جس طرح خدا تعالیٰ جنین کی پرورش کے لئے منہ کے سوائے ایک خاص صورت بنا دیتا ہے۔ اسی طرح اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان پر اٹھانے کے لئے کرۂ ہوائی سے آگے جانے کی کوئی خاص صورت بنا دی۔ اکمل صاحب اسے سمجھ نہیں سکے تو کہتے ہیں (اس آیت) کو کرۂ ہوائی سے باہر جا کر زندہ رہنے کی تائید میں پیش کرنا فضول ہے۔" (ص۶) جواب۔ کرۂ ہوائی کے اندر یا باہر ہونا ملحوظ نہیں۔ بلکہ خدا تعالیٰ کا اپنے ارادہ کے پورا کرنے میں قادر مطلق و حکیم مطلق ہونا ملحوظ ہے۔ جو آپ سمجھ نہیں سکے۔" ۱۲ منہ عفا و عنہ

Marfat.com

مختص بمکان ہوتے ہیں کہ ان حوادث کا وقوع خاص خاص مقامات پر ہوتا ہے۔ اور بعض مختص بزمان ہوتے ہیں کہ ان کا وقوع ایک زمانِ خاص سے متعلق ہے۔ پس بنی آدم کے مشاہدات و مجربات آپس میں مساوی نہیں ہو سکتے۔

پھر یہ بھی کہ طبائع جو علم حاصل کرنے کا وسیلہ ہیں۔ استعداد میں متفاوت ہیں۔ اور یہ امر فلسفیوں میں مسلّم ہے۔ اس لئے ہر شخص کے کسی امر کو حاصل کرنے کی کیفیت اور اس کے ادراک کی حقیقت بھی یکساں نہیں۔ پس اگر کسی وقت کسی جگہ کوئی امرِ عجیب حادث ہو۔ جس پر ہمارا سابق علم حاوی نہ ہو تو ہم اسے خارج از قانونِ قدرت کہہ کر ٹال نہیں دیں گے۔ بلکہ لازماً واقعہ کی تصدیق کریں گے۔ اگرچہ اس کی علت و سبب ہمارے علم میں نہ آئے۔

ہاں جن لوگوں نے اُسے اپنے مشاہدے سے نہیں دیکھا۔ اُن کے اعتبار کے لئے سچی خبر کی ضرورت ہے۔ جس طرح کہ ہم دوسری بن دیکھی چیزوں کو محض خبر سے مانتے ہیں۔ اور باطل و بے ثبوت کی پیروی سے بچنے کے لئے اس کی صداقت کو بھی جانچتے ہیں۔ پس اسی طرح معجزات کی خبروں کو بھی اُن کے مخبروں کی حیثیت سے پرکھیں گے۔ سو قرآن کی نسبت تو مزید تحقیقات کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ قطعاً و یقیناً کلامِ الٰہی ثابت ہو چکا ہے لہٰذا جو معجزات یا عجائباتِ قدرت اُس میں مذکور ہیں۔ وہ بلا تردّد و تامل اُسی طرح ماننے پڑیں گے۔ جس طرح کہ قرآن منزل ہے۔ ورنہ معاذ اللہ کذب باری لازم آئیگا۔ یا قرآن مجید کی صحت و قطعیت میں فرق آئے گا۔ اور یہ دونو باتیں داخل کفر ہیں،

باقی رہے وہ معجزات جو احادیث میں وارد ہیں، ان کی نسبت بھی یہی قاعدہ جاری ہوگا۔ کہ اگر وہ روایات صادق و متقی اور حافظ و ضابط راویوں کے متصل سلسلے سے خدا کے پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائیں۔ تو ان کے ماننے میں بھی کلام نہیں ہو گا۔

صحابہ رضؓ کی نسبت خدا تعالےٰ نے فرمایا:۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (بقرہ۔ پ۲)	اس طرح ہم نے تم کو عادل امت بنایا کہ تم (دیگر) لوگوں پر گواہ بنو۔" (۲ : ۱۴۳)

(وقال) کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ (نیز فرمایا (تم بہترین اُمت ہو جو (دیگر) لوگوں لِلنَّاسِ (آلِ عمران پ۴) کے لئے (بطور نمونہ) چُنے گئے ہو" (۳: ۱۰۹)

اور خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کو حجۃ الوداع میں خطبۂ منیٰ میں مخاطب کرکے فرمایا تھا:-

لِیُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ مِنْكُمْ تم جو اس وقت حاضر ہو ان کو جو تم میں سے (صحیح بخاری کتاب العلم) حاضر نہیں ہیں (یہ دین) پہنچا دینا"

اس سے صاف ثابت ہے کہ خدا تعالےٰ اور اس کے رسول پاک نے تبلیغ دین کے لئے صحابہؓ کو بعد کی امت کے لئے وکیل و مبلغ قرار دیا ہے، لہٰذا سب اصحاب عادل و صادق ہیں اور واقعات میں بھی ایسا ہی پایا گیا ہے کہ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف عمداً غلط بات کو منسوب نہیں کرتے تھے۔ بلکہ جس کسی لفظ میں ان کو تردّد و شک ہو اس میں بھی پرہیز کرتے تھے۔ اور ظاہر کردیتے تھے کہ آپؐ نے یوں فرمایا تھا یا یوں فرمایا تھا،

لہٰذا معجزات حدیثیہ بھی مثل قرآن شریف واجب الاعتقاد ہیں۔ خلاصہ یہ کہ معجزات و خوارق عادت کے ثبوت کے لئے مخبرِ صادق کی سخت ضرورت ہے۔ امکانِ معجزات سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اسلام ہر ممکن امر کو محض اس کے امکان کی بنا پر واقعہ کی صورت میں بھی منواتا ہے۔ نہیں بلکہ اس کے امکان کے بعد اس کے وقوع کے لئے اس خبر کا پرکھنا بھی ضروری ہے کہ وہ سچی ہے یا کیسی؟ سچی ثابت ہو جانے پر اس کی تسلیم و تصدیق سے اپنے خیالات و قیاسات سے جن کی بنا قصورِ فہم یا عدم علم یا نقصِ علم پر ہے۔ ان کا انکار نہ تو عقلاً صحیح ہے۔ اور نہ شرعاً درست ہے واللہ الھادی۔

Marfat.com

مُقدمہ ثانیہ

در شرحِ سُنّۃ اللہ

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ ہم اس کارخانۂ قدرت میں ایک خاص نظام دیکھتے ہیں۔ جس کا نام سُنّۃ اللہ بھی ہے۔ اور خدائے تعالیٰ فرماتا ہے :۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا (فتح پ۲۶) یعنی "خدا کی سُنّت (روش) بدلا نہیں کرتی (۲۳ء۴۸)
پس معجزہ وکرامت جن کی صُورت سُنّۃ اللہ کے خلاف ہے۔ ممکن نہیں۔

اس کے جواب کی دو صورتیں ہیں اوّل نظامِ قدرت کو ملحوظ رکھ کر عقلی جواب۔
دوم یہ کہ آیت پیشکردہ کا مطلب وہ نہیں جو منکرین معجزہ وکرامت نے سمجھا۔ پہلی صُورت کے لحاظ سے کچھ جواب تو پہلے مقدمہ میں گزر چکا اور کچھ اس جگہ بھی بحسب ضرورت مقام لکھا جاتا ہے۔ سو معلوم ہو کہ کسی قاعدہ کو سنّۃ اللہ یا خدا کا قاعدہ قرار دینے کے دو طریقے ہیں۔ ایک نقلی دوسرا عقلی۔ نقلی یہ کہ قرآن شریف یا حدیث صحیح میں اُسے سنّۃ اللہ کہا ہو اور عقلی یہ کہ ہم اس کارخانۂ قدرت کے انتظام کے سلسلہ پر نظر کرکے کسی امر کو سُنّۃ اللہ قرار دے لیں۔ اسے علمِ منطق میں استقراء کہتے ہیں اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ تام اور ناقص۔ تام اسے کہتے ہیں کہ تمام ہم قسم جزئیات پر نظر کریں۔ اور ان میں ایک مشترک نظام پائیں۔ اور اُسے قاعدہ قرار دیں۔
ناقص یہ ہے کہ چند جزئیات پر نظر کرکے ایک امر کو قاعدہ قرار دیں۔ استقرائے تام جو عقلاً سب جزئیات کا حصر کرے۔ مفید یقین ہوتا ہے اور استقرائے ناقص مفیدِ ظن ہوتا ہے[1]۔ کیونکہ تمام جزئیات کا حصر ہوا نہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ بعض دیگر جزئیات جو ہمارے علم میں نہیں آئیں۔ اس نظام وقاعدہ کے ماتحت نہ ہوں جو ہم نے سمجھ رکھا ہے

---

[1] مستفاد از علامبین بحث استقراء صلہ ۲۴۹ جلد دوم۔ نیز شرح مطالع مطبوعہ استنبول صفحہ ۳۴۸ بحث استقرا منہ

Marfat.com

پس اُس قرارداد کو قاعدہ کہنا درست نہیں۔ کیونکہ قاعدہ وہ ہے جو جمیع جزئیات پر منطبق ہو۔ لہٰذا وہ ہمارا سمجھا ہُوا قاعدہ سُنۃ اللہ نہ رہا[1]

اب سوال یہ ہے کہ جس امر کو ہم نے سنۃ اللہ قرار دیا ہے آیا اس کے متعلق خدا نے یا اس کے رسُول (صلے اللہ علیہ وسلم) نے کہا ہے کہ یہ امر خدا کی سُنت ہے؟ یا جو قاعدہ ہم نے اپنے استقراء سے بنایا ہے وہ سب جزئیات کو دیکھ بھال کر بنایا ہے؟ اور ہم اس کی مخلوقات کا احاطہ کر چکے ہیں؟ اور اس کی قدرت کے اسرار کو اور اس کے نظام کو کامل طور پر سمجھ چکے ہیں؟[2]

قرآن وحدیث کا واقف اور نظامِ قدرت پر صحیح نظر رکھنے والا بیشک گردن جھکا دیگا اور اس امر کو تسلیم کریگا۔ کہ ان قواعد کو جو ہم نے بنائے ہیں خدا اور رسُول نے ہرگز سنۃ اللہ نہیں کہا اور ہمارا استقراء بالکل ناقص ہے[3] کیونکہ مخلوقاتِ الٰہی اور اس کے عجائبات قدرت انسان کے احاطہ علم سے باہر ہیں۔ ہم کو وَمَا یَعۡلَمُ جُنُوۡدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ (مدثر پ ۲۹) یعنی تیرے رب کے لشکروں کو اس کے اپنے سوا کوئی نہیں جانتا (۷۴: ۳۱) اور وَمَاۤ اُوۡتِیۡتُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ اِلَّا قَلِیۡلًا (بنی اسرائیل پ ۱۵) یعنی تم کو تو صرف تھوڑا سا علم عطا کیا گیا ہے" (۱۷: ۸۵) کو محفوظ رکھنا چاہیے۔ آیت وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبۡدِیۡلًا (فتح پ ۲۶) اور اس کی دیگر نظائر کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ ان آیات میں سُنۃ اللہ سے انبیاء کی نصرت اور ان کے

---

[1] اکمل صاحب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہ کارخانہ قدرت پر نظر کر کے کسی امر کو سنۃ اللہ نہ کہنا چاہیے (ص) بس جب یہ مسلم ہے تو پھر جھگڑا کیا رہا ۱۲ منہ

[2] اکمل صاحب کہتے ہیں کہ "اللہ تعالےٰ کسی امر کو اپنی سُنت کہے" کے ساتھ یہ ایزاد کر لیجیے۔ کسی امر کو بطور کلیہ فرمانا بھی سُنت ہے"۔ اچھا جناب! تو پھر کیا؟ آپ کے مدعا کے مطابق تو قرآن میں کوئی کلیہ نہیں۔ ہے تو یہی ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ جو آپ کے مُدعا کے خلاف ہے ۱۲ منہ

[3] حاصل یہ کہ ہم اپنے ناقص تجربہ و مشاہدہ کی بناء پر کسی امر کو سنت اللہ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ مخلوقات وصنائع خالق کا استقراء کلی ناممکن ہے۔ اور استقراء ناقص مفید ظن ہوتا ہے، نہ مفید یقین۔ فافہم و تدبر۔ ۱۲ منہ

Marfat.com

دشمنوں کی تعذیب اور خذلان و ناکامی مراد ہے[1]۔ سو اس امر کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری یہ قدیمی روش ہے۔ اس میں تبدیلی نہیں ہوگی[2]۔ اس بات کے سمجھنے کا آسان طریق یہ ہے کہ یہ آیات جہاں جہاں قرآن مجید میں وارد ہوئی ہیں۔ طالب صادق ان مواقع کو نکال کر ما قبل و ما بعد پر نظر کرے۔ تو ساتھ ہی انبیاء علیہم السلام کی نصرت اور ان کے دشمنوں کی ناکامی اور ان پر خدا کی مار اور پھٹکار کا ذکر موجود ہوگا۔ پس قاعدہ نظم و ارتباط قرآن حکیم اس کو مجبور کردیگا۔ کہ وہ تسلیم کرلے کہ اس جگہ سنۃ اللہ سے مراد پیغمبروں کی نصرت اور ان کے دشمنوں کی تعذیب و خذلان ہے۔ چنانچہ ہم وہ سب مواقع علی الترتیب مع ان کے ما قبل کے نقل کرکے فیصلہ ناظرین کے فہم رسا پر چھوڑتے ہیں۔

اوّل سورہ بنی اسرائیل (رکوع ۸) (۱۷: ۷۶ و ۷۷)

وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا — اور تحقیق یہ لوگ نزدیک ہیں کہ تجھ کو دل برداشتہ کرکے اس سرزمین (مکہ) سے نکال دیں۔

---

[1] اکمل صاحب فرماتے ہیں "سنۃ اللہ کے معنی عذاب الٰہی کسی لغت سے دکھائے ہوتے"۔ (صفحہ)

خدا جانے اکمل صاحب نے کس کمال کی بنا پر اپنا نام اکمل تجویز کیا۔ جناب والا! سنت کے معنی ہیں عادت و سیرت چنانچہ صراح میں ہے "سنۃ بالضم روش" اور قرآن شریف میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں ہمیشہ گزشتہ اُمتوں میں یہ کرتا آیا ہوں کہ منکرین انبیاء کو عذاب کردوں تو اب بھی ایسا ہی کروں گا اور یہ میری سنت ہے مصنفین کتب لغت پر یہ واجب نہیں کہ لفظ سُنت کی ذیل میں سب قسم کی عادتوں کو لکھدیں یہ تو متکلم کے کلام سے معلوم ہوگا۔ گو آپ کا سوال بالکل جاہلانہ ہے لیکن خدا کی قدرت کہ اُس نے اپنے ایک بندہ سے آپ کا مطالبہ بھی پورا کرا دیا۔ دیکھئے قاموس میں سنۃ الاولین کی نسبت لکھا ہے۔ ای معاینۃ العذاب اسی طرح لسان العرب میں بھی ہے جو انشاء اللہ آگے مذکور ہوگا۔ ۱۲ منہ سعادت۔

[2] اکمل صاحب لکھتے ہیں (صفحہ) لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ میں لائے نفی جنس کو دیکھو۔ ہر بدلانے والے کی نفی ہے" جواب کیا آپ کا یہ مدعا ہے کہ پھر خدا بھی نہیں بدل سکتا۔ جناب یہ بات آپ نے بے علمی کی وجہ سے لکھی کلمات کی اضافت جب خدا کی طرف کی گئی تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ خدا کے سوائے خدا کے کلمات کو کوئی نہیں بدل سکتا دیکھئے تفسیر ابوالسعود میں اسی آیت کے ضمن میں لکھا ہے لَا قَادِرَ عَلٰی تَبْدِيْلِهٖ وَتَغْيِيْرِهٖ غَيْرُهٗ۔ یعنے خدا کے سوا کوئی دوسرا اس کی تبدیل و تغییر پر قدرت نہیں رکھتا ۱۲ منہ

وَاِذًا لَّا یَلْبَثُوْنَ خِلٰفَکَ اِلَّا قَلِیْلًا ۔ سُنَّۃَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِیْلًا ۔

پھر یہ بھی اس میں تیرے پیچھے تھوڑی ہی مدت ٹھیرینگے " (یہ) سُنّت ان پیغمبروں کی جن کو ہم نے تجھ سے پہلے بھیجا اور تو ہماری سُنّت کے لئے تحویل (ٹال دینا) نہ پاویگا "

اس موقع پر صاف مذکور ہے کہ کفار مکہ پیغمبر صلعم کو مکہ شریف سے خارج کرنا چاہتے تھے ۔ حق تعالےٰ نے آپ کی تسلی فرمائی ۔ کہ اگر آپ کو نکال دیں گے تو خود بھی نہ رہیں گے کیونکہ انتقام انبیاء از اعداء ہماری سنت قدیمہ ہے ۔ اور یہ کبھی محوّل نہ ہوگی ۔

اس آیت کے ذیل میں تفسیر کبیر میں لکھا ہے یعنی اِنَّ کُلَّ قَوْمٍ اَخْرَجُوْا نَبِیَّھُمْ سُنَّۃُ اللّٰہِ اَنْ یُّھْلِکَھُمْ ۱۲ یعنی خدائے تعالےٰ کی اس سے یہ مراد ہے کہ جس کسی قوم نے اپنے نبی کو نکالا ۔ ان کے متعلق خدا کی سُنّت یہی ہے کہ ان کو بس ہلاک ہی کر دے " اور آیت لَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِیْلًا پر لکھا ہے ۔ والمعنیٰ اِنَّ مَا اَجْرَی اللّٰہُ تَعَالٰی بہ العادۃ لَمْ یَتَمَکَّنْ لِاَحَدٍ اَنْ یَّقْلِبَ تِلْکَ الْعَادَۃَ ۱۲ یعنی اس کے معنی یہ ہیں کہ جس امر کو خدا اپنی عادت ٹھیرالے ۔ تو کسی سے بھی نہیں ہو سکتا ۔ کہ اس عادت کو بدل ڈالے " اسی طرح تفسیر ابوالسعود میں بھی لکھا ہے ۔ کہ خدا کی یہی سُنّت ہے ۔ کہ جو امت اپنے رسول کو اپنے علاقہ سے نکال ڈالے ۔ خدا تعالےٰ اس کو ہلاک کر دیتا ہے ۔ اسی سورت بنی اسرائیل میں فرعون کی نسبت فرمایا :-

فَاَرَادَ اَنْ یَّسْتَفِزَّھُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰہُ وَمَنْ مَّعَہٗ جَمِیْعًا ۔ وَّقُلْنَا مِنْ بَعْدِہٖ لِبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اسْکُنُوا الْاَرْضَ (بنی اسرائیل پ۱۵) (۱۷ : ۱۰۳ ۔ ۱۰۴)

پس ارادہ کیا (فرعون نے) کہ دل برداشتہ کرے ان کو اس سرزمین (مصر) سے تو ہم نے اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے ۔ سب کو ڈبو دیا ۔ اور اس کے بعد بنی اسرائیل کو کہا کہ اب تم اس زمین (مصر) میں (با اختیار ہو کر) سکونت اختیار کرو "

گویا سُنَّۃَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ مِنْ رُّسُلِنَا کی ایک مثال بھی ذکر فرما دی ۔

Marfat.com

(۲) موقع ثانی: (سورہ احزاب پ۲۲)

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ۔ مَّلْعُوْنِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ۔ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا۔ (۳۳: ۶۰، ۶۱، ۶۲)

اگر منافق اور وہ جن کے دل میں مرض (شک) ہے اور وہ جو شہر میں بری خبریں اڑاتے پھرتے ہیں۔ باز نہ آئیں گے، تو ہم تجھ کو اُن پر مسلط کر دیں گے۔ پھر وہ اس شہر مدینہ میں تیرے نزدیک تھوڑے ہی دن رہیں گے۔ لعنت مارے ہوئے ہو کر جہاں پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے۔ اور ٹکڑے ٹکڑے کئے جائیں گے۔ جو لوگ پہلے گذرے ہیں ان میں (بھی) خدا کا (یہی) دستور رہا ہے اور اے پیغمبر تم خدا کے دستور میں ہرگز (کسی طرح کا) ردّ و بدل نہ پاؤ گے۔"

اس میں بھی عذاب الٰہی کا صاف ذکر ہے چنانچہ تفسیر ابو السعود میں لکھا ہے سَنَّ اللّٰهُ ذٰلِكَ فِي الْاُمَمِ الْمَاضِيَةِ سُنَّةً وَهِيَ اَنْ يَّقْتُلَ الَّذِيْنَ نَافَقُوا الْاَنْبِيَآءَ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَسَعَوْا فِيْ تَوْهِيْنِ اَمْرِهِمْ بِالْاِرْجَافِ وَنَحْوِهٖ اَيْنَمَا ثُقِفُوْا یعنی گذشتہ اُمتوں میں خدا کی سُنّت یہی رہی ہے کہ اُن لوگوں کو جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے منافقت کریں۔ اور ان کے امر (دین) کے تضعیف کرنے میں ارجاف (غلط پروپاگنڈا) کرنے یا اس کی مثل اور (شرارتوں) سے سعی کریں۔ تو اللہ تعالیٰ ان کو ٹکڑے ٹکڑے ہی کر دیتا رہا ہے۔"

اسی طرح تفسیر کبیر میں بھی یہی مضمون ہے۔ اسی طرح لسان العرب میں ہے۔ اَیْ سَنَّ اللّٰهُ ذٰلِكَ فِي الَّذِيْنَ نَافَقُوا الْاَنْبِيَآءَ وَاَرْجَفُوْا بِهِمْ اَنْ يُّقْتَلُوْا اَيْنَ ثُقِفُوْا اَيْ وُجِدُوْا اس کے بعد سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ (سورہ کہف) کی نسبت کہا ہے: قَالَ الزَّجَّاجُ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَنَّهُمْ عَايَنُوا الْعَذَابَ۔[1]

(۳) موقع ثالث (سورہ فاطر پارہ ۲۲) (۳۵: ۴۳)

[1] لیجئے، اکمل صاحب لغت کی کتاب سے بھی سُنَّۃُ اللّٰہ سے مراد عذاب اللّٰہ ثابت ہو گیا۔ اب تو قادیانی مسیح کو

Marfat.com

وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيلًا (فاطر پ۲۲)	اور بُری تدبیر (کا وبال) صرف اس کے اہل ہی پر پڑا کرتا ہے۔ تو یہ لوگ سوائے پہلوں کی سُنت کے اور کچھ نہیں انتظار کرتے۔ پس تو ہرگز خدا کی سُنت میں تبدیلی نہ پائے گا۔ اور نہ خدا کی سُنت میں تحویل (ٹالنا) پائے گا۔" (۳۵ : ۴۳)

چنانچہ تفسیر ابوالسعود میں کہا ہے اَیْ سُنَّۃُ اللّٰہِ فِیْہِمْ بِتَعْذِیْبِ مُکَذِّبِیْہِم یعنی ایسے لوگوں کے بارے میں خدا کی سنت یہ ہے۔ کہ مکذبین کو عذاب کرے۔"

اسی طرح تفسیر کبیر میں ہے۔ لَیْسَ لَھُمْ بَعْدَ ھٰذَا اِلَّا اِنْتِظَارُ الْاِھْلَاکِ وَھُوَ سُنَّۃُ الْاَوَّلِیْنَ یعنی ان بداندیشوں کے لئے اس کے بعد سوائے ان کی ہلاکت کے کسی چیز کا انتظار نہیں ہے اور یہی پہلے لوگوں میں خدا کی سُنت ہے۔

(۴) موقع رابع (سورہ فتح پ۲۶) (۴۸ : ۲۲ و ۲۳)

وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوَلَّوُا الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا ۝	اور اگر کفار تم سے لڑینگے تو پیٹھ پھیر جائیں گے۔ پھر ان کو کوئی بھی حامی و مددگار نہ ملیگا۔ یہ خدا کی سُنت ہے جو پہلے گزر چکی اور تو ہرگز خدا کی سُنت میں تبدیلی نہ پائے گا۔"

چنانچہ تفسیر کبیر میں ہے:۔ سُنَّۃُ اللّٰہِ نُصْرَۃُ رَسُوْلِہٖ وَاِھْلَاکُ عَدُوِّہٖ یعنی خدا کی سُنت یہ ہے کہ اپنے رسُول کی مدد کرے۔ اور اس کے دشمن کو ہلاک کرے۔"

اسی مضمون، عدم تبدیل عذاب الٰہی کو مواقع کثیرہ میں بالفاظ دیگر بیان کیا گیا ہے گویا وہ آیات تفسیر ہیں سنۃ اللہ کی۔ چنانچہ فرمایا سورۂ انعام میں۔

وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ (پ۸)	اور اس کا عذاب مجرم لوگوں سے ہٹایا نہیں جاتا۔" (۶ : ۱۴۸)

Marfat.com

نیز سورہ یوسف میں فرمایا :-

وَلَا يُرَدُّ بَأْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ (پ۱۳۔ یوسف) اور ہمارا عذاب مجرم لوگوں سے ہٹایا نہیں جاتا۔" (۱۲ : ۱۱۰)

اور سورہ مؤمن کے اخیر میں فرمایا۔ پس جب انہوں نے ہمارے عذاب کو دیکھ لیا۔ تو ان کو ان کے ایمان نے کچھ بھی فائدہ نہ دیا، یہ خدا کی سنت ہے جو اس کے بندوں میں گزر چکی اور اس وقت کفار خسارے میں ہوئے۔" (۴۰ : ۸۵)

فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ (پ۲۴)

اس بیان وتفصیل سے طالب نو کی پر واضح ہو گیا۔ کہ متعلقین کا انکار خرقِ عادت کے لئے آیت وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا سے تمسک کرنا مراد الٰہی کے بالکل خلاف ہے تَمَّ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ۔

لہ اکمل صاحب نے ان آیتوں میں سُنۃ اللہ سے عذاب الٰہی مراد ہونے میں بہت بے سود کوشش کی ہے۔ اس کا صحیح و درست جواب یہ ہو سکتا تھا کہ آپ قرآن شریف میں سے کوئی پانچویں جگہ نکال دیتے جہاں سنۃ اللہ کو غیر مبدل کہا ہو۔ اور سابقاً یا لاحقاً عذاب ونکال کا ذکر و قرینہ نہ ہو۔ کیونکہ موجبہ کلیہ کی نقیض سالبہ جزئیہ ہوتی ہے۔ مگر آپ کو یہ باتیں بتائے کون ؟ مسیح قادیانی تو خود ان علوم سے ناواقف تھا۔ مرید کیا جانیں گے ؟ اور کَلِمٰتُ اللّٰہِ کے متعلق ایک بات آپ کو بتا دوں کہ یہاں پر مراد خدا کے وعدے ہیں۔ جو قادیانی سے کبھی بھی پورے نہیں ہوئے۔ کچھ ہیں نہ آئے تو محمدی بیگم کا نکاح۔ ڈاکٹر عبدالحکیم اور عبداللہ آتھم کی موت۔ مولوی ثناءاللہ صاحب سے آخری فیصلہ کے مواعید کچھ لیں۔ ۱۲۰ منہ ۰

Marfat.com

مقدمہ ثالثہ

دربیان خصائص حضرت عیسٰی علیہ السلام

قادرِ قیوم کا طریقِ تعلیم اسی نہج پر چلا آیا ہے۔ کہ جب لوگ مسبب حقیقی سے غافل ہوکر اسباب کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں تو وہ عزیز حکیم ان کے مزعومات کو باطل کرنے کے لئے اپنی قدرت کے کرشمے ظاہر کیا کرتا ہے، حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت باسعادت کے وقت طب اور فلسفہ کا بڑا چرچا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ ان علوم کا مدار اسباب ہی پر ہے) شب و روز کے توغل نے ان کے اذہان قاصرہ میں یہی کچھ متزئین کر دیا تھا۔ کہ کوئی چیز بغیر سبب[1] و علاج اور بدون ترکیب و مزاج کے پیدا نہیں ہوسکتی ہے

اے گرفتارِ سبب از مسبب غافلی سوئے ایں رُدتابہ زاں سُو مائلی

سو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان کے اس واہی خیال کے ابطال کے لئے حضرت مسیح علیہ السلام کو خلافِ عادت بے باپ پیدا کیا۔ اور آپ کو طفلی میں خلافِ عادت نطق فصیح کی طاقت دی[2]۔ اور ایسے مریضوں کو جن کے علاج سے اطبّا عاجز ہوں۔ بغیر اسباب معتادہ کے ان کے ہاتھ پر شفا دی۔ اور معجزہ احیائے موتی جو طاقت بشری سے باہر ہے، ان کے ہاتھ پر ظاہر کیا۔ اور مٹی کی مورت میں آپ کی پھونک سے زندگی کی روح پھونک دی جو اس سے بھی عجیب تر ہے۔ اور صعود الی السّماء جسے فلاسفر محالات میں شمار کرتے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو آسمان پر چڑھا کر واقعاً محقق کر دیا۔ اور فلاسفہ کے اس خیال کو کہ گردش زمانہ کے اثر سے ہر چیز متغیر و متبدل ہو جاتی ہے۔ حضرت

---

[1] یعنی کوئی وہ سبب جو انسانی علم میں آچکا ہے۔ ۱۲ منہ

[2] یہ کلام سورۂ مریم پ۱۶ کے دوسرے رکوع میں صاف مذکور ہے۔ ۱۲ منہ (۱۹: ۳۰ تا ۳۳)

Marfat.com

مسیح علیہ السلام کے مسئلہ نزول سے باطل کیا۔ چنانچہ تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے۔

قال کثیر من العلماء بعث اللہ کل نبی من الانبیاء بما یناسب اھل زمانہ۔ فکان الغالب علی زمان موسیٰ علیہ السلام السحر وتعظیم السحرۃ فبعثہ اللہ بمعجزۃ بھرت الابصار و حیرت کل سحار فلما استیقنوا انہا من عند العظیم الجبار انقادوا للاسلام وصاروا من عباد اللہ الابرار۔ واما عیسیٰ علیہ السلام فبعث فی زمن الاطباء واصحاب علم الطبیعۃ فجاءھم من الآیات بما لا سبیل لاحد الیہ الا ان یکون مویدا من الذی شرع الشریعۃ فمن این للطبیب قدرۃ علی احیاء الجماد او علی مداواۃ الاکمہ والابرص وبعث من ھو فی قبرہ رھین الی یوم التناد۔ وکذلک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعث فی زمان الفصحاء و البلغاء وتجاریدالشعراء فاتاھم بکتاب من اللہ عزوجل

بہت سے علمائے امت نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو اس (نشان) کے ساتھ مبعوث کیا جو اس کے زمانہ کے لوگوں کے مناسب تھا چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو اور جادوگروں کی تعظیم کا بہت چرچا تھا پس خدا تعالیٰ نے آپ کو ایسے معجزے (عصا) سے مبعوث کیا۔ جس نے آنکھوں کو حیران اور ہر جادوگر کو مبہوت کر دیا۔ پس جب انہوں نے یقین کر لیا کہ وہ معجزہ خدائے بزرگ و جبار کی طرف سے ہے تو اسلام کے مطیع ہو گئے اور خدا کے نیک بندے بن گئے۔ (اسی طرح) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اطباء اور علم طبیعیات والے لوگوں کے زمانہ میں مبعوث کئے گئے پس وہ ان کے پاس ایسے نشانات لائے جن کی نسبت سوائے اس کے کوئی اور گمان نہیں ہو سکتا کہ یہ سب اس ہستی کی طرف سے ہیں جس نے یہ شریعت مقرر کی ہے پس کسی طبیب کو مردوں اور جمادات کے زندہ کرنے پر یا مادر زاد اندھے اور برص کے علاج پر اور اس شخص کے اٹھا کھڑا کرنے پر جو اپنی قبر میں قیامت کے دن تک کے لئے مرہون ہو۔ کہاں سے قدرت ۔ اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم بڑے بڑے نامی فصحاء

فلو اجتمعت الانس والجن علیٰ ان یاتوا بمثلہ او بعشر سور من مثلہ او بسورۃ من مثلہ لم یستطیعوا ابدا۔ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا۔ وما ذالک الا ان کلام الرب عزوجل لا یشبہ کلام الخلق ابدا۔

وشعراء کے زمانہ میں مبعوث کئے گئے۔ پس آپ خدا کی طرف سے ایسی کتاب لائے کہ اگر تمام انسان اور جن اس امر پر مجتمع ہو جائیں کہ اس کی مثل یا اس کی دس سورتوں کی مثل یا ایک سورت کی مثل لائیں تو کبھی بھی نہ لاسکیں گے۔ اگرچہ بعض بعض کے مددگار بھی بن جائیں۔ اور یہ اسی لئے ہے کہ خدا کا کلام مخلوق کے کلام سے ہرگز نہیں ملتا۔

(تفسیر ابن کثیر جلد دوم ص ۲۲۷/۲۲۸)

تشریح لفظ آیت۔ آیت کے معنی ہیں علامت۔ چنانچہ لسان العرب میں ہے:۔ والاٰیۃ العلامۃ قرآن شریف میں اس کا اطلاق کئی امور پر آیا ہے ایک ان میں سے عجائبات قدرت ہیں۔ چنانچہ فرمایا:۔

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحَابَ الْکَھْفِ وَالرَّقِیْمِ کَانُوْا مِنْ اٰیٰتِنَا عَجَبًا (کہف پ ۱۵) (۱۸: ۹)

کیا تو نے گمان کیا کہ غار والے اور تختی والے ہمارے نشانات میں سے کوئی انوکھی چیز تھے۔

اسی کے موافق لسان العرب میں کہا ہے۔ اٰیات اللہ عجائبہ اسی معنی کے لحاظ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے قرآن شریف میں متعدد مقامات میں آیت کا لفظ وارد ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

(۱) وَلِنَجْعَلَہٗ اٰیَۃً لِّلنَّاسِ (مریم۔ پ ۱۶) (۱۹: ۲۱)

تاکہ ہم اُسے (ابن مریم) لوگوں کے لئے (اپنی قدرت کا) ایک نشان بنائیں۔

(۲) وَجَعَلْنٰھَا وَابْنَھَآ اٰیَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ (انبیاء پ ۱۷) (۲۱: ۹۱)

(۲) اور ہم نے اسے (مریمؑ کو) اور اس کے بیٹے (مسیحؑ) کو جہان والوں کے لئے (اپنی قدرت کا) ایک نشان بنا دیا۔

(۳) وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْیَمَ وَاُمَّہٗٓ اٰیَۃً (مومنون پ ۱۸) (۲۳: ۵۰)

(۳) اور ہم نے ابن مریمؑ کو اور اس کی ماں کو

Marfat.com

(اپنی قدرت کا) ایک نشان بنایا۔"

(۴) وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (۴) ہم نے اُسے (ابن مریمؑ کو) بنی اسرائیل کے

(زخرف پ۲۵) (۴۳ : ۵۲) لئے اپنی قدرت کا) ایک نمونہ بنایا۔"

ان آیات میں خدائے تعالےٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آیت اور مثل یعنی نشان و نمونۂ قدرت فرمایا ہے۔ پس اگر ان کے متعلق قرآن و حدیث میں کوئی ایسی بات وارد ہو۔ جو عام عادت کے خلاف نظر آئے۔ اور لوگوں کو اس سے تعجب پیدا ہو، تو قرآن و حدیث پر ایمان رکھنے والوں کو اس سے کچھ بھی تعجب نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ جسے خدائے تعالیٰ نے عام عادت کے خلاف بلا باپ پیدا کیا ہو۔ اور اسے اپنی قدرت کا ایک نشان قرار دیا ہو۔ اس کے حالات عام نظام کے ماتحت نہ ہوں۔ تو کوئی تعجب نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت۔ ان کا طفلی میں حکیمانہ تکلم فی المھد۔ انؑ کے معجزات[1]۔ ان کی رفع سماوی۔ اور پھر آسمان سے اُن کا نزول سب باتیں اس نظام سے بالکل الگ ہیں۔ جو انسان کے علم میں آیا۔ اور جس پر اس کے معلومات کی چکی گردش کر رہی ہے۔

پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق رفع نزاع و اختلاف کے لئے بہ طریق نہایت سادہ اور سلامت روی کا ہے۔ اور ایک مومن کے لئے اس میں کوئی بھی ایچ

---

[1] قاضی اکمل صاحب معجزاتِ مسیحیہ پر اعتراض لکھتے ہیں "اگر حضرت عیسیٰؑ نے معجزے کے پرندے اڑائے یا بقول آپ کے خلق حیات کی۔ تو کیا حضرت موسیٰؑ کا عصا سانپ نہیں بن گیا تھا" (صفحہ) جواب ہاں جناب! بن گیا تھا۔ لیکن اس سے آپ کو فائدہ کیا؟ اور ہمیں نقصان کیا؟ اس میں بھی تو ہماری ہی تائید ہے۔ اور یہ جو آپ نے کہا "بقول آپ کے خلق حیات کی" جناب! یہ مجھ پر افترا ہے آپ تو لکھتے ہیں "شہادت القرآن حصہ اول اس وقت میرے سامنے ہے" (صفحہ۲) بھلا اس میں کہیں دکھائیے تو کہ اس میں کہاں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے خلق حیات کی۔ جناب اس میں تو صاف لکھا ہے "اللہ سبحانہٗ و تعالےٰ نے خلق حیات۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے ہاتھ پر اپنی قدرت کاملہ سے کر دکھایا"۔ اسی طرح اعادہ حیات کو بھی خدا ہی کی طرف منسوب کیا ہے۔ (دیکھو صفحہ۱۲ طبع ثانی)

ہیچ نہیں ہے۔

سوال۔ آیاتِ مذکورہ بالا میں حضرت مریم کی شان میں بھی لفظ آیت وارد ہے تو حضرت مریمؑ میں یہ امر کہاں پائے جاتے ہیں؟

جواب۔ کسی امر کے ثبوت کے لئے قرآن وحدیث میں اس کے اصل کا وجود ضروری ہے۔ پس جس امر میں حضرت مریمؑ کو آیت کہا گیا ہے۔ بیشک وہ اس میں آیت (نشانِ قدرت) ہیں اور جو امر ان کے حق میں مذکور ہی نہیں وہ زیر بحث و نزاع آہی نہیں سکتے۔ ان میں ان کو آیت قرار دینے کے کیا معنی؟ اسی لئے ہم نے اوپر کی عبارت میں نزاع و اختلاف کی قید لگائی ہے۔

نکتہ۔ سورت انبیاء اور سورت مومنون کی آیات میں حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ دونوں کی نسبت لفظ آیت بصیغہ وحدت وارد ہے۔ حالانکہ دو کے لئے صیغہ تثنیہ کا چاہئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس امر میں یعنی ولادت بلا پدر میں دونوں کا حال بمجموعہ ایک آیت (نشان) ہے۔ چنانچہ لسان العرب میں زیر لفظ آیت۔ آیت وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً (مومنون پ۱۸) کو ذکر کر کے کہا ہے:۔

وَقَالَ أَبُو مَنْصُورٍ لِأَنَّ الْآيَةَ فِيهِمَا مَعًا آيَةٌ وَاحِدَةٌ وَهِيَ الْوِلَادَةُ دُونَ الْفَحْلِ (جلد ۱۸۔ صفحہ ۶۶) ابومنصور نے کہا یہ اس لئے ہے کہ دونوں میں معاً ایک ہی نشان ہے۔ اور وہ ولادت ہے بغیر مرد کے "

خاکسار کہتا ہے کہ اس کی نظیر آیت هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ (آل عمران پ۳ ع۱: ۶) ہے کہ هُنَّ جمع کی خبر اُمّ واحد ہے کیونکہ مجموع آیات محکمات ایک شے ہے اور مجموع آیات متشابہات ایک شئی[1] پس حضرت عیسےٰؑ اور حضرت مریمؑ میں ایک امر مشترک ہے اور دیگر امر حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی نسبت ثابت ہیں۔ اور حضرت مریمؑ کی نسبت نہیں۔

اَمَّا الْاِشْتِرَاكُ فَفِيْ اَنَّهَا وَلَدَتْهُ مِنْ غَيْرِ بَعْلٍ بِمَحْضِ قُدْرَةِ اللهِ اشتراک اس امر میں ہے کہ حضرت مریمؑ نے حضرت عیسیٰؑ کو صرف خدا کی قدرت سے

---

[1] مستفاد از تفسیر کبیر ۱۲ منہ۔

وَاَمَّا الْاِفْتِرَاقُ فَفِي التَّكَلُّمِ فِي الْمَهْدِ	بغیر خاوند کے جنا۔ اور ان میں فرق ان امور میں
وَالْمُعْجِزَاتِ الَّتِيْ عَلٰى صِدْقِ	ہے۔ ماںؑ کی گود میں خلاف عادت باتیں کرنا۔
النُّبُوَّةِ وَالرَّفْعِ اِلَى السَّمَآءِ حَيًّا	اور معجزاتؑ جو صدق نبوت پر دلالت کرتے ہیں۔
وَالنُّزُوْلِ مِنْهَا فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ	اور آسمانؑ پر زندہ اٹھایا جانا اور آخری زمانہ میں
(میر سیالکوٹیؒ)	وہاں سے نازل ہوناؑ

حاصل کلام یہ کہ حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کو قرآن میں آیۃ کہا گیا اور امور خمسہ مذکورہ بالا ان کی نسبت قرآن و حدیث میں بطور خرق عادت ذکر کئے گئے۔ پس آپ ان سب میں آیت اللہ ہیں۔ ایسا نہیں کہ چونکہ آپ کو آیۃ کہا گیا ہے اس لئے پانچوں امور مذکورہ بالا ان میں بغیر قرآن و حدیث میں وارد ہونے کے بطور خرق عادت مانے جائیں۔ کیونکہ یہ نتیجہ بحسب واقعہ د ذکر ہے۔ نہ بحسب علاقہ و لزوم اسی لئے ہم اسے بطور قضیہ اتفاقیہؑ کے قرار دیتے ہیں نہ بطور قضیہ لزومیہ کے۔

تذییل اسی طرح فرعون کی نسبت وارد ہے لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً (یونس پ۱۱ ع۹) اور وہ صرف اس کے دریا میں ہلاک ہونے اور پھر ذلت کے ساتھ ساحل پر پڑے رہنے میں ہے جیسا کہ سباق آیت اس پر شاہد ہے۔ نیز اسی کے حق میں فرمایا فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ اس (خدا) نے اس (فرعون) کو دنیا اور آخرت

لہ قاضی اکمل صاحب اس لفظ آیت پر لکھتے ہیں" دوسرے امور کے لئے آیت ٹھیرانا ضروری ہو تو کیا وجہ ہے کہ حضرت موسےؑ پر اس لفظ کا اطلاق نہیں ہوا۔ جواب :۔ جناب یہ تو اللہ تعالےٰ سے پوچھئے کہ اس نے کیوں نہیں کہا۔ ہم نے تو صاف لکھ دیا تھا۔ کہ قرآن میں مذکور ہونے کے سبب نشان کی صورت مقرر کی ہے۔ اور ولادت بلا پدر اس کی موید ہے لیکن آپ اسے سمجھے نہیں۔ ۱۲ منہ

لہ ملا مبین نے شرح سلم میں بحث شرطیات میں لفظ اتفاقیہ پر لکھا ہے بحیث یکون کلا النسبتین واقعتین فی نفس الامر من غیر علاقۃ بینھما یعنی دونوں نسبتیں نفس الامر میں واقع ہوں اور ان میں علاقہ لزوم و تضایف نہ ہو۔ ۱۲ منہ

Marfat.com

وَالْاُوْلٰی اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَۃً لِّمَنْ یَّخْشٰی (نازعات پ ۳۰)
(۷۹: ۲۵و۲۶)

(پہرہ دوجہان) کے عبرتناک عذاب میں پکڑا بیشک اس امر میں (خدا سے) ڈرنے والے کے لئے (بڑی بھاری) عبرت ہے۔

اسی طرح حضرت عزیر علیہ السلام کی شان میں فرمایا وَلِنَجْعَلَکَ اٰیَۃً لِّلنَّاسِ (بقر پ ۳، ۲: ۲۵۹) یعنی تاکہ ہم تجھ کو لوگوں کے لئے ایک نشان (قدرت) بنائیں۔ سو یہ بھی صرف اس امر میں ہے کہ مُردوں کو پھر زندگی بخش دینا خدا کی قدرت میں داخل ہے۔ جیسا کہ اس سے پہلے اَنّٰی یُحْیِیْ ھٰذِہِ اللّٰہُ بَعْدَ مَوْتِھَا فَاَمَاتَہُ اللّٰہُ مِائَۃَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَہٗ[۲] اور اس کے بعد فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَہٗ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ[۳] سے ظاہر ہے۔

خلاصہ مطلب یہ کہ چونکہ خصوصیات مسیحیہ حضرت مریمؑ اور حضرت عزیر[۱] علیہما السلام میں اور فرعون کے حق میں وارد نہیں ہوئیں۔ اس لئے ہم نہ تو ان کو ان امور میں آیت اللہ کہہ سکتے ہیں۔ اور نہ ان کے متعلق یہ سوال اٹھ سکتا ہے۔ فَاصْبِرْ وَتَدَبَّرْ وَلَا تَکُنْ مِّنَ الْقَاصِرِیْنَ ٭

---

[۱] قرآن مجید میں اس موقع پر حضرت عزیرؑ کا نام مذکور نہیں۔ مفسرین کی ایک بھاری جماعت اس طرف گئی ہے کہ یہ قصہ حضرت عزیر علیہ السلام کا ہے۔ سو بنا بر مشہور لکھا گیا واللہ اعلم بحقیقۃ الحال ۱۲

[۲] یعنی خدا اس بستی کے مُردوں کو کس طرح زندہ کرے گا۔ پس خدا نے اسے سو سال تک مارے رکھا، پھر زندہ کیا۔ (۲: ۲۵۹) ۱۲ منہ (سعادت)

[۳] یعنی پس جب سب کچھ اس کے سامنے ظاہر ہو گیا۔ تو کہنے لگا۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ خدا ہر شے پر قادر ہے (۲: ۲۵۹) ۱۲ منہ (سعادت)

[۴] قاضی اکمل صاحب اس پر لکھتے ہیں "یہی لفظ (آیۃ) حضرت مریم علیہا السلام کے حق میں بھی وارد ہوا ہے اور حضرت عزیر کے حق میں بھی۔ اور پھر فرعون کے بارے میں بھی آیا ہے (ص ۳)

جواب۔ ہاں جناب آیا ہے۔ لیکن اس اعتراض میں آپ کا کیا کمال ہے یہ سوال تو میں نے خود ذکر کرکے اس کا جواب کافی دوافی دیدیا ہے۔ جسے آپ سمجھ نہیں سکے اگر اعتراض کرنا تھا تو اس جواب پر کرتے ۱۲ منہ

٭ مطابق اصل ۱۲ منہ

تنبیہ

(دربارہ طریقِ بیان)

اثباتِ مُدعا کے لئے صرف قرآن شریف سے تمسک کیا گیا ہے۔ اور رفعِ تنازع کے لئے کوئی امر ایسا نہیں لکھا جس کی تائید کتاب اللہ یا حدیثِ رسول اللہ صلعم یا زبانِ عرب سے نہ ہوتی ہو۔ خواہ اُسے کسی تفسیر سے لکھا ہے۔ خواہ استعداد و خداداد سے سمجھا ہے۔ غرض جو کچھ لکھا ہے۔ مراد کتاب اللہ کے موافق لکھا ہے۔ خلاف نہیں لکھا۔ مفسرین رح کے اقوال[1] صرف اس لئے ذکر کئے ہیں کہ اس زمانہ مہ جہالت میں کفرانِ نعمت کی صفتِ مذموم بڑھتی جاتی ہے۔ بنا بر آں بعض مصنف تو تحقیقات کو اپنی طرف منسوب کرنا چاہتے ہیں۔ اور اپنے ماخذ کا پتا نہیں بتاتے اور بعض ائمہ مفسرین رح کے اقوال کو نظرِ عزت سے نہیں دیکھتے۔ لیکن خاکسار ان دونوں امروں میں ان لوگوں کے ساتھ نہیں۔ جس امر کو کسی کتاب سے لیا ہے اس کا نام لکھ دیا ہے۔ اور مفسرین کے جس قول کو اختیار کیا ہے۔ اس کی تائید قرآن و حدیث یا لغتِ عرب یا قواعدِ علمیہ سے کردی ہے۔ پس جب قدر ناشناس لوگ سلف صالحین کے اقوال کو قرآن و حدیث اور لغتِ عرب اور قواعدِ علمیہ سے مؤید پائیں گے۔ تو انشاء اللہ بدظنی دور ہو جائے گی۔ دوسرے اس غرض کے لئے

---

[1] قاضی ظہور الدین صاحب اکمل قادیانی نے اپنی کتاب "شہادت الفرقان" کے شروع میں خاکسار کی اس کتاب شہادت القرآن کے نام کے متعلق لکھا ہے۔" نام تو شہادت القرآن ہے۔ مگر پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ شہادۃ تفاسیر ہے" (صٓ)

جواب :- خدا جانے قادیانیوں کی سمجھ کو کیا ہو گیا؟ تفاسیر کے حوالجات جس غرض کے لئے دیئے گئے ہیں۔ وہ صاف صاف بیان کر دی گئی ہے۔ پھر بھی کہتے ہیں شہادۃ تفاسیر ہے

فافھم ۱۲ منہ

Marfat.com

کہ اپنے موافقین کو زیادتِ اطمینان حاصل ہو اور اپنے پر سے ظنِ تفسیر بالرائے دُور ہو جائے۔

تیسرے اس لئے کہ نازک خیالی کے مدعی جو حقیقت میں تفسیر بالرائے کرتے ہیں۔ جان لیں کہ وہ سلف صالحین اور متقدمین اسلام کے فہم و ادراک کو نہیں پہنچ سکتے۔

اللّٰھُمَّ انت عضدی ونصیری بک اعتصم عما یصم
وانا عبدک الناسوتی محمد ابراھیم میر السیالکوٹی

Marfat.com

فصلِ اوّل

در بیان عدم مصلوبیّت حضرت عیسٰی علیہ السلام

چونکہ مرزا صاحب قادیانی نے حضرت عیسٰے علیہ السلام کی وفات قبل النزول کا افتتاح مسئلہ صلیب سے کیا ہے۔ اور یہ مسئلہ ان کے نزدیک بمنزلہ بنا کے ہے اس لئے ضروری ہے کہ ہم بھی پہلے اسی کی تحقیق کریں۔ کہ آیا یہ واقعہ صلیبی حضرت عیسٰی علیہ السلام کی نسبت درست ہے یا نہیں؟ سو اس کے لئے بیانِ ذیل ملاحظہ فرمائیں۔

اس بات کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ کہ اب سے قریباً دو ہزار سال قبل کے واقعہ کی صحت و صداقت کے لئے کسی زبردست قابلِ اعتبار شہادت و سند کی ضرورت ہے۔ اسلامی نقطۂ خیال سے اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ اوّل یہ کہ قرآن مجید یا حدیث صحیح مرفوع میں اس کی تصریح ہو۔ دوم یہ کہ نزولِ قرآن سے قبل کی کتابوں یا روائتوں میں اس کا ذکر ہو۔ بشرطیکہ وہ قرآن و نبیؐ کی تصریح کے خلاف نہ ہوں، اور زمانہ کے دست برد۔ لوگوں کے جعل و تصرّف، اور ان کے ردّ و بدل اور تحریف و تبدیل سے محفوظ چلی آئی ہوں۔ اور ان کے مصنّفین تک ان کا سلسلہ روایت صحت سند سے پہنچتا ہو، اور پھر اُن مصنّفین نے اسے معتبر ذرائع و قابلِ وثوق وسائل سے معلوم کر کے درج کیا ہو۔ سو قرآن شریف میں تو صاف طور پر مَا صَلَبُوْهُ (نساء پ ۶) مذکور ہے۔ جس کے خلاف ایک مسلمان کسی بھی دیگر شہادت کو ہرگز نہیں مان سکتا۔ اور نہ اس کے بعد تحقیقات کی کوئی ضرورت باقی رہتی ہے۔ ہاں بے شک مسیحی اسفار میں صلیب کا واقعہ حضرت مسیحؑ کی نسبت اثبات میں مذکور ہے۔ اور اُن ہی کی بناء پر سر سید احمد صاحب علی گڈھی نے صلیب و وفاتِ مسیحؑ کا واقعہ لکھا ہے جن کی پیروی میں مرزا صاحب

Marfat.com

بھی باضافۂ دعوے مسیحیت صلیب ووفات مسیح کے قائل ہوتے۔ ان مسیحی، کتابوں کے سوا دونوں صاحبوں کے ہاتھ میں اسلامی کتب میں سے کچھ بھی نہیں۔ اور یہ محقق ہو چکا ہے۔ کہ یہ کتابیں محض جعلی ہیں۔ اور ان کے بیانات ہرگز قابلِ وثوق نہیں ہیں[1]۔

چونکہ ہم نے اس کتاب میں التزام کیا ہے کہ اپنے دعوے اور دلیل کی بنا قرآن کریم پر رکھیں۔ اس لئے ہم قرآن شریف کی چند آیات سے ثابت کرتے ہیں کہ حضرت عیسےٰؑ کی نسبت واقعہ صلیبی محض دروغ ہے۔

پہلی آیت (قال اللہ تعالیٰ) وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ۔ (آلِ عمران پ۳) یعنی یہود نے (حضرت عیسٰی علیہ السلام کو قتل کرنے اور صلیب پر چڑھانے کی) تدبیر کی۔ اور اللہ تعالےٰ نے بھی ایک تدبیر کی اور اللہ تعالےٰ سب تدبیر کرنے والوں سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے" (۳ : ۵۳)

تفصیل اس اجمال کی یوں ہے۔ کہ امام رازیؒ نے اس آیت مندرجہ عنوان کے ذیل میں لفظ مکر کی تحقیق میں فرمایا ہے۔

لِاَنَّهٗ عِبَارَةٌ عَنِ التَّدْبِيْرِ الْمُحْكَمِ — مکر سے تدبیر محکم اور کامل مراد ہے۔ پھر
الْكَامِلِ ثُمَّ اخْتُصَّ فِي الْعُرْفِ — عرف عام میں یہ لفظ ایسی تدبیر میں خاص ہو گیا۔
بِالتَّدْبِيْرِ فِيْ اِيْصَالِ الشَّرِّ اِلَى — جو کسی دوسرے کو ضرر پہنچانے کے
الْغَيْرِ (تفسیر کبیر جلد دوم ص) — لئے کی جائے"

امام رازی کا یہ قول بالکل صحیح ہے۔ اور کتاب اللہ اس کی تصدیق کرتی ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ — اور جو لوگ بداندیشیاں کرتے رہتے ہیں۔
عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ — ان کو سخت عذاب ہو گا۔ اور ان کا

---

[1] مسیحی کتب کی رُو سے اس واقعہ کی تحقیق الگ رسالہ میں کی جائے گی۔ انشاء اللہ ۔ ۱۲ منہ۔

هُوَ يَبُوْرُ (۳۵ : ۱۰) (وقال) فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا اسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ (فاطر پ۲۲)	کرہی تباہ ہوگا۔ نیز فرمایا پس جب ان کے پاس ڈرانے والا (نبی صلعم) آگیا تو ان کو سوائے نفرت وبھاگنے کے اور کچھ حاصل نہ ہوا۔ بوجہ زمین میں بڑائی چاہنے کے اور بداندیشی کرنے کے

اور بداندیشی کا وبال اس کے اہل ہی پر پڑا کرتا ہے۔ (۳۵ : ۴۲ و ۴۳)

پہلی آیت میں تو سیّئات کو فعل یمکرون کا مفعول گردانا۔ اور دوسری میں دو دفعہ مکر کو سیّئ سے موصوف کیا، جس سے صاف ثابت ہے کہ اہل لغت میں مکر کے معنی صرف تدبیر کرنے کے ہیں۔ نیز اس آیت زیر بحث یعنے وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ پر ختم کرنا بھی اس امر کی تائید کرتا ہے۔ چنانچہ تدبیر الٰہی عیسٰے علیہ السلام کے حق میں خیر ثابت ہوئی۔ کہ آپ کو اللہ تعالٰے نے شر اعداء سے بالکل محفوظ رکھا۔ اور آسمان پر اُٹھا لیا۔ اور یہود کے حق میں شرّ ہوئی۔ کہ اُن کو مکر میں ناکام رکھا۔ اور ان میں سے ایک شخص پر عیسٰےؑ کی شباہت ڈال دی جس کو اُنہوں نے پکڑ کر صلیب پر چڑھایا۔ اور قتل کیا۔ جیسا کہ مفصل مذکور ہوگا انشاء اللہ تعالٰی اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوگیا۔ کہ جملہ مَكَرَ اللّٰهُ میں مکر کو خدا تعالٰی کی طرف نسبت کرنے میں کوئی بھی قباحت و اعتراض نہیں۔

سوال مَكَرُوْا میں ضمیر فاعلی کس کی طرف راجع ہے؟

جواب۔ کفار بنی اسرائیل کی طرف۔ جن سے عیسٰی علیہ السلام نے احساس کفر کیا تھا۔ چنانچہ تفسیر کشاف میں ہے۔ الواو لِكُفَّارِ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ الَّذِيْنَ اَحَسَّ مِنْهُمُ الْكُفْرَ (کشاف جلد اوّل) ایسا ہی دیگر تفاسیر مثل سراج منیر۔ بیضاوی خازن۔ مدارک۔ جلالین۔ معالم۔ جامع البیان۔ ابن کثیر۔ ابی السعود۔ عباسی اور تفسیر نیضی میں ہے۔

مفسرینؒ کا یہ قول بالکل راست اور مطابق قرآن مجید ہے جیسا کہ سورہ مائدہ میں ہے۔

Marfat.com

وَ اِذْ کَفَفْتُ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ عَنْكَ الایہ اور اے عیسےٰ جب ہٹائے رکھا میں نے تجھ سے بنی اسرائیل کو"۔ لے (۵:۱۱) (مائدہ پ)

سوال۔ یہود کا یہ مکر کس امر کے لئے تھا؟

جواب۔ اس امر کے لئے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو قتل کر ڈالیں۲۔ چنانچہ تفسیر **کشاف** میں ہے وَ مَكْرُهُمْ اَنَّھُمْ وَكَّلُوْا بِهٖ مَنْ يَقْتُلُهٗ غِيْلَةً یعنے یہود نے بہبود کا مکر یہ تھا کہ انہوں نے عیسےٰ علیہ السلام پر ایک ایسا شخص مقرر کیا۔ جو اُن کو فریب سے قتل کر ڈالے۔ اور غیلہ بالکسر کی تعریف سراج منیر میں یہ لکھی ہے۔ کہ کوئی کسی کو دھوکے سے کہیں لے جائے۔ جب وہاں پہنچے تو اُسے قتل کر ڈالے وَ ھِیَ بالکسر اَنْ يَّخْدَعَ غَيْرَهٗ فَيَذْهَبَ بِهٖ اِلٰى مَوْضِعٍ فَاِذَا صَارَ اِلَيْهِ قَتَلَهٗ (تفسیر السراج المنیر جلد اول) اسی طرح دیگر تفاسیر مثل رحمانی۔ سواطع۔ جلالین۔ جامع البیان۔ معالم۔ تفسیر حافظ ابن کثیر۔ سراج منیر۔ تفسیر علامہ ابی السعود۔ لباب التاویل۔ مدارک۔ کبیر۔ انوار التنزیل۔ عباسی۔ ان سب تفاسیر میں بالاتفاق یہی لکھا ہے۔ کہ یہود کا مکر یہ تھا۔ کہ عیسیٰؑ کو قتل کر ڈالیں۔ بلکہ ابن کثیر۔ اور مدارک میں قتل کے ساتھ صلب کو بھی ضم کیا ہے۔ چنانچہ تفسیر

لے اس آیت کی پوری تفسیر آگے آئے گی۔ انشاء اللہ العزیز۔

۲ے اکمل صاحب اس پر لکھتے ہیں "آپ نے خود ہی تسلیم کرلیا۔ کہ یہ مکر عیسےٰ علیہ السلام کے قتل کے لئے تھا بس جناب اس پر صلیب کے حاشیے نہ چڑھایئے۔ (صنف) جواب۔ قتل ایک ایسا فعل ہے جس کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ ایک ان میں سے صلب بھی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے مکے سے جو قبطی مرا تھا۔ اس پر بھی قتل کا لفظ آیا ہے خضرؑ نے جس لڑکے کو مارا تھا۔ اس پر بھی اور میدان جنگ میں جو مارے جاتے ہیں ان پر بھی قتل کا لفظ آیا ہے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ذکر میں ما قتلوہ کے بعد ما صلبوہ اس لئے فرمایا کہ یہود کے نزدیک حضرت عیسٰی علیہ السلام کے قتل کی صورت صلب تھی۔ اور اسے مرزا صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں پھر خدا جانے اکمل صاحب کیوں انکار کرتے ہیں لطف یہ کہ آگے چل کر خود بھی اسے تسلیم کرتے ہیں دیکھو صفحہ ۱۲ انکی کتاب کا) کہ کتنی جگہ صلب کو قتل کے ساتھ ضم کیا ہے۔ جناب والا! جب آپ کے نزدیک صلب کے معنے صلیب پر قتل کرنے کے ہیں۔ تو ساتھ قتل کیوں لکھتے جاتے ہیں سبحان

مدارک میں ہے :-

حِيْنَ اَرَادُوْا قَتْلَهٗ وَصَلْبَهٗ یعنی جب انہوں نے آپ کو قتل کرنے اور سولی دینے کا ارادہ کیا۔

سوال - یہ مکر اور تدبیر قتل وصلب کس کے حق میں کی گئی ؟

جواب - حضرت عیسٰی علیہ السلام کے حق میں۔ چنانچہ تفسیر جلالین میں ہے ای کفار بنی اسرائیل بحیث اسی طرح دیگر تفاسیر مثل ابن کثیر۔ مفاتیح الغیب۔ ارشاد العقل السلیم۔ لباب التاویل - مدارک۔ کشاف الحقائق عباسی تبصیر الرحمٰن - سواطع الالہام - جامع البیان - معالم - فتح البیان۔ السراج المنیر۔ انوار التنزیل - ان سب تفاسیر میں بالاتفاق یہی لکھا ہے۔ کسی میں اسم ظاہر ہے۔ اور کسی میں صرف ضمیر پر اکتفا کیا گیا ہے۔

مفسرینؒ کا یہ قول بالکل حق اور مطابق کتاب اللہ ہے جیسے سورۂ مائدہ میں وارد ہے کہ قیامت کو اللہ تعالےٰ حضرت عیسٰی علیہ السلام سے خطاب کر کے فرمائیگا۔

وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ (مائدہ پ ۷ ع ۱۱)

اے عیسٰے وہ وقت یاد کر) جب میں نے تجھ سے بنی اسرائیل کو دور ہٹائے رکھا جب تو ان کے پاس روشن دلائل لایا تو ان میں سے منکروں نے کہا کہ یہ تو (سراسر) صریح جادو کے سوا کچھ بھی نہیں۔

سوال - یہود نے یہ مکر اور تدبیر قتل آپ کے حق میں کیوں کی ؟

جواب - یہود نے آپ کے معجزات کو جادو قرار دیکر آپ کو جادوگر ٹھیرایا۔ اور پھر قتل کا حکم لگایا۔ اور اس کی صورت صلیب پر کھینچنا تجویز کی۔ چنانچہ اوپر کی آیت میں معجزات کو جادو قرار دینا صاف مذکور ہے۔ اور آیت مندرجہ عنوان کے قبل بھی ذکر معجزات اس امر پر دلالت کر رہا ہے اور فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ کے یہی معنی ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے کفار یہود سے مکر قتل کا احساس کیا۔ اس جگہ کفر بمعنی قتل من باب تسمیۃ الشئی باسم سببہٖ ہے یعنی کسی شے کے

Marfat.com

لئے وہ نام بولنا جو اس کے سبب کا نام ہے۔" چنانچہ مطوّل میں لکھا ہے :-
(رَعَیْنَا الْغَیْثَ اَیِ النَّبَاتَ الَّذِیْ سَبَبُہُ الْغَیْثُ (مطوّل) "چرائی ہم نے بارش یعنی نباتات جس کے اُگنے کا سبب بارش ہے۔"
اسی طرح آیت وَمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِزْقٍ (پ۲۵ جاثیہ ۴۵:۵)
میں رزق بمعنے مطر یعنی بارش ہے کیونکہ بارش سبب ہے رزق کے پیدا ہونے کا"
پس رزق مسبّب ہے۔ اسی طرح اس کے نظائر قرآن شریف میں بکثرت ہیں اور کتب بلاغت میں اس قاعدے کی تصریح موجود ہے۔ دیگر یہ کہ کفر کا احساس کے ساتھ ذکر کرنا بھی اس امر کا مؤید ہے کہ اس جگہ کفر سے مراد قتل ہے۔ کیونکہ احساس ایسے مواقع میں اس جگہ مستعمل ہوتا ہے۔ جہاں کوئی خوفناک امر ہو جیسے آیت فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَأْسَنَآ (انبیاء پ۱۷) اور نیز آیت اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ (آل عمران پ۴) ای تقتلونھم ذریعًا من احسّہ اذا اعدم حستہ اھلاکًا۔
اس بیان سے واضح ہوگیا۔ کہ فَلَمَّآ اَحَسَّ عِیْسٰی مِنْهُمُ الْكُفْرَ میں کفر بمعنی قتل ہے۔ پس مکر یہود کی صورت ارادہ قتل وصلب عیسٰیؑ متعین ہو گئی۔

سوال - کیا مفسرین کے اس قول کی تائید قرآن شریف سے ہو سکتی ہے کہ مکر سے مراد قتل ہے؟

جواب - کیوں نہیں ہے بے شک مفسرینؒ کے بیان کی تائید میں کئی آیات ہیں۔
منھا قولہ تعالٰی حاکیا عن اِخوۃ یوسف (اُقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا (یوسف پ۱۲) "یوسف کو قتل کر ڈالو یا اسے کسی زمین میں پھینک دو" (۱۲ : ۹)
اور اس تدبیر قتل کا نام مکر رکھا۔ چنانچہ اسی سورہ یوسف ہی میں وَهُمْ یَمْكُرُوْنَ (پ۱۳ ۱۲ : ۱۰۲) فرمایا۔ اور نیز سورہ نمل میں صالح علیہ السلام کے بیان میں فرمایا وَكَانَ فِی الْمَدِیْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ یُّفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا "اور اس شہر میں نو شخص تھے۔ جو زمین میں فساد کرتے تھے۔ اور اصلاح نہیں کرتے

يُصْلِحُوْنَ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ

تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے۔ اُنھوں نے آپس میں کہا کہ خدا کی قسم کھاؤ کہ اس (صالح) کو اور اس کے اہل کو راتوں رات قتل کر ڈالیں گے۔ پھر اس کے ولی کو کہیں گے۔ کہ ہم تو اس کے قتل کے موقع و وقت پر حاضر نہ تھے اور ہم ضرور سچے ہیں۔" (۲۷ : ۴۸ و ۴۹)

یعنی نو مفسدوں نے آپس میں یہ منصوبہ باندھا اور اس پر قسمیں کھانے کو کہا، کہ صالح علیہ السلام کو اور آپ کے اہل کو راتوں رات قتل کر ڈالیں۔ ان کی اس تدبیر شر کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اس سے آگے فرمایا۔ وَمَكَرُوْا مَكْرًا۔ الآیہ۔ یعنی اُنھوں نے بڑا بھاری مکر کیا۔ یعنی پوشیدہ طور پر نبی اللہ صالح علیہ السلام کو قتل کرنے کی تدبیر کی، اسی طرح حضرت سید المرسلین خاتم النبیینؐ کی نسبت کفار نے جو مشورت کی اس کی نسبت فرمایا۔

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ (الانفال پ ۸ : ۳۰)

اور جب کفار تدبیر کرتے تھے۔ کہ تجھے قید کرلیں۔ یا جلا وطن کر دیں۔ یا قتل کر ڈالیں وہ بھی تدبیر کرتے تھے۔ اور خدا بھی تدبیر کرتا تھا۔ اور خدا بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔"

اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی نسبت کفار نے جو مشورہ کیا اس کی نسبت فرمایا۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ (عنکبوت پ ۲۰)

"اور اس کی قوم سے کوئی جواب نہ آیا۔ سوائے اس کے کہ انھوں نے کہا۔ اُسے قتل کر ڈالو یا آگ میں جلا ڈالو۔" (۲۹ : ۲۴)

اور ان کے منصوبہ کا نام کید رکھا۔ چنانچہ سورہ انبیاء میں فرمایا۔ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ انھوں نے اس کی نسبت خفیہ تدبیر کی پس ہم نے انہی کو نہایت زیاں کار کر دیا۔" (انبیاء پ ۱۷ : ۲۱ : ۷۰)

Marfat.com

اور مکر اور کید مترادف ہیں۔ چنانچہ مصباح میں ہے کادَہٗ۔ مَکَرَ بِہٖ۔
سوال۔ کفار ماکرین کے ساتھ سنت الٰہیہ کیا ہے۔ اور ان کے مکر کا انجام کیا ہوا کرتا ہے؟
جواب۔ ماکرین کو ہلاک کرنا۔ اور ان کے مکر کا وبال انہی پر نازل کرنا اور اپنے عباد مرسلین کو ان کے مکر سے بچا لینا۔
دلیل۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ فاطر وغیرہ میں فرمایا۔
وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ (وقال) وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ (فاطر) (وقال) وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ (الی) فَاَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ (المومن) (وقال) وَ اَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ (انبیاء) (وقال) فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ (صافات) (وقال) قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ (النحل) (وقال) وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُوانْتِقَامٍ (وقال فی ھذا الوعد برسلہ) وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ (صافات) (و قال ایضًا) كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ (مجادلہ) (وقال) وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوْا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ (النمل) **ترجمہ**:۔ یعنی جو لوگ بری تدبیریں

Marfat.com

اور منصوبے باندھتے ہیں۔ ان کے لئے سخت عذاب ہوگا اور ان کا مکر ہی ہلاک ہوگا اور نیز فرمایا۔ اسی سورت میں کہ بُری تدبیر کا وبال اس کے اہل ہی پر پڑا کرتا ہے۔ اور نیز سورہ مومن میں فرمایا۔ کہ ہر اُمّت نے اپنے رسول کو ماخوذ کرنے پر کمر باندھی۔ پس میں نے انہی کو عذاب میں گرفتار کیا۔ پس میرا عذاب اُن پر کیسا سخت ہوا۔ اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ و السلام کے حق میں جو مکر اور کید اُن کی قوم نے کیا تھا۔ اس کی بابت فرمایا۔ کہ انہوں نے اس کے ساتھ ایک بھاری مکر کرنا چاہا۔ پس ہم نے اُنہیں کو سخت زیان کار اور سخت پست اور ذلیل کر دیا۔ اور نیز سورہ نحل میں فرمایا کہ کفارِ مکہ سے پیشتر بہت لوگوں نے مکر اور تدابیر کیں۔ پس اللہ تعالےٰ نے ان کی عمارات کو بنیادوں سے گرا دیا۔ اور ان پر چھت ان کے اُوپر سے گر پڑے۔ اور اُن کو ایسی جگہ سے عذاب آیا۔ جہاں سے ان کو شعور بھی نہ تھا۔ اور نیز سورہ ابراہیم میں بڑے زور اور تاکید سے فرمایا کہ کفّارِ مکّہ نے جہاں تک اُن سے ہو سکا، بہت سی تدبیریں کیں اور اللہ تعالیٰ کو ان کی سب تدبیریں معلوم ہیں۔ اگرچہ ان کی تدابیر اور مکر ایسے زبردست اور محکم ہوں کہ اُن سے زوالِ جبال یعنی پہاڑوں کا گر جانا ممکن ہو سکے۔ تو بھی ہرگز یہ خیال نہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ کبھی بھی اس وعدے کا خلاف کریگا۔ جو اس نے اپنے رسولوں سے کیا ہوا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ بڑا غالب ہے۔ اور اعداء سے بدلہ لینے والا ہے۔ اور اس وعدے کی نسبت سورہ **صافات** میں فرمایا۔ کہ بیشک ہمارا اپنے عباد مرسلین سے پہلے ہی سے وعدہ ہو چکا ہوا ہے۔ کہ وہ ضرور ضرور منصور ہونگے۔ اور نیز سورہ مجادلہ میں فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے یہ امر مقرر کر دیا ہے کہ میں اور میرے رسُول ضرور ضرور غالب رہیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ بڑی قوت والا اور بڑا غالب ہے اور سورہ نمل میں حضرت صالح علیہ السلام کے ذکر میں فرمایا۔ کہ اس شہر میں نو شخص مفسد اور غیر مصلح تھے۔ انہوں نے آپس میں کہا کہ صالح علیہ السلام اور آپ کے اہل بیت کو راتوں رات قتل کرنے پر قسمیں کھاؤ اور اس پر بھی کہ پھر اس کے ولی یعنی حامی و وارث کو کہیں گے۔ کہ ہم تو اس کے اہل بیت کے مرنے کے موقع اور وقت پر حاضر

Marfat.com

ہی نہ تھے۔ اور ہم ضرور سچے ہیں"۔ اس کے بعد اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ یہ انہوں نے بڑا بھاری مکر کیا تھا اور ہم نے بھی مکر (تدبیر محکم) کیا اور وہ ہماری تدبیر کا شعور نہ رکھتے تھے۔ پس دیکھو ان کے مکر کا انجام کیا ہوا۔ کہ ہم نے ان تو مفسدوں اور ان کے باقی حامی کاروں سب کو بالکل ہلاک کر دیا۔ پس یہ ان کے گھر ان کے ظلم کے سبب اجڑے پڑے ہیں بیشک اس معاملہ میں علم والے یعنی سمجھ والے لوگوں کے لئے (رسولوں کی نصرت اور اُن کے دشمنوں کی ذلت کا) بڑا بھاری نشان ہے اور ہم نے مؤمنین اور متّقین یعنی اَتباع صالح علیہ السلام کو بچالیا"۔ انتہےٰ۔

خلاصہ یہ کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں رسل اللہ کے برخلاف کفار کے مکر کا ذکر ہے۔ اس جگہ یہی مراد ہے کہ اللہ تعالےٰ پیغمبروں کو اُن کے مکر اور شرّ سے محفوظ رکھتا ہے۔ اور اُلٹا ماکرین ہی پر وبال وعذاب نازل کیا کرتا ہے۔ سو اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں بھی اسی طرح کی آیت آئی ہے۔ جیسے حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت سید المرسلینؐ کے حق میں وارد ہے۔ یہ کس قدر غلط اور لغو بات ہے۔ کہ جو الفاظ دیگر رسولوں کے محفوظ رہنے پر دلالت کریں۔ انہی الفاظ کے ہوتے حضرت کلمۃ اللہ و روح اللہ علیہ السلام اس قدر ذلّت اور خواری سے صلیب پر کھینچے جائیں۔ کہ آپ کی مبارک رانوں پر میخیں لگائی جائیں اور آپ کے پاک ہاتھوں میں کیلیں ٹھونکی جائیں۔ اور آپ کے مقدس سر پر کانٹوں کی ٹوپی پہنائی جاوے۔ اور آپ کے خزانہ حکمت کی پسلی میں نیزہ مارا جائے۔ معاذ اللہ۔ ثم معاذ اللہ! کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ جس امر کی تاکید کے لئے اللہ تعالیٰ اس قدر تاکید فرماتے اور بانتظام بیان کرے۔ اسی امر کو برخلاف مراد الٰہی اپنا عقیدہ بنایا جائے۔

سوال۔ وَ مَکَرَ اللہُ یعنی اللہ تعالےٰ نے بھی تدبیر کی۔ یہ تدبیر الٰہی کیا تھی؟

جواب۔ یہود کے خلاف اللہ تعالےٰ کا مکر یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اُٹھا لیا۔ اور انہی میں سے کسی کو آپ کا ہم شکل بنا دیا۔ جس کو یہود نے صلیب پر چڑھا کر

Marfat.com

قتل کیا۔ چنانچہ تفسیر کشاف میں ہے وَمَکَرُ اللّٰہ ان رفع عیسٰے الی السماء والقی شبہہٗ علی من اراد اغتیالہ حتّٰے قُتِلَ یعنی اللہ کا مکر اور اس کی تدبیر یہ تھی کہ عیسٰی علیہ السلام کو آسمان پر اُٹھا لیا اور آپ کی شکل اور شباہت اس شخص پر ڈال دی۔ جس نے آپ کو دھوکے سے قتل کرانا چاہا تھا۔ حتّٰی ۔۔۔۔ کہ وہ قتل کیا گیا۔ اسی طرح تفسیر جلالین میں بھی ہے۔

ومکر اللہ بِھم بان القی شبہ عیسٰیؑ علی من قصد قتلہ فقتلوہ ورفع عیسٰے انتھٰی ۔

اور خدا کا مکر ان سے یہ تھا کہ عیسٰیؑ کی شباہت اس پر ڈال دی۔ جس نے آپ کے قتل کا قصد کیا تھا سو انہوں نے اسے قتل کیا۔ اور خدا نے عیسٰیؑ کو اُوپر اٹھا لیا۔

اور اسی طرح تفسیر علامہ ابی السعود میں بھی ہے۔

بِاَنْ رَفَعَ عِیْسٰے علیہِ الصلوٰۃ والسّلامُ وَالقٰی شِبْہَہٗ علٰی من قصد اغتیالہ حتٰی قُتِلَ ۔ ۱۲

کہ خدا نے عیسٰےؑ کو اُوپر اٹھا لیا۔ اور ان کی شباہت اس پر ڈال دی جس نے آپ کے فریب کا قصد کیا تھا۔ چنانچہ وہ قتل کیا گیا۔

اور اسی طرح تفسیر مدارک میں ہے۔

لہ اکمل صاحب اس پر اعتراض کرتے ہیں" ان میں سے کسی کا قتل ہونا بھی ضروری تھا تو ثابت کرتے کہ حضرت ابراہیمؑ کی جگہ بھی کوئی آگ میں ڈالا گیا۔ اور ہماری سرکارؐ کے غار میں رہنے کے عوض کوئی اور غار میں رہا" ص جبکہ ایک رسول کی شکل ایک کافر پر ڈالی گئی۔ اور حکم ہمیشہ ظاہر پر کیا جاتا ہے (۱۲ ملخصاً) ان دونوں کا جواب بصراحت سوال کرکے دیدیا گیا تھا۔ لیکن اکمل صاحب نے عشوہ نمائی کی جناب! عالم امکان میں ممکنات کی صورتیں بہت ہوتی ہیں۔ ہر ممکن درجہ وجوب میں آنے سے پہلے ہر صورت کا احتمال رکھتا ہے۔ لیکن جب واقع ہو جائے۔ تو بس اسی میں ماننا پڑتا ہے پھر اس میں اتباع دلیل و خبر کی ہوتی ہے۔ جب واجب ہو گیا تو باقی سب احتمالات اور امکانی صورتیں جاتی رہیں اور ظاہر پر حکم تب ہوتا ہے۔ جب حقیقت معلوم نہ ہو۔ جب حقیقت مَا صَلَبُوْہُ وَلٰکِنْ شُبِّہَ لَھُمْ سے معلوم ہو چکی تو ظاہر باطل ہو گیا۔ فافہم سنہ ۱۲ ۔ سعادت۔

بان رفع عیسیٰ الی السماء والقی شبهه علی من اراد اغتیاله حتی قتل (مدارک)

کہ خدا نے عیسیٰؑ کو آسمان پر اُٹھا لیا۔ اور آپ کی شباہت اس پر ڈال دی۔ جس نے آپ سے فریب کا ارادہ کیا تھا۔ چنانچہ وہ قتل کیا گیا۔

اور اسی طرح ابن کثیر میں بھی ہے:۔

فلما احاطوا بمنزله وظنوا انهم ظفروا به نجاه الله تعالیٰ من بینهم ورفع من روزنة ذالک البیت الی السماء والقی شبهه علی رجل ممن کان عنده فی المنزل۔ فلما دخل اولٰئک اعتقدوه فی ظلمة اللیل عیسیٰ فاخذوه وصلبوه ووضعوا علی راسه الشوک وکان هذا مکر الله بهم فانه نجی نبیه ورفعه من بین اظهرهم وترکهم فی ضلالهم یعمهون (ابن کثیر جلد سوم)

جب یہود نے آپ کے مکان کو گھیر لیا۔ اور گمان کیا کہ آپ پر غالب ہو گئے ہیں تو خدا نے اُن کے درمیان سے آپ کو نکال لیا۔ اور اس مکان کی کھڑکی سے آسمان پر اُٹھا لیا۔ اور آپ کی شباہت اُس پر ڈال دی۔ جو مکان میں آپ کے پاس تھا۔ سو جب وہ اندر گئے۔ تو اس کو رات کے اندھیرے میں عیسےٰ خیال کیا۔ پس اسے پکڑا اور سولی دیا۔ اور سر پر کانٹے رکھے۔ اور ان کے ساتھ خدا کا مکر یہی تھا کہ اپنے نبی کو بچا لیا۔ اور اسے ان کے درمیان سے اوپر اٹھا لیا۔ اور ان کو ان کی گمراہی میں حیران چھوڑ دیا۔

اور اسی طرح تفسیر بیضاوی میں بھی ہے۔

حین رفع عیسیٰ علیه السلام والقی شبهه علی من قصد اغتیاله حتی قتل (بیضاوی)

جب عیسیٰؑ کو اوپر اُٹھا لیا۔ اور آپ کی شباہت اُس پر ڈال دی جس نے آپ کے فریب سے قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا حتیٰ کہ وہی قتل کیا گیا۔

اسی طرح دیگر تفاسیر مثل رحمانی۔ فتح البیان۔ معالم۔ سراج منیر۔ فیضی عباسی۔ کبیر۔ جامع البیان میں اس امر کی تصریح موجود ہے۔ تفسیر کبیر میں امام

Marfat.com

رازیؒ نے پانچ وجہیں ذکر کی ہیں۔ پہلی تین میں بالتصریح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اُٹھائے جانے، اور کسی پر آپ کی شباہت ڈالے جانے کا ذکر کیا اور چوتھی میں کسی ظالم بادشاہ کا بنی اسرائیل پر مسلط کر دینا۔ مکر الٰہی ٹھیرایا۔ ناظر بصیر پر ظاہر ہے۔ کہ یہ وجہ منافی وجوہِ سابقہ نہیں بلکہ ان کے ساتھ ضم کی جا سکتی ہے ۔

پانچویں وجہ علیٰ سبیل الاحتمال یہ فرمائی :-

یحتمل ان یکون المراد انھم احتمال ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ انہوں نے مکروا فی اخفاء امرہ وابطال حضرت عیسیٰؑ کے امر کے مخفی رکھنے اور آپ دینہ ومکراللہ بھم حیث اعلیٰ کے دین کے ابطال میں تدبیر کی اور خدا دینہ واظھر شریعتہ وقھر بالذل نے اُن سے یہ تدبیر کی کہ آپ کے والدنائۃ اعدائہ وھم الیھود دین کو بلند کیا۔ اور شریعت کو غالب کیا۔ (تفسیر کبیر جلد ثانی) اور نہایت ذلت اور پستی سے آپ کے دشمنوں کو مغلوب کیا اور وہ یہودی ہیں۔

اوّل تو اس وجہ کی تضعیف خود امام رازیؒ نے کلمۂ احتمال سے کر دی ہے۔ دیگر یہ کہ اس وجہ اور قول جمہور مفسرین میں منافاۃ نہیں۔ کیونکہ ان میں نسبت سبب اور نتیجہ کی ہے۔ کیونکہ نبی برحق کا آسمان پر اُٹھایا جانا اس نبی کی فضیلت کا ملزم ہے اور دشمنوں کی ذلت و ناکامی کا موجب ہے۔ فلا منافاۃ بینھما اصلاً (پس ان دونوں میں ہرگز کوئی منافات نہیں ۔)

سوال مفسرین علیہم الرحمۃ نے یہ جو فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کی تدبیر یہ تھی کہ ایک اور شخص کو جس نے عیسےٰؑ کو پکڑوانا چاہا تھا۔ صلیب پر چڑھوا کر قتل کرا دیا اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو آسمان پر اُٹھا لیا۔ کیا ان ہر دو امر کی تائید قرآن شریف سے ہو سکتی ہے؟

جواب۔ بیشک مفسرینؒ نے یہ سب کچھ قرآن شریف ہی سے لکھا ہے۔ امر اوّل کا بیان وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ میں مصرح ہے اور فَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا اس کا مؤید ہے۔ اور امر ثانی کی تصریح میں انی متوفیک ورافعک الی اور بل رفعہ اللہ موجود

ہیں۔ ان کی تفصیل موقع پر کی جائیگی۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

سوال - واللہ خیر الماکرین میں بجائے اسم مضمر کے اسم ظاہر کیوں اختیار کیا گیا ہے؟ وھو خیر الماکرین کیوں نہیں کہا گیا؟

جواب - قرآن شریف میں اللہ جل جلالہٗ کے اسماء حُسنےٰ بکثرت ہیں - اور وجہ اس کثرت کی یہ ہے۔ کہ چونکہ قرآن شریف کی آیات مثل دعاوی مع بینات کے ہیں۔ اس لئے ذکر ہر اسم کا حسب اقتضائے مقام ہوتا ہے۔ اور وہ اسم بمنزلہ دلیل وعلت کے ہوتا ہے۔ چونکہ آئت ما نحن فیھا موقع نصرت حضرت روح اللہ رسولِ برحق اور ذلت اعداء میں وارد ہے۔ اس لئے اسم جلالۃ کو (ازلے اللہ) بوجہ مہابت واثبات رسالت وحفاظت رسول کمال مناسبت ہے۔ جیسا کہ سورہ مجادلہ میں ہے:-

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ (پ۲۸ مجادلہ) (۵۸ : ۲۱)

اللہ تعالیٰ نے یہ امر مقرر کر دیا ہے - کہ میں اور میرے رسول ضرور ضرور غالب رہیں گے. کیونکہ اللہ تعالےٰ بڑا قوی اور غالب ہے"

چونکہ یہ آیت سورہ مجادلہ بھی کفار پر رسول کو غالب کرنے کی بابت وارد ہے اس لئے ذکر اسم جلالۃ کا کیا۔ اور آخر میں اسم جلالۃ (ازلے اللہ) کے ساتھ قوت اور غلبہ کا بھی ذکر کیا - جو بمنزلہ علت کے ہے۔

ولا یخفی امثال ذالک علی المتامل ومن لم یعط حظا من ذالک فلا یلومن الا نفسہ وھمتہ۔

اور ایسی باتیں اُس پر مخفی نہیں - جو تامل کرنے والا ہو اور جس کو اس ملکہ میں سے حصہ نہ ملا ہو - وہ سوائے اپنے نفس کے کسی کو ملامت نہ کرے"

چنانچہ تفسیر ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم میں علامہ ابو السعود اسعدہ اللہ بالفوز بجنت النعیم اسی آیت میں فرماتے ہیں:-

واظھار الجلالۃ فی موضع الاضمار لتربیۃ المھابۃ والجملۃ

موضع اضمار میں اسم جلالۃ کو ظاہر لانا تربیت مہابت کے لئے ہے.

Marfat.com

تذییل مقرر لمضمون ما قبلہ — اور یہ جملہ تذییل ہے جو مضمون ما قبل کی تقریر اور اثبات کرتا ہے۔ (ابو السعود)

سوال ۔ واللہ خیر الماکرین کی تفسیر کس طرح پر ہے؟

جواب ۔ اس آیت سے مقصود اس امر کا اظہار ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے مقابلہ میں مخلوق عاجز کی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی ۔ اور اس کی تدبیر اپنے رسولوں کے حق میں خیر ہوتی ہے ۔ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں بھی تدبیر خیر کی کہ اُن کو آسمان پر اُٹھا لیا ۔ لہ

سوال :- بے شک ان آیات سے صاف ظاہر ہے ۔ کہ ماکرین مکر میں ناکام رہتے ہیں ۔ اور اللہ تعالیٰ اُلٹا ان ہی پر عذاب نازل کرتا ہے مگر قرآن شریف میں یہود کے بعض انبیاء کے قتل کرنے کا جو ذکر آیا ہے ۔ اس کا کیا جواب ہے؟

جواب :- قرآن کریم میں تدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں شرک پھیلنے کے بعد رسل اللہ تین طرح پر بھیجے گئے ہیں ۔ اوّل وہ رسول جو اصحاب شرائع ہیں اور وہ پانچ ہیں ۔ نوح نبی اللہ ۔ ابراہیم خلیل اللہ ۔ موسیٰ کلیم اللہ عیسیٰ روح اللہ محمد رسول اللہ صلوٰۃ اللہ علیہم وسلامہ ۔ جیسا کہ فرمایا ۔

شَرَعَ لَکُمۡ مِّنَ الدِّیۡنِ مَا وَصّٰی	خدا نے تمہارے لئے وہ دین مقرر کیا ہے
بِهٖ نُوۡحًا وَّ الَّذِیۡۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ وَ	جس کی تاکید نوح کو کی تھی ۔ اور جو (اے
مَا وَصَّیۡنَا بِهٖۤ اِبۡرٰهِیۡمَ وَ مُوۡسٰی	پیغمبر) ہم نے تیری طرف وحی کیا ۔ اور جس
وَ عِیۡسٰۤی (شوریٰ ع ۲) وَقَالَ) وَ اِذۡ اَخَذۡنَا	کی تاکید ابراہیمؑ اور موسےٰؑ اور عیسےٰ کو کی
مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیۡثَاقَهُمۡ وَ مِنۡکَ	تھی" (۴۲: ۱۳) نیز فرمایا اور جب ہم نے سب نبیوں سے
وَ مِنۡ نُّوۡحٍ وَّ اِبۡرٰهِیۡمَ وَ مُوۡسٰی وَ	اور (اے پیغمبرؐ) تجھ سے بھی اور نوحؑ اور
عِیۡسَی ابۡنِ مَرۡیَمَ (الاحزاب ع ۱) (۳۳: ۷)	ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ بن مریم سے بھی اقرار لیا ۔"

لہ اکمل صاحب اس پر لکھتے ہیں " رسولوں کے حق میں اللہ تعالیٰ کی تدبیر بیشک خیر ہی ہوتی ہے ۔ مگر تدبیر خیر سے خواہ مخواہ آسمان پر اُٹھا لینا مراد لینا ہٹ دھرمی ہے" (ص ۹ حاشیہ نمبر ۱) جواب خواہ مخواہ مراد نہیں لی ۔ بلکہ بیان قرآنی سے لی ہے ۔ اسے آپ ہٹ دھرمی کہتے ہیں تو پڑے کہیں ۔ اور یاد رکھئے ۔ لزوم واقعہ اور وقوع واقعہ میں فرق

Marfat.com

آیت احزاب میں تخصیص بعد تعمیم کا فائدہ مزید کرامت اور زیادت شرافت ہے اور وہ اُن کا اصحاب شرائع ہونا ہے جیسا کہ آیت شوریٰ میں مصرح ہے۔ دوسرا وہ گروہ ہے جو اپنی اپنی قوم کی طرف بالاستقلال رسول کئے گئے اگرچہ صاحب شریعت نہ تھے۔ ہاں ان کے ہاتھ پر معجزات ظاہر ہوئے۔ اور ان کی قوم بہ سبب تکذیب کے معذّب ہوئی۔ مثل صالح اور ہود اور لوط اور شعیب علیہم السلام۔ تیسری وہ جماعت جو حکمت اور نبوّت دیے گئے۔ لیکن اِتباع تورات کے مامور تھے اور وے وہ ہیں جو بنی اسرائیل میں سے موسٰے علیہ السلام کے بعد بھیجے گئے۔ چنانچہ فرمایا:-

اِنَّآ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ فِيۡهَا هُدًى وَّنُوۡرٌ‌ ۚ يَحۡكُمُ بِهَا النَّبِيُّوۡنَ الَّذِيۡنَ اَسۡلَمُوۡا لِلَّذِيۡنَ هَادُوۡا (الآیۃ پ۶ مائدہ)

ہم نے ہی توریت کو نازل کیا تھا اس میں ہدایت اور نور تھا۔ اس کے مطابق خدا کے فرمانبردار انبیاً قوم یہود کے لئے فیصلہ کرتے تھے۔ (۵ : ۴۴)

مثل یحیےٰ اور زکریا علیہما السلام کی۔ پس محاورہ قرآنی میں نبی اور رسول مصداق میں) مترادف اور متفارق ہیں۔ ہر نبی رسول ہے اور ہر رسول نبی ہے۔ صاحب شریعت ہو یا نہ ہو جیسے کہ موسٰے کلیم اللہ علیہ السلام کی شان میں رسولاً نبیاً پ۱۶ فرمایا اور اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کی شان میں بھی رَسُوۡلًا نَّبِيًّا فرمایا اور معلوم ہے کہ حضرت کلیم اللہ صاحب شریعت تھے۔ اور حضرت ذبیح اللہ صاحب شریعت نہ تھے۔ پس بعض علماء کا یہ قول کہ رسول وہ ہے جس پر کتاب اُترے اور ہر رسول نبی ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ حسب التزام قرآن کریم ہے بلکہ یہ ان کی اصطلاح ہے۔ [1]

---

[1] اکمل صاحب اس پر اعتراض کرتے ہیں "کیا آپ کے علماً قرآن شریف کے برخلاف اصطلاحات کے گھڑ لینے کے مجاز ہیں؟ (صفہ ۱) جواب۔ جناب قرآن شریف کے خلاف تو کوئی بھی مجاز نہیں۔ لیکن آپ کو سمجھ نہ ہو تو کوئی کیا کرے، قرآن نے جس امر کا التزام نہیں کیا کیا اُسے کوئی گروہ اپنی اصطلاح میں کسی خاص معنی میں مقید کرلے تو اسے خلاف قرآن نہیں کہتے۔ دیگر یہ کہ ہم نے تو اس اصطلاح کی پابندی بھی توڑ دی۔ اور حاشیہ شرح ملّا کا حوالہ بھی دیدیا۔ آپ نے نظرانداز کیوں کردیا؟ دیکھئے وہاں لکھا ہے والرسول اِمّا مرادف للنبی ..... والیہ

وَلَا مُشَاحَةَ فِی الْاِصْطِلَاحِ (اور اصطلاح میں کوئی جھگڑا نہیں ہوتا) چنانچہ بعض علماء نے ہماری طرح تحقیق کیا ہے (حاشیہ شرح ملا صفحہ)

نتیجہ اس تمہید کا یہ ہے۔ کہ قسم اول و دوم کے رسولوں کے مقابلہ میں ماکرین مکر میں ناکام رہتے ہیں، کیونکہ ان کا قتل شریعت اور رسالت میں شبہ ڈالتا ہے بخلاف جماعۂ ثالثہ کے کہ ان کا قتل کتاب اور شریعت میں خلل انداز نہیں ہوتا۔ اسی لئے جرمیۂ قتل انبیاء سوائے قوم یہود کے کسی امت سے سرزد نہیں ہوا۔ اگرچہ ہر اُمت نے اپنے رسول کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ مفسرین علیہم الرحمۃ آیت "یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ" وامثالھا میں حضرت یحییٰ اور زکریا علیہما السلام کو بالاتفاق مثال میں لکھتے ہیں۔ چنانچہ تفسیر جلالین میں کئی مواضع پر اور نیز تفسیر کبیر میں زکریاؑ و یحییٰؑ لکھا ہے، اور تفسیر کشاف۔ معالم۔ مدارک۔ جامع البیان۔ خازن۔ سراج منیر۔ بیضاوی۔ فتح البیان۔ رحمانی۔ ابی السعود ان سب تفاسیر میں شعیاؑ اور زکریاؑ اور یحییٰ علیہم السلام لکھے ہیں۔ پس چونکہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام صاحب شرع و معجزات رسول ہیں۔ اس لئے یہود آپ کو صلیب پر نہیں کھینچ سکتے تھے۔

کسر صلیب کی دوسری آیت

وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ عِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ (نساء پ)

اور ان کے اس قول کے سبب بھی کہ انہوں نے کہا کہ بے شک ہم نے مسیح عیسیٰؑ بن مریمؑ رسول اللہ کو قتل کر ڈالا ہے۔ اور انہوں نے نہ تو اُسے قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا۔ (۴ : ۱۵۷)

یہ آیت نفی صلیب کے لئے نص صریح اور دلیل قطعی ہے۔ اس کا منکر کافر ہے۔ یہ آیت دو وجہ سے نفی صلیب پر دلالت کرتی ہے۔ **الوجہ الاول** قولہ تعالےٰ بالتصریح وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ یعنی یہود نے عیسےٰ علیہ السلام کو نہ تو قتل کیا اور نہ انہوں نے آپ کو صلیب پر چڑھایا۔

Marfat.com

محرر سطور نے ایک مطبوع اشتہار مرزا صاحب کو بھیجا تھا جس کی نقل حسب ذیل ہے
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ جناب مرزا صاحب! بندہ مجمع اہل السنۃ والجماعۃ سلف وخلف کی طرح اس بات کا قائل ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پہ نہیں چڑھائے گئے۔ اور اب تک فوت بھی نہیں ہوئے۔ آپ اگر قرآن کریم میں سے مسیح علیہ السلام کا صلیب پر چڑھایا جانا ثابت کردیں۔ اور اگر صلیب پر چڑھایا جانا ثابت نہ کرسکیں تو بعد از اقرار عدم مصلوبیت قرآن شریف ہی سے بدلائل قطعیہ ان کی وفات ثابت کردیں۔ تو بندہ اس بات کا حلفی اقرار کرتا ہے کہ آپ کی تحقیق کا بہت ہی ممنون ومشکور ہوکر مسیح علیہ السلام کی وفات کو تسلیم کرلیگا۔ اس امر کے فیصلے کے لئے خواہ آپ مجھے کادیان میں حاضر ہونے کے لئے فرماویں اور کسی عام مجلس میں اس مرحلہ کو طے کریں۔ خواہ کسی اور جگہ پر تشریف لاکر مجھے اطلاع بخشیں، خواہ آپ سیالکوٹ ہی میں قدم رنجہ فرماکر بندے کو ممنون فرمائیں۔ بندہ ہر طرح حاضر ہے۔ آپ کے سیالکوٹ آنے کی صورت میں آپ کے ذاتی اخراجات کا متحمل بندہ ہوگا۔ اگر آپ بندے کو کادیان میں طلب نہ فرمائیں اور کسی اور جگہ بھی بہ سبب کسی خفی وجہ کے خود تشریف نہ لاسکیں تو وہاں کادیان ہی میں بیٹھے بیٹھے اس بار کو برداشت کریں۔ بندہ اس پر سر تسلیم نہیں پھیریگا۔ اس عریضہ کے جواب میں آپ کا یہ فرما دینا کہ ہم نے یہ مسئلہ ازالہ اوہام میں بہ بسط لکھا ہوا ہے۔ بندہ کے لئے جواب باصواب نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ دلائل جو آپ نے ازالہ اوہام میں بیان کئے ہیں بندہ کے نزدیک قطعیت چھوڑ مفید ظنیت بھی نہیں ہوسکتے۔ اس عریضہ کی قبولیت یا عدم قبولیت سے بندہ کو ایک ہفتے کے اندر اندر بدستخط خاص قلمی یا بذریعہ اشتہار طبع شدہ اطلاع بخشیں۔ اور اس کی تعمیل کی میعاد ایک ماہ سے زائد نہیں ہونی چاہئے۔ ۸ رجون ۱۹۰۲ء

یہ اشتہار رجسٹری کراکر مرزا صاحب قادیانی کی خدمت میں ارسال کیا گیا جس کی رسید بھی آگئی تھی۔ مگر جواب ندارد۔ ہاں ان کے ایک مرید بلکہ استاد زادے

مولوی مبارک علی صاحب سیالکوٹی نے اس کا جواب لکھ کر اپنی لیاقت کا اظہار کیا۔ سو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ضمناً اس کی بھی تردید ہو جائے۔

یہ رسالہ نام کا جواب **باصواب** ہے۔ اور اس میں مولوی مبارک علی صاحب نے حضرت مسیح کے صلیب پر چڑھائے جانے کے ثبوت پر زور مارا ہے۔ اور آپ کو دلائل مزبورہ پر بڑا ناز ہے۔ چنانچہ لوح کے اندرونی صفحہ میں فخر سے فرماتے ہیں "سوال اور اس کے جواب میں غور فرما کر حسن کلام اور خوبی جواب اور طرز استدلال کی داد دیں" انتہٰی۔ اور نیز نظم دلچسپ میں یوں رقمطراز ہیں۔

گو دیکھنے میں چھوٹی سی یہ اک کتاب ہے، اس کا ہر ایک نکتہ نگرلا جواب ہے

اس کتاب میں مصنف صاحب نے اپنی تحقیقات کی داد ان دو امروں کی صحت پر مانگی ہے۔ امر اوّل صلب کے معنے صلیب پر مارنا ہیں۔ لہٰذا مَاصَلَبُوْہُ کے معنے "یہود نے حضرت مسیح کو صلیب پر نہیں مارا" ہوئے۔ چنانچہ صفحہ ۱۴ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں۔ واضح رہے کہ اصل لغت میں مصلوب ایسے شخص کو کہتے ہیں۔ جس کی موت صلیب پر واقع ہو جائے دیکھو قاموس اور اقرب الموارد وغیرہ اور جس شخص کی موت صلیب پر واقع نہ ہو۔ اس کو لغت کے رو سے مصلوب کہنا ناجائز ہے انتہٰی۔ اور نیز صفحہ ۵ میں یوں خامہ فرسائی کرتے ہیں" کیونکہ عرف لغوی میں مصلوب اُسے کہتے ہیں۔ جس کی موت صلیب پر واقع ہو جائے اور جس کی موت واقع نہ ہو۔ اسے مصلوب نہیں کہتے" ۱۲

امر دوم کلمہ لکن اس وہم کے دفعیہ کے لئے آتا ہے۔ جو کلام سابق سے پیدا ہو۔ اور اللہ تعالےٰ نے وَلٰکِنْ شُبِّہَ لَھُمْ اس لئے فرمایا کہ مَاصَلَبُوْہُ کی نفی سے مطلق سولی چڑھانے کی نفی بھی سمجھی جاتی تھی۔ مگر چونکہ فعل سولی پر چڑھانا درست تھا۔ اور سولی پر مرجانا غلط۔ اس لئے وَلٰکِنْ شُبِّہَ لَھُمْ سے اس وہم کو دور کیا۔ اور ظاہر کر دیا۔ کہ نفی صلب سے مراد نفی نتیجہ صلب (موت) ہے۔ یعنی سولی پر

صفحہ ۵ حق بر زبان جاری ۱۲ منہ

Marfat.com

مرے نہیں۔ چنانچہ ص۱۶ میں یُوں تحریر فرماتے ہیں "پس اس قاعدے کے رُو سے ثابت ہوا۔ کہ آیہ زیر بحث کے جملہ اُولےٰ منفیہ میں ایک وہم ہے۔ جو جملہ ثانیہ مثبتہ سے بواسطہ حرف استدراک متضمن معنی استثنا در فع کیا گیا ہے۔ اور وہ وہم یہ ہے کہ نفی قتل بعلت صلب سے نفی وقوع صورت صَلب موہوم ہوتی ہے۔ جو مناقض اور مغائر نتیجہ صلب (موت) کی ہے۔ پس اللہ تعالےٰ نے اس کو حرف استدراک متضمن معنے استثنا سے یُوں ظاہر کیا۔ کہ قتل اور صلب کا نتیجہ واقع نہیں ہوا۔ اور صُورت صلب پیش آگئی۔ پس جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ آیہ شُبِّہَ لَھُمْ میں مشبّہ حضرت مسیح ہے۔ اور مشبّہ بہٖ یہود کا زعمی مصلوب یا وہ مقتول و مصلوب جو بعلت تصلیب معہود فی الذہن ہوتا ہے۔ انتہٰے۔

اقول۔ یہ دونوں امر بالکل غلط اور ناشی از جہالت ہیں۔ اور ان کا قائل جاہل مطلق اور لیاقت علمیہ سے بے بہرہ اور علوم رسمیہ سے بالکل نابلد ہے۔

امر اوّل یعنی صلب کے معنے سُولی پر چڑھا کر مارنا تین وجوہ سے باطل ہے۔

وجہ اوّل لغت میں صلب کے معنے صرف سولی پر چڑھانا ہیں اسے موت لازم نہیں۔ غیاث اللغات اور صُراح میں ہے۔ صلب بردار کردن بلکہ غیاث اللغات میں لفظ صلیب کے ذیل میں کہا ہے" بمعنے بردار کردہ شدہ۔ وجہش آنکہ چوں عیسےٰ علیہ السّلام را بر آسماں بردند۔ طرسوس نام شخصے را کہ ہمشکل عیسےٰ علیہ السلام بود، بردار کشیدند۔ و بعد از ان واقعہ ترسایاں آنرا علیؑ پنداشتہ شکل دار باعیسےٰؑ از چوب تراشیدہ در گلو آویختند و تعظیمش کردند" اور سب تراجم اردو فارسی میں صلب کے معنے سولی پر چڑھانا ہی لکھے ہیں۔

ترجمہ شاہ ولی اللہ صاحب مرحوم محدث دہلوی جو مسلّم بین العلماء و الفضلاء ہے" ونہ کشتند اورا و بردار نکردند اورا"

ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحب بن شاہ ولی اللہ صاحب "اور نہیں مارا اس کو اور نہ سولی دی اس کو"

Marfat.com

ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب بن شاہ ولی اللہ صاحب "اور نہ اس کو مارا ہے اور نہ سولی پر چڑھایا"

ترجمہ حافظ نذیر احمد صاحب "نہ تو انہوں نے ان کو سولی چڑھایا"

ان عبارات سے صاف ظاہر ہے۔ کہ صلب کے معنی لغت اور تراجم میں سولی پر چڑھانا لکھے ہیں۔ اور موت اس کے لئے لازم نہیں۔ اگر صلب کے معنی کسی لغت کی کتاب میں یا کسی محاورے میں یا کسی شعر میں سولی پر چڑھا کر مارنا آتے ہیں تو مصنف صاحب پر واجب تھا کہ اس کتاب کی عبارت نقل کر دیتے۔ صرف آپ کا اتنا کہہ دینا کہ عرف لغوی میں فلاں لفظ کے معنے یہ ہیں۔ سند نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ کہیں کہ ص۱۷۱ کے حاشیہ میں قاموس اور اقرب الموارد کا نام لکھ دیا ہے۔ بلکہ اس پر وغیرہ کا بھی پشتہ چڑھا دیا ہے۔ تو اس عذر سے شرم چاہیے۔ مولوی صاحب! جہاں قاموس وغیرہ میں آپ کی تائید کی تصریح کی گئی ہے۔ مہربانی کر کے وہ عبارت ہی نقل کر دی ہوتی تاکہ آپ پر دھوکے کا الزام عائد نہ ہوتا۔ مولوی صاحب! یاد رکھئے لغت کی کسی کتاب میں آپ کی "تائید نہیں ہے۔ اور ہرگز نہیں ہے۔ یہ صرف آپ ہی کا اختراع ہے۔ اور مصنفین گزشتہ پر افتراء +

لہ اکمل صاحب نے بہت محنت سے لسان العرب میں سے یہ عبارت تلاش کر کے نکالی والصلب ھذہ القتلۃ المعروفۃ الخ اور کہا ہے لسان العرب میں صلب کے معنے قتل کے لکھے ہیں (ملا) جواب۔ ہم قادیانی علمیت پر ہنسیں یا کریں دعویٰ الکملیت کا اور "قِتْلَۃٌ" کے معنے کرتے ہیں "قتل" جناب من! علم صرف کے قواعد جانے آپ کی بلا، فِعلۃ بالکسر کا وزن عربی زبان میں نوعیت ظاہر کرنے کے لئے آتا ہے۔ چنانچہ شافیہ میں ہے وبکسرہا الفاء للنوع نحو ضِرْبَۃ وقِتْلَۃ ۱۲ پس صاحب کے ضمن میں لسان العرب میں جو القتلۃ المعروفۃ کے لکھا ہے سو اس کے معنی یہ ہیں کہ صلیب بھی قتل کا ایک ذریعہ ہے۔ کیونکہ قتل عام ہے چاہے کس طرح مارا جائے۔ اس کی مختلف صورتیں ہیں۔ ایک ان میں سے صلیب بھی ہے۔ اسی لئے قرآن میں مَا قَتَلُوْہُ کے بعد مَا صَلَبُوْہُ کی تصریح کی ضرورت پڑی کہ یہود قتل مسیح کی صورت صلیب پر چڑھا کر مارنا کہتے تھے۔ پس خدا تعالیٰ نے ما قتلوہ سے تو قتل کی نفی کر دی۔ اور ما صلبوہ سے صلیب پر چڑھانے کو رد کر دیا۔ پس مَا صَلَبُوْہُ میں فعل صَلَبَ جو منفی ہے۔ وہ صلیب پر چڑھانے کے معنوں میں ہوا نہ کہ صلیب پر مارنے کے معنے میں۔ کیونکہ مارنے کی نفی تو ما قتلوہ میں ہو چکی ہے باقی رہا صلیب پر چڑھانا سو مَا صَلَبُوْہُ سے مردود ہو گیا ۱۲

اچھا اگر عربی زبان میں صلب کے معنے سولی پر چڑھا کر مارنا اور مصلوب کے معنے سولی پر چڑھایا جا کر مارا ہوا ہیں۔ تو صرف سولی پر چڑھانے اور سولی پر چڑھائے ہوئے کے لئے کیا لفظ ہیں؟ جب آپ نے یہ لکھا تھا کہ جس شخص کی موت صلیب پر واقع نہ ہو اس کو لغت کے رُو سے مصلوب کہنا ناجائز ہے" تو کیا اس وقت ایسے شخص کے لئے جو لفظ اس پاک زبان میں موضوع ہے لکھنا ہی یاد نہ رہا تھا یا خود بدولت کو یاد ہی نہ تھا؟ یا زبان ہی میں کوئی لفظ نہیں؟ مہربانی کر کے وہ لفظ تو لکھ دیا ہوتا تاکہ آپ کی تحریر کچھ تو مفید پڑتی۔ پہلی دو صورتوں میں آپ کا قصور ہے۔ اور تیسری صورت میں زبان کا نقص۔ مجھے امید ہے کہ آپ اپنے پر الزام سہ جائینگے۔ اور زبان عرب میں نقص کے قائل نہ بنیں گے۔

وجہ دوم۔ جو الفاظ افعال کے لئے موضوع ہیں۔ وہ صرف ان کی ابتدائی صورت کے لئے ہیں۔ نتیجہ اُن میں داخل نہیں ہوتا۔ نتیجہ پر دلالت ترکیب سے ہوتی ہے۔ یا زیادت سے۔ آپ قواعد فقہ یا علم بیان کی کوئی کتاب پڑھیں۔ پھر معلوم ہو جائے گا اور اس سے پہلے ایسی تحقیق کو چھوڑ دیں۔ اور استاد کے اس شعر کو ورد زبان بنائے رکھیں ؂

بجائے بزرگاں دلیری مکن   چو سر پنجہ ات نیست شیری مکن

وجہ سوم یہ مثل مشہور ہے۔ دروغگو را حافظہ نباشد۔ رسالہ جواب باصواب کے مصنف صاحب نے صلب کے معنے سولی پر چڑھا کر مارنا کرنے میں اپنی مطلب برآری کے لئے بہت زور مار کر تصرف فی اللغۃ کیا ہے۔ اور بموجب مثل مندرجہ عنوان ان کی اپنی بہت سی عبارات اسی رسالے میں موجود ہیں۔ جن میں صلب بمعنی مطلق صلیب پر چڑھانا استعمال کیا گیا ہے۔ وہ مواضع حسب ذیل ہیں:۔

(۱) حاشیہ صفحہ ۱۴" ما قتلوہ یقیناً اسے مَا وَقَعَ مَوْتُہٗ بِقَتْلِہٖ صَمْدًا

"نفی قتل بعلت صلب سے نفی وقوع صورت صلب مفہوم ہوتی ہے"

(۲) صفحہ ۱۶" جو منافی اور مغائر نتیجہ صلب (موت) کی ہے"

(۴) ص۱۷ " اب اس صورت میں یہ معنے ہوئے کہ مسیح کے صلب کا نتیجہ تو واقع نہیں ہوا "

(۵) ص۱۷ اور دونوں جملوں کے ملانے سے عدم وقوع نتیجہ صلیب کا اثبات ہے "

(۶) ص۱۷ پس ان دونوں آیتوں سے ثابت ہو گیا کہ آیت وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ میں مطلق نفی مقصود نہیں بلکہ نتیجہ صلب وقتل کی نفی مقصود ہے۔ اور وقوعِ صورتِ صلب کا اثبات مطلوب ہے "

ہم ان عبارات پر کچھ زیادہ توضیح نہیں کرتے۔ صرف ناظرین کے فہم رسا اور انصاف پر چھوڑتے ہیں۔ اور ان کی توجہ اس طرف مبذول کرنا چاہتے ہیں کہ ان عبارات میں صلب بمعنی سُولی پر چڑھانا مستعمل ہُوا ہے یا نہیں۔ وَالْاِنْصَافُ اَوْلَى الْاَوْصَافِ (انصاف کرنا سب سے بہتر وصف ہے) اگر مصنف صاحب اس اشارے سے اپنی بے علمی کا اعتراف نہ کریں۔ تو نتیجہ اور سبب کی مغائرت سے سمجھ لیں[۱]۔

الفقیه تکفیه الاشارة دانا کو بس ایک اشارہ ہی کافی ہے اور نادان
والسفیه لا تفیده العبارة کو لمبی عبارت بھی مفید نہیں۔

امر دوم یعنی بحث کلمہ لکن کی نسبت یہ عرض ہے کہ مولوی صاحب خود اس سے وہم میں پڑے ہیں اور عوام کو اوہام میں ڈالتے ہیں۔ فَضَلَّ وَاَضَلَّ مولوی صاحب نے لکنّ (مثقلۃ النون) کے قاعدہ میں دو عبارتیں نقل کی ہیں۔ اور ان عبارات سے مولوی صاحب کو کچھ فائدہ نہیں۔ ہاں اتنا فائدہ ضرور ہے کہ مرزائی پارٹی یہ جانیگی۔ کہ مولوی صاحب علم نحو سے واقف ہیں۔ مگر علم نحو کے ماہرین کے نزدیک یہ امر شاہد ناطق ہے۔ کہ مولوی صاحب علم نحو سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ آپ نے کتب نحو کی عبارات تو نقل کر دیں۔ کہ لکن ازالہ وہم کے لئے آتا ہے۔ مگر تعیین وہم کی سند میں کسی تفسیر کی عبارت کیوں نقل نہ کی۔ مخالف پر کسی کتاب کا

---

[۱] افسوس اب تو وہ فوت ہو چکے ہیں۔ سعادت الافران۔

Marfat.com

حوالہ دے کردہ امر آشکارا کیا جاتا ہے جس میں اس کو خلاف ہو۔ کلمہ لکن کا ازالہ اوہام کے لئے موضوع ہونا تو فریقین کے نزدیک مسلم ہے۔ اختلاف تو تعیین وہم میں ہے۔ جو وہم آپ کو ہوا ہے۔ اس کی صحت کے لئے کسی کتاب کی عبارت لکھنی چاہئے تھی۔ یا اُسے مدلل طور پر پُر زور عبارت میں ثابت کرنا تھا۔ مگر افسوس مولوی صاحب نے غیر ضروری امر ہی پر اپنا سارا زور بل لگا دیا اور جس امر کو دلیل سے ثابت کرنا تھا۔ وہاں پہنچ کر بیدم ہو گئے۔ مولوی صاحب! معاملہ ایسا نہیں جیسا آپ کو وہم ہوا ہے۔ سنیئے وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ کے معنی تین طرق سے ہو سکتے ہیں۔ اوّل اگر نفی قتل کو مفعول پر مقصور رکھیں تو اس کے معنے یہ ہونگے "اور یہود نے مسیح علیہ السلام کو قتل نہیں کیا اور نہ اس کو صلیب پر چڑھایا"۔ وھذا الوجہ ھو الحق (اور یہی وجہ درست ہے) دوم اگر نفی قتل کو فاعل پر مقصور رکھیں تو معنے یہ ہوں گے کہ مسیح کو یہود نے قتل نہیں کیا۔ اور نہ اس کو سُولی پر چڑھایا۔ اس کے خلاف یہ ہوگا کہ یہود کے سوا کسی اور نے مارا اور یہ وجہ باطل ہے۔ اس کی تفصیل انشاء اللہ آگے آئیگی۔ سوم اگر نفی کو افعال مذکورہ پر مقصور کریں۔ تو معنے یہ ہونگے۔ مسیح کو یہود نے قتل نہیں کیا اور نہ صلیب پر چڑھایا ہے۔ اس کے خلاف یہ ہوگا۔ کہ کسی اور طرح سے مر گیا۔ اور یہ وجہ بھی باطل ہے۔

ناظرین انصاف سے دیکھیں کہ ان ہر سہ وجوہ میں سے وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ کو کس وجہ سے تعلق ہے۔ اگر انصاف سے غور کیا جائے تو صاف معلوم ہو جائیگا کہ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ کو ان وجوہ میں سے صرف پہلی ہی صورت سے مناسبت ہے اور جمیع مفسرین رحمہم اللہ نے بالاتفاق یہی معنے کئے ہیں۔ صورت دوم اس لئے درست نہیں کہ اس صورت میں فعل کی اسناد اس کے فاعل کی طرف نہیں کی گئی۔ اور نیز اس لئے کہ اس صورت میں یہود کا ذکر باسم ظاہر چاہیے تھا یا ضمیر مرفوع منفصل لانی چاہیئے تھی۔ صورت سوم اس لئے باطل ہے کہ

Marfat.com

جب اس صورت کے خلاف یہ تھا کہ وہ کسی اور طرح مر گیا تو پھر فعل کی نفی یہود کی طرف اشارہ کرکے نہ کی جاتی بلکہ عام طور پر کہا جاتا کہ اس کو کسی نے نہیں مارا وہ تو اپنی موت سے بستر پر مرا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں لفظ احد (بمعنے کوئی) بہ سبب معین نہ ہونے کے نکرہ اور عام ہے۔ اور یہود اس کی نسبت خاص۔ اور خاص کی نفی سے عام کی نفی نہیں ہوسکتی۔ باقی رہی صورت اول سو اس کو جملہ وَلٰکِنْ شُبِّهَ لَهُمْ سے پورا پورا تعلق ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ یہود نے مسیح کو قتل نہیں کیا۔ اور نہ اُنہوں نے اسے صلیب پر چڑھایا لیکن کسی ایسے شخص کو صلیب پر چڑھایا جو ان کے لئے از روئے مکر کے مسیح علیہ السلام کا ہم شکل بنا دیا گیا تھا کیونکہ جب اللہ تعالےٰ نے مَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ سے مسیح علیہ السلام سے مصلوبیت ومقتولیت کی نفی کردی تو وہم ہوتا تھا۔ اور وہ وہم معقول تھا کہ قتل اور صلب حقی امر ہیں وہمی اور خیالی نہیں۔ اس لئے کوئی نہ کوئی تو ضرور مصلوب ومقتول ہوا تھا۔ اگر وہ مقتول مسیح نہیں تھا۔ تو اور کون تھا؟ سو ضرور تھا کہ اس کا جواب دیکر ازالۂ وہم کیا جاتا۔ پس وَلٰکِنْ شُبِّهَ لَهُمْ سے اللہ تعالےٰ نے اس وہم کو دفع کیا اور حقیقت امر کھول دی۔ کہ وہ کوئی اور شخص تھا جو کہ یہود کے لئے مکرا بہماسہ مسیح کا ہم شکل بنایا گیا تھا۔

اس میں شاید کوئی کوتاہ نظری سے یہ سوال کرے کہ فعل شُبِّهَ کی اسناد کس کی طرف ہے۔ کیونکہ اسے مسیح کی طرف مسند کیا جائے۔ تو مسلمانوں کے اعتقاد میں مسیح مشبہ بہ ہیں۔ اور یہاں ذکر مشبہ کا ہے۔ اور اگر کسی اور مقتول ومصلوب کی طرف اسناد کی جائے۔ تو اس کا اوپر ذکر نہیں۔ ھٰذا تقریر السوال۔

اس کا ایک جواب باتفاق جمہور مفسرین یہ ہے۔ جو امام رازی علیہ الرحمۃ نے دیا ہے۔

اَنْ یُّسْنَدَ اِلٰی ضَمِیْرِ الْمَقْتُوْلِ لِاَنَّهٗ	کہ یہ فعل مسند ہے طرف ضمیر کی۔ جو
قَوْلُهٗ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ یَدُلُّ	مقتول کی طرف پھرتی ہے کیونکہ قول

عَلٰی اَنَّہٗ وَقَعَ الْقَتْلُ عَلٰی غَیْرِہٖ فَصَارَ ذٰلِکَ الْغَیْرُ مَذْکُوْرًا بِھٰذَا الطَّرِیْقِ فَحَسُنَ اِسْنَادُ شُبِّہَ اِلَیْہِ -

وَمَا قَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ اس بات پر دلالت کرتا ہے۔ کہ کسی اور شخص پر قتل واقع ہوا۔ پس اس طریق سے وہ مقتول مذکور ہوا اور شُبِّہَ کی اسناد اس کی طرف ٹھیک ہوئی۔

اور نیز اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ سے بھی اس مقتول کا ذکر سمجھ میں آسکتا ہے جیسا قاضی بیضاوی نے فرمایا:۔

اَوْ اِلٰی ضَمِیْرِ الْمَقْتُوْلِ لِدَلَالَۃِ اِنَّا قَتَلْنَا عَلٰی اَنَّ ثَمَّ قَتِیْلًا ‌ یا اس فعل کی اسناد ضمیر مقتول کی طرف ہے۔ کیونکہ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہاں کوئی تو ضرور مقتول تھا۔

مولوی صاحب نے شُبِّہَ کی توجیہ میں تفسیر بیضاوی کی عبارت نقل کرکے عوام کو یہ دہوکا دینا چاہا ہے۔ کہ گویا اس توجیہ میں پہلے مفسر بھی ان سے متفق ہیں۔ اچھا مولوی صاحب! اگر قاضی بیضاوی علیہ الرحمۃ کی عبارت آپ کے مفید ہے تو قاضی بیضاوی ہی سے پوچھ لیجئے۔ کہ مسیح علیہ السلام کے رفع کے بارے میں کیا اعتقاد رکھتے ہیں۔ مولوی صاحب! تفسیر بیضاوی درسی کتاب ہے اور آپ نے نہیں پڑھی[۱]۔ تفسیر بیضاوی آپ جیسے ماہروں سے حل نہیں ہوسکتی۔ بندہ آپ کو پھر وہی نصیحت کرتا ہے۔

---

[۱] مولوی مبارک علی صاحب سیالکوٹی جناب مرزا صاحب قادیانی کے اُستاد مولوی فضل احمد صاحب مرحوم کے بیٹے تھے۔ فقہ وغیرہ کی چند ابتدائی کتابیں حافظ محمد سلطان صاحب سیالکوٹی رح سے پڑھیں۔ حدیث کی کچھ کتابیں استاذِ پنجاب حافظ عبد المنان صاحب محدث وزیرآبادی رح سے پڑھیں۔ کسی ناگفتہ بہ شرارت پر جناب حافظ صاحب نے سخت سزا دی۔ وہاں سے بھاگ آئے۔ پھر قادیانی ہوگئے۔ مولوی نور الدین صاحب کے بعد لاہوری جماعت میں شامل ہوئے۔ آخر گوجرانوالہ میں طاعون سے فوت ہوئے۔ ۱۲۔ منہ

بجائے بزرگاں دلیری مکن چو سر پنجہ ات نیست شیری مکن

تفسیر بیضاوی کا عمل انہی لوگوں کے سپرد کریں جنہیں اللہ تعالےٰ نے اس کے
عمل کرنے کے لئے پیدا کیا ہے ع ہر کسے را بہر کارے ساختند ۔
خَلَقَ اللّٰہُ لِلحُرُوبِ رِجَالًا وَرِجَالًا لِقَصْعَۃٍ وَّ ثَرِیْدٍ
یعنے خدا تعالےٰ نے بعض آدمیوں کو تو جنگ کے لئے پیدا کیا اور بعض کو صرف پیالے
اور ثرید یعنے پیٹ پالنے کے لئے بنایا ؎

مولوی صاحب! آپ مفسرین کے مختلف اقوال سمجھنے کی لیاقت نہیں رکھتے
مفسرین کے آیت کے ذیل میں کئی اقوال کے نقل کرنے سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا۔ کہ
وہ اقوال آپس میں متضاد ہیں۔ اور ان سے نتیجہ ایک نہیں نکلتا۔ بلکہ یہ معنی ہیں کہ
ہر صورت میں نتیجہ ایک ہی ہے۔ اس کے اثبات کی کئی صورتیں ہیں۔ اور جس
قول سے نتیجہ اُلٹ نکلتا ہو۔ اس کی تضعیف کر دیتے ہیں۔ آپ ذرا غور کریں کہ
اگر شُبِّہَ کی اسناد جار مجرور کی طرف کرنے یا ضمیر مقتول کی طرف کرنے سے نتیجہ ایک
نہیں نکلتا تو معاذ اللہ مفسرین پر یہ الزام عائد ہوگا۔ کہ وہ قول راجح اور مرجوح اور
ضعیف اور قوی میں تمیز نہیں کر سکتے تھے۔ صرف مختلف اقوال کا نقل کر دینا جانتے
تھے۔ اور ان میں قوت فیصلہ نہ تھی۔ یا یہ نتیجہ نکلیگا کہ معاذ اللہ قرآن شریف
ایسی کتاب ہے کہ اس کے مضامین کے بیان میں اتفاق رائے نہیں۔ اگر ان اختلافات
کو اس طریق پر جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ سمجھا جائے۔ تو مفسرین کی بھی علوِّ
شان ثابت ہوتی ہے۔ اور قرآن کریم کی بھی۔ مفسرین کی اس طرح کہ گویا وہ ایسے
وسیع النظر اور ماہر ہیں کہ ایک امر کو کئی وجوہ سے ثابت کر سکتے ہیں۔ اور قرآن کریم
کی اس طرح کہ یہ ایک ایسی کتاب ہے۔ جو اپنے مضامین کے اثبات کے لئے اپنے
اندر ہی کئی دلائل رکھتی ہے۔ فَافْہَمْ۔

اب ہم بفضلہ تعالےٰ شُبِّہَ کی اسناد کی نسبت مفسرین کے اقوال نقل کر کے
مولوی صاحب کے فہم سے وہم کو دور کرتے ہیں۔ اور ثابت کرتے ہیں کہ ہر صورت

Marfat.com

میں نتیجہ یہی ہے کہ کوئی اور شخص مسیح علیہ السلام کا ہم شکل بنایا گیا تھا۔ اور وہی صلیب پر کھینچا جا کر مارا گیا تھا۔ چنانچہ تفسیر بیضاوی میں ہے:-

وَشُبِّہَ مُسْنَدٌ اِلَی الْجَارِ وَالْمَجْرُوْرِ کَاَنَّہٗ قِیْلَ وَلٰکِنْ وَقَعَ لَھُمُ التَّشْبِیْہُ بَیْنَ عِیْسٰی وَ الْمَقْتُوْلِ

شُبِّہَ جار مجرور یعنی لَھُمْ کی طرف مسند ہے گویا یہ کہا گیا " لیکن ان کو عیسےٰ اور اس مقتول میں مشابہت نظر آئی"۔

مولوی صاحب اس توجیہ کی طرف صفحہ ۱۵ کے حاشیہ میں یوں اشارہ کرتے ہیں "بعض مفسرین نے شُبِّہَ کا اسناد جار مجرور کی طرف بھی مانا ہے۔ جس کے یہ معنی ہوئے۔ وَلٰکِنْ وَقَعَ لَھُمُ التَّشْبِیْہُ اَیْ شُبِّہَ عَلَیْھِمُ الْاَمْرُ اَوْ جُعِلَ الْاَمْرُ مُشْتَبِھًا لَھُمْ۔ مولوی صاحب نے اس ایک سطر عبارت کے نقل کرنے میں جو خیانت کی ہے وہ ناظرین پر ظاہر ہو گئی ہو گی۔ اگر جار مجرور کی طرف اسناد کرنے سے معنے آپ کے مطلب کے موافق تھے۔ تو آپ نے اگلی عبارت پوری نقل کیوں نہ کی۔ اور بَیْنَ عِیْسٰی وَالْمَقْتُوْلِ کی خیانت کیوں کی اور اپنی طرف سے اس کے معنے شُبِّہَ عَلَیْھِمُ الْاَمْرُ اَوْ جُعِلَ الْاَمْرُ مُشْتَبِھًا لَھُمْ عربی عبارت وعربی خط میں لکھ کر کیوں عبارت لمبی کی گئی۔ اور کیوں لوگوں کو دھوکا دیا گیا؟ ایمانداری تو یہ تھی۔ کہ آپ کتاب کی عبارت پوری نقل کر دیتے پھر سمجھنے والے خود سمجھ لیتے کہ یہ عبارت آپ کے موافق ہے یا مخالف۔ مولوی صاحب نے وَقَعَ لَھُمُ التَّشْبِیْہُ کے معنے شُبِّہَ عَلَیْھِمُ الْاَمْرُ اَوْ جُعِلَ الْاَمْرُ مُشْتَبِھًا لَھُمْ کر کے اپنی لیاقت علمی کا ایک اور نمونہ دکھایا ہے۔ سبحان اللہ کہاں کی کہاں لگا دی آپ پر تشبیہ اور اشتباہ مشتبہ ہو گئے۔ اور صلہ علی سے نظر ہی عالی پرواز ہو گئی۔ اور صرف اسی پر بس نہیں کی بلکہ پھر یہ فرمایا " پس بجائے صلہ علی کے صلہ لام کا اختیار کرنا یہ ایک دقیق بلاغت کی طرف اشارہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ لام عربی میں انتفاع کے لئے آتا ہے" مولوی صاحب! آپ کیوں ایسے امور میں دخل اندازی

ہوتے ہیں۔ جن کے آپ اہل نہیں ہیں۔ آپ ناحق لغت اور نحو کا مسئلہ چھیڑتے ہیں۔ آپ لغت اور نحو نہیں جانتے۔ آپ کو کسی استاد کے اس مصرعہ سے نصیحت لی جاتی ہے۔ ع نکتہ داں نشود کرم گر کتاب خورد۔ اس عبارت کو بغور پڑھیں[لہ] اشتباہ اور تشابہ وغیرہ کا صلہ جب علیٰ آ جائے۔ تب ان کے معنے التباس کے ہوتے ہیں۔ جیسے سورہ بقر پ میں ہے۔

اِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا بیشک موصوفہ گائے مشتبہ ہوگئی ہم پر (۲ : ۷)

اور سورہ رعد پ۱۳ میں ہے۔

فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ پیدائش مشابہ ہوگئی اوپر اُن کے" (۱۳ : ۱۶)

اور سورہ انعام پ میں ہے۔

وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ : اور البتہ مشتبہ کرتے ہم اوپر اُن کے : (۶ : ۹)

اور قاموس میں ہے شُبِّهَ عَلَيْهِ الْاَمْرُ تَشْبِيهًا لُبِّسَ عَلَيْهِ (معاملہ اس پر مشتبہ ہوگیا)

آپ نے ناحق شُبِّهَ عَلَيْهِمُ الْاَمْرُ اور وَقَعَ لَهُمُ التَّشْبِيهُ کو ایک بنا کر اپنی بے بضاعتی پر ہنسایا۔

پھر مولوی صاحب نے مطولات کا مطالعہ نہیں کیا۔ اگر کیا ہوتا تو ضرور جانتے کہ عربی میں لام کئی معنوں کے لئے آتا ہے۔ ایک اُن میں سے ضرر ہے۔ جیسے اس آیت میں ہے۔

فَيَكِيدُوا لَكَ كَيْدًا یعنے پس وہ تیرے ضرر کی تدبیر کریں گے۔ (۱۲ : ۵)
(پ۱۲ س یوسف)

ایسے ہی وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ میں بھی ضرر کے لئے ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ پس یہود کا مکر یہ تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو مصلوب کرکے قتل کر ڈالیں۔ اللہ تعالےٰ کا مکر ان کے مقابلے میں یہ

لہ اب تو وہ فوت ہو چکے ہیں۔ اب کیا پڑھیں گے۔ ۱۲ منہ

ہُوا کہ انہی میں سے ایک شخص کو مسیح کا ہمشکل بنا کر ان کے اپنے ہاتھ سے مصلوب کرا کے مقتول کرایا۔ جن کا ضرر انہی پر پڑا بحکم آیت ۔ سورہ فاطر

وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهِ الآیۃ ۔ بد اندیشی کا وبال اس کے اہل ہی پر پڑا کرتا ہے۔"
(پ۲۲ فاطر ۳۵ : ۴۳)

دیکھو دونوں آیتوں میں مکر اور کید کے لفظ ہیں جو آپس میں مترادف ہیں، دیگر یہ کہ جار مجرور کی طرف اسناد کرنے سے اَلْاَمْرُ کہاں سے نکال لیا۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ مولوی صاحب بیچارے مفسرین کے اقوال سمجھنے کی لیاقت نہیں رکھتے۔ تفسیر بیضاوی میں عبارت مذکورۃ الصدر کے آگے لکھا ہے۔

اَوْ فِي الْاَمْرِ عَلٰى قَوْلِ مَنْ قَالَ لَمْ يُقْتَلْ اَحَدٌ وَّلٰكِنْ اُرْجِفَ بِقَتْلِهٖ فَشَاعَ بَيْنَ النَّاسِ ۔ یا اس معاملہ میں اُن کے لئے تشبیہ واقع ہوئی ۔ اس قائل کے قول پر کہ مقتول کوئی بھی نہیں تھا ۔ لیکن حضرت عیسٰےؑ کے قتل کی جھوٹی افواہ اڑ گئی ۔ اور لوگوں میں شائع ہو گئی۔"

اس عبارت میں سے فِي الْاَمْرِ کو دیکھ کر پہلی توجیہ سے ملالیا ۔ اور ایک الگ عبارت بنا کر مفسرین علیہم الرحمۃ کے ذمّے لگانی چاہی ف واضح ہو کہ مولوی صاحب نے یہ عبارت بھی صفحہ ۱ میں نقل کی ہے ۔ اور اس میں یہ خیانت کی ہے کہ فِي الْاَمْرِ کی جگہ اِلَى الْاَمْرِ لکھ کر اپنے مطلب کے موافق معنے گھڑ لئے ہیں ۔ زیادہ اطمینان کے لئے تفسیر ارشاد العقل السلیم کا مطالعہ کریں: تاکہ آپ کو سمجھ آجائے کہ صحیح عبارت فِي الْاَمْرِ ہے نہ اِلَى الْاَمْرِ ۔ فَافْهَمْ مطلب اس عبارت کا پہلی عبارت کو ملا کر یہ ہے ۔ کہ یہود کے لئے مسیح علیہ السلام اور مقتول میں تشبیہ واقع ہو گئی یعنی ان کی نظر میں وہ مقتول مسیح نظر آیا[1] یا اس معاملے میں ان کے لئے تشبیہ واقع ہوئی ۔ او فی الامر کا عطف عبارت متقدمہ بَيْنَ عِيْسٰى وَالْمَقْتُوْلِ

---

[1] حاصل مطلب یہ ہے ۔ کہ یہود نے جس شخص کو صلیب پر چڑھا کر قتل کیا ۔ انہوں نے اس کی نسبت یہ گمان کیا ۔ کہ وہ حضرت مسیحؑ ہے ۔ حالانکہ وہ کوئی اور تھا ۔ منہ رسعادت الاقران۔

Marfat.com

پر ہے۔ گویا عبارت یوں ہے اَوْ وَقَعَ لَھُمُ التَّشْبِیْہُ فِی الْاَمْرِ الخ اور یہ عبارت بعطف تردیدی کوئی نئی ترکیب نہیں جیسا کہ مولوی صاحب نے خوش فہمی سے سمجھا ہے بلکہ شُبِّہَ کی جار مجرور کی طرف اسناد کرنے میں جو دوسرے معنے ہو سکتے تھے وہ ذکر کئے ہیں اور ان معنوں کے ضعف کی طرف بھی عَلٰی قَوْلِ مَنْ قَالَ سے اشارہ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو تفاسیر کے مطالعہ اور تدریس کی توفیق بخشی ہے۔ وہ خوب پہچانتے ہیں کہ یہ قول شاذ ہے۔ اور پھر بھی اس میں مسیح کی عدم مصلوبیت کی تصریح ہے۔ اور رفع جسمی کی نفی نہیں۔

مفسرین کا دوسرا قول شُبِّہَ کی اسناد کی نسبت وہ ہے جو پہلے امام رازیؒ اور قاضی بیضاویؒ کی تفاسیر سے گزر چکا ہے۔

ناظرین ان دونوں قولوں کو سامنے رکھ کر انصاف سے نظر کریں کہ دونوں ترکیبوں سے نتیجہ ایک ہی نکلتا ہے یا الگ الگ؟ اور وہ نتیجہ یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام کے سوا کوئی اور شخص مصلوب ہو کر مقتول ہوا۔ یہ سارا بیان مولوی صاحب کی جرح پر ردّ ہے۔ جو ضمناً کیا گیا:۔

مفسرین کی یہ ترکیب کہ شُبِّہَ کی اسناد ضمیر مقتول کی طرف ہے نہایت ٹھیک اور قواعد لسان کے بالکل مطابق ہے۔

لِمَا قَالَ ابْنُ ھِشَامٍ مُعْزِیًا اِلٰی ابْنِ مَالِکٍ اِنَّہٗ لٰکِنْ غَیْرُ عَاطِفَۃٍ وَّالْوَاوُ عَاطِفَۃٌ بِجُمْلَۃٍ حُذِفَ بَعْضُھَا عَلٰی جُمْلَۃٍ صُرِّحَ بِجَمِیْعِھَا قَالَ فَالتَّقْدِیْرُ فِیْ نَحْوِ مَا قَامَ زَیْدٌ وَّلٰکِنْ عَمْرٌو وَّلٰکِنْ قَامَ عَمْرٌو وَّفِیْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَلٰکِنْ کَانَ رَسُوْلَ اللّٰہِ۔	چنانچہ امام ابن ہشام نحوی نے ابن مالک نحوی کی طرف نسبت کر کے کہا کہ ولکن میں لکن غیر عاطفہ ہوتا ہے۔ اور واؤ ایسے جملہ کو جس میں سے کچھ محذوف ہو ایسے جملہ پر جو پورا مصرح ہے۔ عطف کرتی ہے۔ پس مثال ما قام زید الخ میں تقدیر یہ ہے۔ ولکن قام عمرو اور آیت

Marfat.com

(مغنی صـ جلد دوم) وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ میں تقدیر عبارت یوں ہے
وَلٰكِنْ كَانَ رَسُوْلَ اللّٰهِ۔

مولوی صاحب بیچارے علم نحو میں ایسے کم فہم ہیں کہ کسی کتاب کی عبارت نقل کرتے وقت امر مقصود اور غیر مقصود میں بھی تمیز نہیں کر سکتے۔ لٰکِنَّ مُشَدَّدَةُ النُّوْن کا قاعدہ لکھا اور چونکہ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ میں لٰكِنْ مُخَفَّفَةُ النُّوْن مع الواو تھا۔ اس لئے اعتراض سے بچنے کے لئے ایک عبارت کے پیچھے اتنا دُنبالہ اور لگا دیا۔ یجوز معها ای لکن مشددة او مخففة الواو وھی اما لعطف جملة علی جملة واما اعتراضیة لہ اور اس دنبالہ نے آپ کی سخت تفضیح کی۔ کیونکہ لکن پر واو کے داخل ہونے میں تو کوئی خلاف و نزاع نہیں۔ نزاع تو اس میں ہے کہ جس لکن مخففة النون پر واو داخل ہو اس کا حکم کیا ہے؟ آپ اتنا تو سوچ لیتے کہ جب آیت میں لکن مخففة النون مع واو کے ہے تو اس کا بھی کسی کتاب سے قاعدہ دیکھ لیں۔ مبادا اس میں خصم کے مذہب کی کوئی تائید ہو اور پھر ندامت اُٹھانی پڑے۔ اور مزید برآں نہایت جرأت سے مولوی صاحب نے آیت سورہ احزاب وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ کی ترکیب لکھ دی۔ اور خیال نہ فرمایا کہ ائمہ نحو نے اس کی ترکیب کس طرح کی ہے؟ شاید یہ ترکیب خصم کے مذہب کی مؤید ہو۔ مولوی صاحب! اب تو خوب دیکھ لیا یا نہیں؟ کہ جس طرح ما قام زید ولکن عمرو میں قام محذوف ہے۔ اور آیت وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ میں کان محذوف ہے۔ اور کان اور قام وہی افعال ہیں جو پہلے جملوں میں نفیاً مذکور ہیں اسی طرح مَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ میں تقدیر عبارت یوں ہے۔ وَلٰكِنْ قَتَلُوْا وَصَلَبُوْا مَنْ شُبِّهَ لَهُمْ " لیکن انہوں نے اس شخص کو قتل کیا۔ اور صلیب پر چڑھایا۔ جو ان کے لئے مسیح کے مشابہ بنایا گیا تھا"

تفسیر کشاف جو قرآن شریف کی عربیت اور فصاحت و بلاغت کے ذکر کرنے میں سب تفسیروں کی اُستاد ہے۔ اس میں یوں لکھا ہے:۔

وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَمَنْ قَتَلُوْهُ لیکن شبیہ بنایا گیا واسطے ان کے جس کو قتل کیا انہوں نے

اور یہی الفاظ بعینہا تفسیر مدارک میں بھی ہیں اور تفسیر رحمانی جو نکات و معارف قرآنیہ میں لاثانی ہے۔ اس میں لکھا ہے:۔

وَلٰكِنْ قَتَلُوْا وَصَلَبُوْا مَنْ اُلْقِيَ عَلَيْهِ شِبْهُهٗ لیکن انہوں نے اس کو قتل کیا اور صلیب دی جس پر مسیح کی شباہت ڈالی گئی تھی"۔

اس قاعدے کی دوسری مثال

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ (پ ۳ آل عمران ۴) (۳: ۷۹) کسی بشر کو جسے خدا کتاب اور فہم شریعت اور نبوت عطا کرے لائق نہیں کہ وہ لوگوں سے یہ کہے کہ خدا کے سوائے میرے بندے بن جاؤ لیکن یہ کہتے ہیں کہ رب کے بندے بنو۔

اس میں تقدیر عبارت یوں ہے وَلٰكِنْ يَّقُوْلُ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ۔ اسی طرح اس قاعدے کی مثالیں قرآن و حدیث و کتب ادب میں بکثرت ہیں۔ دیکھو تفسیر جلالین[1] و جامع البیان[2]۔ بیضاوی[3]۔ مدارک[4]۔ خازن[5]۔ سراج منیر[6]۔ کبیر[7]۔ ابوالسعود[8]۔ رحمانی[9]۔ کشاف[10]۔ فتح البیان[11]۔ ابن کثیر[12]

اب آپ برائے خدا اپنی ہی پیش کردہ آیت سورہ احزاب کی مثال سے اس آیت کو سمجھیں، اور امام ابن مالک اور ابن ہشام اور علامہ نسفی اور علامہ علی مہائمی اور فارسِ میدانِ فصاحت علامہ جار اللہ زمخشری کی ترکیب کو تسلیم کرکے حزب اللہ میں داخل ہو جائیں، اور قادیانی کے عقائد سے جلد توبہ کرکے اس کے مکائد سے بچ جائیں۔ کیونکہ آیت سورہ احزاب ختم نبوت و رسالت پر نص قطعی ہے۔ اور قادیانی مدعی رسالت ہے اور آپ اس کی رسالت کا اقرار کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ کی نظم دلچسپ میں سے ایک شعر پیش کیا جاتا ہے

ہے مقتداء امام و رسولِ خدا ہے وہ!
صادق ہے اور امین ہے عالی خطاب ہے[13]

---

[13] مولوی محمد علی صاحب ایم اے لاہوری نے اس قاعدہ کا انکار کیا ہے چونکہ وہ عربی زبان سے نابلد ہیں اس لئے ان کا انکار غیر معتبر

مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ رسالہ "جواب باصواب" کے باقی بعض قابلِ اعتراض مقامات پر بھی بنظرِ تحقیق نقض کیا جائے۔ اور مجیب صاحب کو جتلا دیا جائے کہ ان کا فخریہ مصرعہ "اس کا ہر ایک نکتہ نگرلا جواب ہے" کہاں تک درست اور بجا ہے

قولہ ص۱۹ اُن کے اپنے اقرار سے ثابت ہوگیا کہ صلیب پر ضرور کوئی ایسا شخص چڑھایا گیا ہے۔ جس کے ناک۔ کان۔ آنکھ وغیرہ تمام اعضا مسیح کے اعضاء کے مشابہ تھے۔ گویا ہو بہو وہی تھا۔ انتہیٰ۔

اقول۔ اس نامعقول قول سے روزِ روشن کی طرح ظاہر ہوگیا کہ مجیب صاحب کا دماغ سمجھ سے خالی ہے۔ کیونکہ مشابہت صوری سے اتحادِ ذوات لازم نہیں آتا جیسے کہ حضرت مریمؑ کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام کے بصورت بشری آنے کی نسبت اللہ تعالےٰ نے فرمایا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا (مریم پ۱۶) یعنی پس وہ (جبرئیلؑ) اس (مریمؑ) کے پاس پورے (توانا) بشر کی شکل میں آیا پھر حضرت جبرئیلؑ کا جواب ذکر کیا: اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ یعنی میں تو تیرے رب کا فرشتہ ہوں" اس سے ظاہر ہوگیا کہ باوجود بشری صورت میں ہونے کے حقیقتِ ملکیّت اُن سے منتزع نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ فرشتے کے فرشتے ہی تھے۔ اسی طرح جو شخص حضرت مسیح کا ہم شکل بنایا گیا تھا۔ اس کی ذات اور حقیقت وہی رہی تھی۔ جو شباہت پڑنے سے پیشتر تھی۔ گو حضرت مسیح کی صورت اس پر ڈال دی گئی تھی۔ اس کے نظائر و امثال کتبِ حدیث و واقعات اولیائے عظام میں بکثرت ہیں۔ اور اصطلاح

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) حیرانی ہے کہ مولوی مبارک علی صاحب نے یہ شعر مرزا صاحب کی زندگی میں لکھا اور ان کی زندگی بھر اس پر قائم رہے۔ پھر مولوی نورالدین صاحب کی خلافت کے زمانہ میں بھی اس پر قائم رہے لیکن لاہوری پارٹی قادیان دارالامان سے بدر کیگئی۔ اور انہوں نے لاہور میں اپنا الگ شاخسانہ بنایا۔ اور مولوی مبارک علی صاحب ان کے ہاں مدرسہ میں ملازم ہوگئے۔ تو محمد علی صاحب ایم۔ اے کی موافقت میں جو عربی زبان سے ناواقف ہیں۔ قادیانی رسالت سے تائب ہوگئے۔ اور اپنا شعر بھی بھول گئے۔ اور اسی حالت میں طاعون سے مرگئے۔ ۱۲ منہ۔

Marfat.com

صوفیائے کرام میں اسے خلع کہتے ہیں۔ مثلاً حضرت جبریل علیہ السلام کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بار ہا بصورت بشری[1] آنا صحیح بخاری۔ صحیح مسلم اور سنن نسائی وغیرہ کتب حدیث میں مصرح ہے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کے پاس جو فرشتے بصورت بشری آئے تھے۔ ان کا ذکر بھی قرآن شریف میں متعدد مقامات میں مذکور ہے۔ چنانچہ سورہ ہود میں اُن سے حکایت کی کہ انہوں نے کہا یا لوط انا رسل ربک اے لوط! ہم تیرے رب کے فرشتے ہیں۔ اس بیان و تفصیل سے صاف معلوم ہوگیا۔ کہ القائے شبہ سے ذات ملقی علیہ متغیر نہیں ہو جاتی۔ بلکہ حقیقت بر حال قائم رہتی ہے۔ کیونکہ حلیہ اور شکل مثل لباس کے عوارض میں سے ہے داخل حقیقت نہیں۔ فافھم ولا تکن من القاصرین،

قولہ۔ دنیا کی دو کثیر التعداد قومیں یہود و نصاریٰ نے تواتر قومی کے طور پر اس بات پر اتفاق رکھتی ہیں کہ مسیح کو صلیب پر ضرور لٹکایا گیا۔

اقول۔ جناب! یہود کے قول کو تو اللہ عزیز ذوانتقام نے وما قتلوہ وما صلبوہ سے باطل کردیا۔ اور انہیں اس قول زور کے سبب ملعون قرار دیا۔ اور آپ ابھی تک ان کے تواتر پر اترا رہے ہیں۔ اور نصاریٰ کے مذہبی اختلافات کی بابت آپ کو کیا معلوم ہے۔ یہ کس جاہل سے سیکھا تھا کہ نصاریٰ مسیح کے مصلوب ہونے پر اتفاق رکھتے ہیں۔ آپ ان کی کتب خلافیات کا مطالعہ کریں۔ پھر آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ نصاریٰ کے قدیم فرقے یہی اعتقاد رکھتے تھے۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام مصلوب نہیں ہوئے۔ بلکہ ایک اور شخص صلیب پر لٹکایا گیا تھا۔ جس پر حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی شکل ڈالی گئی تھی[2]۔ چنانچہ جارج سیل صاحب

---

[1] خصوصاً آنحضرت صلعم کے اصحاب میں سے حضرت دحیہ کلبی کی شکل میں آنا۔ ۱۲ منہ

[2] حضرت عیسیٰ کا مصلوب ہونا تو پولوس نے گھڑا جس نے منافقت سے آپ کا دین بگاڑا۔ دیکھو۔ اس کے خطوط رومیوں۔ قرنتیوں وغیرہ کے نام۔ پھر اس پر کفارہ کی بنیاد ڈالی۔ ۱۲ منہ۔ سعادت۔

قرآن شریف کے ترجمہ انگریزی میں بذیل آیت وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ جو لکھتے ہیں۔ وہ ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔ ناظرین انصاف سے غور کریں اور رائے دیں۔ کہ کیا حضرت روح اللہ علیہ السلام کا مصلوب ہونا عیسائیوں کا اتفاقی اعتقاد ہے؟

خلاصہ مطلب عبارت انگریزی جارج سیل صاحب

یہود کے خلاف اللہ تعالےٰ کا یہ مکر تھا کہ عیسےٰ علیہ السلام کو آسمان پر اُٹھا لیا۔ اور آپ کی شباہت ایک اور شخص پر ڈال دی۔ جو آپ کی بجائے گرفتار کر کے صلیب دیا گیا۔ یہ مسلمانوں کا متواتر مسئلہ ہے۔ بعض (عیسائی) لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ قصہ القاء شباہت کا (معاذ اللہ) محمد رسول اللہ صلعم کی اپنی اختراع ہے۔ مگر وہ لوگ یقیناً غلطی پر ہیں۔ کیونکہ پیغمبر صاحب کے زمانے سے بہت مدت پہلے عیسائیوں کے بہت سے فرقوں کا یہی اعتقاد تھا۔ چنانچہ فرقہ بےسی لی ڈےین جو عیسائیت کے نہایت شروع میں تھا۔ مسیح علیہ السلام کے مصلوب ہونے سے انکار کرتا تھا۔ اور ان کا اعتقاد یہ تھا۔ کہ سائمن آپ کی جگہ صلیب پر لٹکایا گیا تھا ایسے ہی فرقہ سیرنتھین جو ان سے بھی پیشتر تھا۔ اور کارپاکریٹین جو مسیح علیہ السلام کو صرف انسان ہی مانتے ہیں۔ ان کا بھی یہی اعتقاد تھا۔ کہ مسیح علیہ السلام مصلوب نہیں ہوئے۔ بلکہ آپ کے حواریوں میں سے ایک شخص کو جو آپ کا ہم شکل تھا صلیب دیا گیا۔ مصنف، فوٹیس کہتا ہے۔ کہ میں نے ایک کتاب بنام رسولوں کے سفرنامے پڑھی۔ جس میں پطرس۔ یوحنا۔ اندریاس۔ طامس اور پولوس کے اعمال مندرج تھے۔ اور منجملہ دیگر امور کے ایک امر یہ بھی تھا۔ کہ مسیح علیہ السلام مصلوب نہیں ہوئے۔ بلکہ آپ کی بجائے کوئی اور شخص صلیب دیا گیا تھا اور اس لئے حضرت مسیح ان لوگوں پر ہنسے۔ جنہوں نے اپنے زعم میں آپ کو صلیب پر چڑھایا تھا؟

Marfat.com

اس کے بعد سیل صاحب نے انجیل برناس کی عبارت نقل کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب یہود بے بہبود حضرت مسیح علیہ السلام کو پکڑنے کے لئے جا رہے تھے۔ آپ بوساطت چار فرشتگان حضرت جبرئیل۔ میکائیل۔ اسرافیل۔ اور یوریل تیسرے آسمان پر اُٹھائے گئے۔ کہ آپ آخر دنیا تک نہ مرینگے اور آپ کی بجائے یہوذہ اسکریوطی صلیب دیا گیا۔ اللہ تعالےٰ نے اس مکار کو یہود کی نظروں میں حضرت مسیح کا ایسا ہم شکل کر دیا۔ کہ یہود اس کو پکڑ کر پلاطوس کے پاس لے گئے۔ یہ مشابہت صوری ایسی عجیب تھی۔ کہ اس سے حضرت مریمؑ اور حواری بھی بھول گئے۔ مگر حضرت مسیحؑ اللہ تعالےٰ سے اجازت لیکر ان کو تسلی دینے کے لئے پھر نازل ہوئے۔ اس پر برنباس جو عیسےٰ علیہ السلام کا ایک حواری تھا۔ اُس نے آپ سے پوچھا کہ آپ نے ہم کو اور اپنی والدہ ماجدہ کو کیوں غم اور تکلیف میں رکھا۔ کہ آپ ایسی بُری موت سے مرے۔ گو یہ تھوڑی دیر کے لئے تھی۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے اس پر یہ جواب دیا۔ کہ اے برنباس۔ سچ جانیو! کہ گناہ خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا ہو۔ اللہ تعالےٰ کے نزدیک سخت سزا کے لائق ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ گناہ سے ناراض ہے۔ میری والدہ ماجدہ اور مومن حواریوں نے مجھے نفسانی پیار کی آمیزش سے محبت کی۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے اُن کو اس موجودہ غم سے سزا دی۔ تاکہ ان کو پھر دوزخ کی سزا نہ ہو اور میری تو یہ بات ہے کہ اگرچہ میں دنیا میں بے عیب رہا ہوں۔ مگر چونکہ اور لوگوں نے مجھے خدا اور خدا کا بیٹا کہا۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے کہ میں قیامت کے دن شیطانوں سے مضحکہ نہ کیا جاؤں۔ یہودہ اسکریوطی کی موت سے مجھ پر یہ مضحکہ کرا دیا کہ مسیحؑ صلیب پر مارا گیا۔ اور دیکھو یہ مضحکہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے تک رہے گا۔ وہ دنیا میں آکر ہر اس شخص کو اس غلطی سے نکالیں گے جو اللہ تعالےٰ کی شریعت کا متبع ہو گا۔ انتہےٰ۔

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ مسیح علیہ السلام کی عدم مصلوبیت کا

Marfat.com

اعتقاد نصاریٰ کے قدیم فرقوں میں مُسلّم تھا۔ اور ان کی قدیم تصانیف بھی اس امر کی شہادت دیتی ہیں اگرچہ وہ کسی غرض سے ان کو مخفی رکھیں۔ مگر بحکم شعر

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد
خمیرِ مایۂ دکانِ شیشہ گر سنگ است

اور بفحوائے حدیث صحیح مسلم

اِنَّ اللّٰہَ یُؤَیِّدُ ھٰذَا الدِّیْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ — خدا اس دین اسلام کی مدد فاجر آدمی سے بھی کرا لیتا ہے - ۱۲

اللہ تعالےٰ نے اعداءِ اسلام سے بھی اسلام کی تائید کرائی۔ جس طرح کہ موسیٰ علیہ السلام کی تربیت فرعون کے گھر میں کرائی۔

انجیل برنباس کے متعلق ایک اور نکتہ ہے۔ کہ مرزا صاحب قادیانی دعویٰ مسیحیت سے پیشتر عیسائیوں کے مقابلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کے ثابت کرنے میں اسی انجیل برنباس سے انہیں ملزم کیا کرتے تھے۔ اب اُن کے اپنے ہی الزام سے ہم ان کو ملزم کرتے ہیں۔ کہ یہ عبارت جو وہ عیسائیوں کو سناتے تھے۔ خود پڑھیں۔ وَلَنِعْمَ مَا قَالَ الشِّیْرَازِیُّ عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ ع "یہ بند و طمع دیدۂ ہوشمند۔" مرزا صاحب قادیانی نے اپنی مسیحیت کے لئے رسول اللہ صلعم کے اثبات نبوت کو بھی جھٹلا دیا۔ قَاتَلَھُمُ اللّٰہُ اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ۔ خدا ان کو غارت کرے کدھر بھٹکتے پھرتے ہیں۔"

قولہ بحکم احالۃ العادۃ تواطئھم علی الکذب۔ عادۃً ان کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا محال ہو"

اقول۔ جناب مولوی صاحب! آپ کتب درسیہ کے سمجھنے کی استعداد نہیں رکھتے۔ لہٰذا نقل عبارات سے اپنی تفضیح نہ کرایا کریں۔ شرح نخبہ میں سے یہ عبارت تو دیکھ لی۔ مگر تواتر کے افادہ یقین کی شروط کے لئے اگلے صفحہ کو اُلٹ کر نہ دیکھا۔ اگر تواتر کا مدار صرف کثرت پر ہے۔ تو افواہ اور اخبار بے سروپا

Marfat.com

کس کا نام ہے؟ پھر تو آپ کے نزدیک عوام ہندوؤں کا یہ قول کہ راون کے دس سر تھے۔ اور ہنومان نے پہاڑ اٹھا لیا۔ اور ایسے ایسے خزعبلات جو ان میں ذائع و شائع ہیں سب متواترات میں سے ہوں گے۔ کیونکہ ان امور کو ہزاروں لوگ روایت کرتے چلے آئے ہیں۔ جناب من! تواتر کے افادۂ یقین کے لئے ایک یہ شرط ہے کہ منتہا۔ اس کا حس ہو، دیکھئے۔ شرح نخبہ کے اگلے صفحہ پر ہے:۔

فَاِذَا جَمَعَ هٰذِهِ الشُّرُوْطَ الْاَرْبَعَةَ وَهِيَ عَدَدٌ كَثِيْرٌ اَحَالَتِ الْعَادَةُ تَوَاطُئَهُمْ وَتَوَافُقَهُمْ عَلَى الْكَذِبِ وَرَوَوْا ذَالِكَ عَنْ مِثْلِهِمْ مِنَ الْاِبْتِدَاءِ اِلَى الْاِنْتِهَاءِ وَكَانَ مُسْتَنَدُ اِنْتِهَائِهِمُ الْحِسَّ وَانْضَافَ اِلٰى ذَالِكَ اَنْ يَصْحَبَ خَبَرُهُمْ اِفَادَةَ الْعِلْمِ لِسَامِعِهِ فَهٰذَا هُوَ الْمُتَوَاتِرُ۔

(ص مطبوعہ دہلی ۱۹۱۴ء)

پس جب یہ چاروں شرطیں پوری ہو جائیں۔ (۱) یہ کہ اتنی بڑی جماعت روایت کرے۔ کہ عادت کی رو سے ان کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا محال سمجھا جائے۔ (۲) یہ کہ ابتداء سے انتہاء تک سارا سلسلہ عادل ضابط راویوں کا ہو۔ (۳) یہ کہ ان کے انتہا کی استناد امر حسی پر ہو (۴) یہ کہ ان کا خبر دینا سامع کو یقین کا فائدہ دیوے تو اسے متواتر کہتے ہیں۔

اور اسی طرح علامہ سخاوی نے **فتح المغیث** میں بعد ذکر دیگر شروط کے فرمایا:۔

هٰذَا كُلُّهُ مَعَ كَوْنِ مُسْتَنَدِ اِنْتِهَائِهِمُ الْحِسَّ مِنْ مُشَاهَدَةٍ اَوْ سَمَاعٍ لِاَنَّ مَا لَا يَكُوْنُ كَذَالِكَ يَحْتَمِلُ دُخُوْلَ الْغَلَطِ فِيْهِ

یہ سب باتیں تب معتبر ہیں کہ اس خبر کا انتہاء حس ہو یعنی اگر مشاہدہ کے متعلق ہے تو مشاہدہ ہو اور اگر سماع کے متعلق ہے تو سماع ہو۔ کیونکہ جو اس طرح پر نہ ہو اس میں غلطی کے داخل ہو جانے کا احتمال ہو سکتا ہے

پس اگر آپ عقیدہ مردودہ صلیبیہ کے زعمی تواتر کو حسب ہدایات عبارات مذکورہ

Marfat.com

تحقیق کریں گے۔ تو آپ کو صاف معلوم ہو جائے گا۔ کہ حضرت روح اللہ کی نسبت یہود و نصاریٰ کا قولِ صلیب بالکل غلط اور مردود ہے۔ پس اس وقت آپ پر یہ آیت پڑھنی ٹھیک پھبیگی۔

فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ — پس ہم نے تیرا پردہ کھول دیا ہے۔ پس آج تیری نظر تیز ہو گئی ہے۔ (ق : پ۲۶) (۵۰ : ۲۲)

شرح عقائد نسفی میں اس امر کی تصریح ہے کہ مصلوبیتِ حضرت مسیحؑ کا تواتر ممنوع ہے[1]

قولہ:۔ "مسیح تو کیا مسیح سے بھی عالی درجت انبیاء آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خدام کی منزلت نہیں رکھتے"۔ اور نیز کہا "مسیح تو ایک معمولی انسان ہے۔ اور اس قابل بھی نہیں کہ آنحضرتؐ کے خدام کی برابری کر سکے"۔

اقول۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے امتی غایت ما فی الباب ولایت کے کسی اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ پر پہنچ سکتے ہیں۔ نبی نہیں ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ آیت وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ مانع ہے۔ اور ولی کو نبی پر فضیلت دینی اہل سنت کے نزدیک کفر و ضلالت ہے۔ نبی اللہ متبوع و مطاع ہوتا ہے۔ اور امتی تابع و مطیع۔ تابع متبوع سے کس طرح بڑھ سکتا ہے؟ اور مطیع مطاع سے کیسے افضل ہو سکتا ہے؟ مجیب صاحب علم اسلامی سے ایسے بے خبر ہیں کہ اہلِ سنت کے مشہور عقائد بھی آپ کو معلوم نہیں قصیدہ آمالی میں ہے۔ ؎

وَلَمْ يَفْضُلْ وَلِيٌّ قَطُّ دَهْرًا نَبِيًّا أَوْ رَسُولًا فِي انْتِحَالِ

یعنی ولی کبھی بھی کسی نبی یا رسول سے افضل نہیں ہو سکتا"۔

---

[1] کیونکہ صدر اوّل میں اس کی بابت چشم دید شہادت دینے والا ایک شخص بھی نہیں بلکہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی گرفتاری کے وقت آپ کے سب حواری بھاگ گئے تھے۔ ملاحظہ ہو انجیل متی ۲۶ : ۵۶۔ اور انجیل مرقس ۱۴ : ۴۹۔ پس جبکہ واقعہ میں واقعہ کا گواہ ہی کوئی نہیں تو زمانہ مابعد کی کثرت کسی کام کی نہ رہی ۔ ۱۲ منہ سعادت۔

اور ملا علی قاریؒ اس کی شرح میں فرماتے ہیں :-

وَذٰلِكَ لِاَنَّ الْوَلِيَّ تَابِعٌ لِلنَّبِيِّ وَلَا يَكُوْنُ التَّابِعُ بِاَعْلٰى مَرْتَبَةٍ مِّنَ الْمَتْبُوْعِ وَلِاَنَّ النَّبِيَّ مَعْصُوْمٌ مَامُوْنُ الْعَاقِبَةِ وَالْوَلِيَّ يَجِبُ اَنْ يَكُوْنَ خَائِفًا عَنِ الْخَاتِمَةِ وَلِاَنَّ النَّبِيَّ مُكَرَّمٌ بِالْوَحْيِ وَمُشَاهَدَةِ الْمَلَائِكَةِ الْكِرَامِ وَالرَّسُوْلُ مَامُوْرٌ بِتَبْلِيْغِ الْاَحْكَامِ وَاِرْشَادِ الْاَنَامِ بَعْدَ اِتِّصَافِهٖ بِكَمَالَاتِ الْوَلِيِّ فِي الْمَقَامَاتِ الْفِخَامِ فَمَا نُقِلَ عَنْ بَعْضِ الْكَرَّامِيَّةِ مِنْ جَوَازِ كَوْنِ الْوَلِيِّ اَفْضَلَ مِنَ النَّبِيِّ **كُفْرٌ وَّضَلَالَةٌ** وَعِبَارَةُ النَّسَفِيِّ فِيْ عَقَائِدِهٖ وَلَا يَبْلُغُ وَلِيٌّ دَرَجَةَ الْاَنْبِيَاءِ اَوْلٰى مِنْ عِبَارَةِ النَّاظِمِ لِاِفَادَتِهَا نَفْيَ الْمُسَاوَاتِ اَيْضًا انتهى -

اس کا سبب یہ ہے کہ ولی نبی کے تابع ہوتا ہے۔ اور کوئی پیرو اپنے پیشوا سے افضل رتبہ پر نہیں ہو سکتا۔ نیز اس لئے کہ نبی معصوم ہے۔ اور خاتمہ سے امن میں ہے۔ اور ولی کے لئے ضروری ہے کہ خاتمہ سے ڈرتا رہے نیز اس لئے کہ نبی وحی سے اور ملائکہ مقربین کے مشاہدے سے مشرف ہوتا ہے۔ اور رسول احکام الٰہی کی تبلیغ اور خلقت کے ارشاد کا مامور ہوتا ہے۔ بعد ازاں کہ ولی کے کمالات سے بھی نہایت عالی مقامات پر موصوف ہو۔ پس بعض کرامیہ سے جو نقل کیا گیا ہے۔ کہ جائز ہے کہ کوئی ولی کسی نبی سے افضل ہو سو کفر اور ضلالت ہے اور امام نسفی کی یہ عبارت کہ "کوئی ولی انبیاء کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا" اس ناظم کی عبارت سے اولیٰ ہے کیونکہ اس میں مساوات کی بھی نفی کا فائدہ ہے۔"

اسی طرح تمہید ابی الشکور سالمی میں ہے۔

قَالَ اَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ اِنَّ النَّبِيَّ اَفْضَلُ مِنْ وَلِيٍّ وَاِنْ كَانَتْ دَرَجَتُهٗ اَدْوَنَ مِنْ دَرَجَاتِ النُّبُوَّةِ وَقَالَ

اہل سنت والجماعت کا قول یہ ہے۔ کہ ہر نبی ہر ولی سے افضل ہوتا ہے خواہ وہ نبی درجات نبوت سے

Marfat.com

الْمُتَقَشِّفَةُ مِنَ الْكَرَامِيَّةِ اِنَّهٗ يَجُوْزُ اَنْ يَكُوْنَ الْوَلِيُّ اَفْضَلَ مِنَ النَّبِيِّ وَهٰذَا كُفْرٌ ۔ انتہیٰ

کسی ادنیٰ درجے پر ہو اور کرامیہ میں سے متقشفہ کہتے ہیں ۔ کہ ولی کا نبیؐ سے افضل ہونا جائز ہے اور یہ کفر ہے "

اسی طرح دیگر کتب عقائد میں بھی مذکور ہے ۔ پس مولوی صاحب کا اس کے خلاف لکھنا اُن کی جہالت اور ضعفِ ایمان پر دلیل بیّن ہے ۔

قولہ صث اگر وہ بقول مشتہر صاحب صلیب پر چڑھا ہی نہیں گئے تو پھر مکر کونسا ہوا ۔ جس کو خدا تعالےٰ نے اپنی کتاب عزیز میں ان کی طرف منسوب کیا ہے کیا اللہ تعالےٰ نے بلا وقوع کسی امر کے اس کا وقوع ان کی طرف منسوب کر دیا ہے ؟"

اقول ع سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست ۔ یہ امر بھی مجیب صاحب کی بے لیاقتی ظاہر کر رہا ہے ۔ کیونکہ مکر کہتے ہیں تدبیر محکم کو ۔ جیسا کہ پہلے ثابت ہو چکا ہے یہود نے حضرت روح اللہ کو صلیب پر چڑھانے کی صرف تدبیر ہی کی تھی ۔ سو اللہ تعالےٰ نے اس ارادہ بد کو ان کی طرف منسوب کیا اور جس شخص کو علوم درسیہ میں ادنےٰ سی ممارست بھی ہے ۔ وہ خوب جانتا ہے ۔ کہ ارادہ انسانی کو وقوعِ فعل لازم نہیں پس یہ ضرور نہیں ۔ کہ جب تک فعل صلب کا وقوع نہ ہو تب تک یہود کی طرف ارادہ و تدبیر ایصال شر منسوب نہ کر سکیں ۔ فافہم ۔

مجیب صاحب اگر اپنی ہی عبارات کو محفوظ رکھتے ۔ تو ایسی **فاش خطا اور ڈبل غلطی** نہ کرتے ۔ چنانچہ آپ اسی صفحہ کی سطر دوم میں فرماتے ہیں ۔ کہ یہود نے ایک منصوبہ بنایا " اور تیسری سطر میں " چاہا " لکھتے ہیں ۔ اور سطر ششم میں پھر منصوبہ تحریر کرتے ہیں ۔ آپ غور کریں اور انصاف سے کہیں کہ کیا منصوبہ بنانے اور چاہنے کے یہی معنی ہوا کرتے ہیں ۔ کہ وہ امر بالضرور بالضرور واقع بھی ہو جائے ۔

جناب من ! ارادہ امر دیگر ہے اور صدور فعل امر دیگر ۔

قولہ صلا لیکن دعوے کی تکذیب نہیں کی ۔"

اقول حضرت ! اس آیت اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ

Marfat.com

اَفَقْفَالُهَا۔ تو کیا یہ لوگ قرآن کو تدبر سے نہیں پڑھتے یا ان کے دلوں پر تالے لگ گئے ہیں" کے مصداق بھی تو پائے جانے چاہئیں۔ اگر آپ کو یہود کے دعوے قتلِ مسیحؑ کی تردید و تکذیب معلوم نہیں ہوتی۔ تو اس میں قصور کس کا ہے؟

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم   چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

اللہ تعالےٰ نے یہود کی لافِ قتلِ مسیح کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللّٰهِ) پ نساء)	ہم نے ضرور عیسےٰ مسیح بن مریم رسول اللہ کو قتل کر ڈالا ہے" (۴ : ۱۵۷)

اس میں دو امر ملحوظ ہیں۔ اوّل دعوے قتلِ مسیحؑ کو بطور مفاخرت ذکر کرنا۔ کیونکہ نفسِ قتل امرِ فخر نہیں تھا۔ بلکہ ان کے زعم میں قتل محل خاص میں واقع ہوا اس لئے مفعول یعنی المسیح کو موصوف ذکر کیا۔ اور یہی مفاخرت یہود اس امر کی مؤید ہے۔ کہ مَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ میں نفی قتل و صلب کو مقصور علی المفعول کیا جائے۔ دوم لفظ اِنَّا سے اس زعم پر یہود کا جزم۔ سو اللہ تبارک و تعالےٰ نے اس امر اوّل کی تکذیب و تردید مَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ سے کردی۔ اور ان کے فخر کو خاک میں ملا دیا۔ اور امر دوم یعنی ان کے جزم کا ابطال وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا سے فرما دیا۔ اور حقیقت امر کو وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ اور بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ سے کھول دیا۔ کہ کوئی اور شخص مصلوب ہو کر مارا گیا۔ اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ نے آسمان پر اٹھا لیا؛ سُبْحَانَ اللّٰهِ مَا اَحْكَمَ كَلَامَهٗ۔

دوسری وجہ جس سے آیت وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللّٰهِ یعنی اور ان کے اس قول کے سبب بھی (ہم نے اُن پر لعنت کی)، کہ اُنہوں نے کہا۔ کہ ہم نے ضرور مسیح عیسیٰ بن مریم رسول اللہ کو قتل کر ڈالا" عقیدہ ملعونہ صلیبیہ کی تردید کرتی ہے۔ یہ ہے کہ جن جرائم کے سبب اللہ تعالےٰ جبار قہار نے یہود پر لعنت کی منجملہ ان کے ان کا قول بہ قتل و صلب مسیحؑ ہے۔ ان جرائم میں سے بعض تو محض اقوال ہیں اور بعض

ف اکمل صاحب اس پر کہتے ہیں "یہ مطلب آپ نے کہاں سے بنا لیا؟ مکا (باقی بر صفحہ آئندہ)

افعال جیسا کہ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيثَاقَهُمْ سے وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا تک غور کرنے سے واضح ہوتا ہے۔ افعال یہ ہیں۔ اول نقضِ میثاق کیونکہ خلافِ میثاق فعل سے صادر ہوتا ہے۔ دوم کفر بآیات اللہ کیونکہ یہ فعل تحریف کلمات اللہ وقتلِ انبیاء واخذ رشوت وسود جیسے افعال قبیحہ کی طرف کھینچنے والا ہوا۔ سوم قتلِ انبیاء۔ یہ اگرچہ کفرہی کا نتیجہ ہے۔ مگر چونکہ باصلہ ایک مستقل کفر ہے اس لئے علیحدہ ذکر کیا گیا۔ اور اقوال یہ ہیں۔ اول ان کا قُلُوبُنَا غُلْفٌ کہنا۔ دوم حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے بے پدر پیدا ہونے پر قدرتِ نادرعزیز سے انکار کرنا اور چونکہ ان کا کفر دو زمانوں میں ہوا۔ اول قبل بعث عیسےٰؑ۔ پھر بعد آپ کی ولادت اور بعثت کے۔ اس لئے کفر کو مکرر ذکر کیا۔ اور اسی نکتہ کے لئے اعادہ جار بھی کیا۔ سوم مریم صفیۃ اللہ علیہا السلام پر بہتان لگانا۔ چہارم ان کا یہ کہنا کہ ہم نے حضرت مسیح علیہ السلام کو مار ڈالا ہے۔

ناظرین قرآن کریم کی فصاحت اور حسن بیان پر غور کریں۔ کہ اللہ تعالےٰ نے ان کے اقوال وافعال میں کس طرح فرق کیا ہے۔ جملہ افعال کو نسبت صدوری وقوعی سے ذکر کیا۔ کہ بیشک ان سے یہ افعال قبیحہ سرزد ہوئے۔ کَمَا يَشْهَدُ بِذَالِكَ طَرِيقُ الْبَيَانِ جیسا کہ طریق بیان اس کی شہادت دیتا ہے۔ اور جملہ اقوال کو مردود و مکذوب فرمایا۔ چنانچہ قَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌ کو بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ سے رد کیا۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت باسعادت کے بارے میں جو اقوال مردودہ آپ پر اور حضرت صفیۃ اللہ پر کہے تھے ان کو لفظ بہتان سے اور نیز إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللّٰهِ كَمَثَلِ آدَمَ بیشک عیسیٰؑ کا معاملہ خدا کے نزدیک آدم کی طرح ہے) سے اور نیز قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللّٰهِ (مریم پ ۱۶)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) جواب۔ مَا قَتَلُوهُ کے بعد مَا صَلَبُوهُ سے۔ یعنی قتل کی نفی کے بعد صلب کی نفی کرنے سے معلوم ہوا۔ کہ یہود اس امر کے مدعی تھے۔ کہ ہم نے حضرت مسیحؑ کو صلیب پر چڑھا کر مار دیا۔ سو اللہ تعالےٰ نے دونوں باتوں کی الگ الگ نفی کردی۔ فافہم ۱۲ منہ۔

Marfat.com

(کہا ہیں خدا کا کامل بندہ ہوں) سے اور نیز وَالَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا (انبیاء ۹۱)
سے رد فرمایا۔ اور دعوائے قتل کو وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ (اور نہیں قتل کیا انہوں
نے اس کو اور نہ اس کو صلیب پر چڑھایا) سے مکذوب کیا۔

اس بیان و تفصیل سے واضح ہو گیا۔ کہ اگر فعل صلب صورت فعلیہ میں صادر
ہوا ہوتا۔ تو اللہ تبارک و تعالے فعل کو سبب لعنت قرار دیتا نہ مجرد قول کو اور پھر
عبارت وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ کی بجائے وَبِصَلْبِهِمُ الْمَسِیْحَ ہوتی کیونکہ
صلیب پر چڑھانا اور معاذ اللہ رسول برحق کے پاک ہاتھوں میں میخیں لگانا وغیرہ وغیرہ
زیادہ سخت جرم ہے۔ مجرد افترا و بہتان سے۔ اس قول بقتل المسیح کے سبب
یہود کو ملعون و مردود گردانتے سے یہ بھی ثابت ہوا۔ کہ اللہ تعالے کو حضرت مسیح
کی نسبت یہ قول سخت ناپسند ہے۔ کیونکہ جس حکمت کے لئے اللہ تعالے نے حضرت
مسیح کو آسمان پر مرفوع کیا۔ اور اس وقت تک زندہ رکھا۔ اور پھر آخری زمانے میں
دنیا میں نازل کریگا۔ اس قول مردود سے اس حکمت کا ابطال و بطلان لازم آتا
ہے۔ پس اگر اب بھی کوئی شخص حضرت مسیح کے صلیب پر چڑھائے جانے اور
ان کی موت قبل النزول کا قائل ہو تو چونکہ وہ بھی اللہ تعالے کی حکمت بالغہ کو
باطل کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے اس کا حکم بھی یہود بے بہبود کا حکم ہے۔ اس آیت
مبارکہ طیبہ میں ایک اور نکتہ یہ ہے۔ کہ چونکہ اس ذکر سے پہلے اللہ تعالے نے
یہود کے بعض انبیاء کو قتل کرنے کا ذکر کیا۔ اور حضرت مسیح کی نسبت بھی یہود و بعض
فرق نصارے کا یہی قول تھا۔ کہ وہ مصلوب ہو کر مقتول ہوئے۔ اور حقیقت الامر
اس کے خلاف تھی۔ اس لئے اللہ تعالے نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل و صلب
کی نفی علیحدہ طور پر کردی۔ تاکہ کوئی حقیقت ناشناس آپ کو بھی ان انبیاء کے
زمرہ میں شمار نہ کرے۔ جو یہود کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ اور اس طرز بیان کو
التخصیص بعد التعمیم لاخراج الخاص عن حکم العام کہتے ہیں۔ پس اس
آیت سے ملحدین کی صلیب بالکل منہزم و منکسر ہو گئی۔ والحمد للہ علی ذالک

Marfat.com

کسر صلیب کی تیسری آیت

وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ (مائدہ پ ۷) یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو فرمائیگا کہ میری وہ نعمتیں یاد کرو جو میں نے تم پر کی تھیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ جب تم بنی اسرائیل کے پاس معجزات لائے۔ اور انہوں نے ان معجزات کو جادو کہا (اور تم پر دست درازی کرنی چاہی) تو ہم نے ان کا ہاتھ تم سے (دور) روکے رکھا (۵: ۱۱۰) یعنی تمہارے پاس تک نہ آنے دیا۔ یہ آیت بالصراحۃ صلیب ملحدین کو توڑ رہی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ یہود کو حضرت عیسیٰ سے روکنے کو حضرت عیسیٰ پر نعمت فرماتا ہے۔ اور آپ کو امتناناً یاد کراتا ہے۔ معاذ اللہ اگر حضرت مسیح علیہ السلام یہود کے ہاتھ سے صلیب پر چڑھائے جائیں۔ تو اس صورت میں اس امتنان سے کذب باری سبحانہ لازم آتا ہے۔ ایسا اعتقاد کفر ہے۔ اعاذنا اللہ من ذالک۔ اسی سورت مائدہ میں صحابہ رضؓ کو بھی ایسے ہی کلمات طیبات سے نعمت یاد کرائی ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْۤا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ الآیۃ (مائدہ پ ۵: ۱۱) یعنی اے مسلمانو! تم اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت یاد کرو جو اس نے تم پر کی۔ جب قوم کفار نے تم پر دست درازی کرنی چاہی تو ہم نے ان کے ہاتھ تم سے روکے رکھے۔"

جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں کفار یہود نے مکر ایصال شر کیا۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کو آپ تک نہ پہنچنے دیا۔ اسی طرح حضرت محمد رسول اللہ حبیب خدا اشرف انبیاء صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں بھی طائفہ یہود بنی نضیر نے ارادہ کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے شر سے بالکل محفوظ رکھا[۵۱]۔ اور الٹا انہی پر وبالِ جلاء وطنی نازل کیا[۵۲]۔ یہ آیت اس نعمتِ عظمیٰ کی تذکیر دیا دہانی کے لئے ہے۔

---

[۵۱] ابن کثیر سورت مائدہ - ۱۲ منہ [۵۲] ابن کثیر سورت حشر ۱۲ منہ -

Marfat.com

سبحان اللہ جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام کو خطاب لیعیسٰی ابن مریم اذکر نعمتی علیک فرمایا اسی طرح اپنے حبیب صلعم اور آپ کے اصحاب رضہ کو یاایھا الذین امنوا اذکروا نعمۃ اللہ علیکم سے خطاب کیا اور جس طرح حضرت عیسٰےؑ کو واذ کففت بنی اسرائیل عنک سے نعمت یاد دلائی اسی طرح اپنے حبیب صلعم اور آپ کے اصحابؓ کو اذ ھم قوم ان یبسطوا الیکم ایدیھم فکف ایدیھم عنکم سے انعام یاد کرایا۔ پس جس طرح سے اس واقعہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کوئی گزند اور آسیب نہیں پہنچا۔ اسی طرح حضرت مسیحؑ کو بھی ہرگز صلیب کی تکلیف نہیں اٹھانی پڑی۔

اس آیت مبارکہ میں لفظ کف کے متعلق ایک دقیق نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالے نے فرمایا واذ کففت بنی اسرائیل عنک یعنی اور جب ہٹا رکھا میں نے تجھ سے بنی اسرائیل کو۔ اور یہ نہیں فرمایا واذ نجیتک من بنی اسرائیل یعنی جب بچایا تجھ کو الخ" جیسے کہ دوسرے مقام پہ بنی اسرائیل کو اپنی نعمت یاد کرائی۔ واذ نجینکم من ال فرعون اور جب بچایا ہم نے تم کو آل فرعون سے یسومونکم سوء العذاب (البقرۃ) پہنچاتے تھے تم کو بہت برا عذاب (۲: ۴۹) کیونکہ اس صورت میں وہم پڑ سکتا ہے۔ کہ یہود نے حضرت عیسٰےؑ کو گرفتار کرلیا ہوگا۔ اور آپ کو کچھ اذیت بھی پہنچائی ہوگی۔ مگر آخرکار اللہ تعالےٰ نے آپ کو ان کے ہاتھ سے بچالیا ہوگا۔ جیسا کہ عقیدہ ملعونہ ذکر کیا جاتا ہے۔ جس طرح کہ بنی اسرائیل فرعون کے ملک میں غلام تھے۔ اور وہ ان کو ہر طرح کی تکلیف پہنچاتا تھا۔ مگر آخرکار اللہ تعالےٰ نے ان کو اس کے ظلم سے نجات دی۔ لیکن پہلی صورت میں یعنی قرآن شریف کے الفاظ میں اس وہم کی سراسر تردید ہے۔ یعنی اول تو لفظ نجات (بچانا) کی بجائے لفظ کف (ہٹا رکھنا) استعمال کیا۔ دوم یہ کہ کف کا مفعول بنی اسرائیل کو کیا نہ ک ضمیر مخاطب کو جو عیسٰےؑ کے لئے ہے۔ یعنی یہ نہیں کہا کففتک عن بنی اسرائیل (ہٹا رکھا تجھ کو بنی اسرائیل سے) کیونکہ ارادہ ضرر پہنچانے کا یہود یوں

Marfat.com

کا تھا۔ پس انہی کو ہٹا رکھنے کا ذکر مناسب ہے۔ سوم یہ کہ کف کا صلہ عَنْ ذکر کیا جو بُعد (دوری) کے لئے آتا ہے۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولِ برحق سے دشمنوں کو بالکل دور ہٹائے رکھا۔ اور آپ کے پاس تک بھی پھٹکنے نہ دیا۔ تو پھر وہ کس طرح آپ کو کوئی اذیت پہنچا سکتے ہیں اور کیسے صلیب پر کھینچ سکتے ہیں؟ یہی آیت یعنی وَ اِذْ كَفَفْتُ دوسری آیت وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (کافروں سے تجھے پاک رکھنے والا ہوں) کی صحیح تفسیر ہے کہ اس میں بھی تطہیر سے مراد یہی ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہودیوں کے ہاتھ سے پاک رہیں گے۔ جملہ معتبر تفاسیر میں اس آیت وَاِذْ كَفَفْتُ کے ذیل میں ایسا ہی مذکور ہے۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک رسول حضرت روح اللہ علیہ السلام کو یہود کے ہاتھ میں گرفتار نہیں ہونے دیا۔ اور کوئی گزند پہنچنے نہیں دیا۔ بلکہ مبسوط تفاسیر میں رَفَعَ اِلَى السَّمَآءِ کی بھی تصریح ہے۔ چنانچہ تفسیر فتح البیان میں ہے:۔

وَلَمَّا اَتٰى عِيْسٰى بِهٰذِهِ الْاٰيَاتِ الْبَيِّنَاتِ قَصَدَ الْيَهُوْدُ بِقَتْلِهٖ فَخَلَّصَهُ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَرَفَعَهٗ اِلَى السَّمَآءِ (فتح البیان جلد ۲)	اور جب عیسیٰ علیہ السلام نے یہ روشن نشانات (معجزات) دکھلائے تو یہود نے آپ کے قتل کا قصد کیا۔ سو خدا تعالیٰ نے آپ کو ان میں سے صاف نکال لیا،

ے اکمل صاحب فرماتے ہیں۔ باوجود وعدہ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ کے حضرت رسول کریم کا دانت مبارک شہید ہوا۔۔۔ كَفَفْتُ کا لفظ يَعْصِمُكَ سے زیادہ نہیں۔ جواب اولاً تو یہ ہے کہ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔ دانت مبارک شہید ہونے کے بعد نازل ہوئی۔ ثانیاً یہ کہ عصمت کا لفظ اس موقع پر بولا جاتا ہے۔ جب کوئی گرفتار مصیبت ہو اور پھر اس سے بچا لیا جائے۔ دیکھو سورہ ھود میں ہے کہ نوح کے بیٹے نے طوفان میں مبتلا ہونے کے وقت کہا۔ سَآوِيْ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ اور حضرت نوح نے اس کے جواب میں کہا لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ پس کف کا لفظ عصمت کی نسبت زیادہ ہوا۔ ۱۲ منہ۔

ے تفاسیر میں سے اس موقع پر جو خلصہ اللہ وغیرہ الفاظ نقل کئے گئے تو ہمارے اکمل صاحب نہایت بھولے پن سے کہتے ہیں۔ کہ بس ہمارا مدعا ثابت ہو گیا۔ کہ کففت اور نجینا مترادف ہیں۔ جواب آپ نے ان تفسیروں میں نجیناک

اور آسمان کی طرف اٹھالیا۔"

اور اسی طرح تفسیر ابن کثیر میں یہ لکھا ہے۔

أي واذكر نعمتي عليك في كفي إياهم عنك حين جئتهم بالبراهين والحجج القاطعة على نبوتك ورسالتك من الله إليهم فكذبوك واتهموك بأنك ساحر وسعوا في قتلك وصلبك فنجيتك منهم ورفعتك إلي وطهرتك من دنسهم وكفيتك شرهم انتهى (ابن کثیر زیر آیت ہذا)

یعنی اے مسیح تو وہ نعمت یاد کر جو ان یہود کو تجھ سے دور ہٹا رکھنے کے بارے میں کی جب تو ان کے پاس یقینی دلائل اور قطعی ثبوت اپنی نبوت اور رسالت کے لایا۔ تو انہوں نے تیری تکذیب کی۔ اور تجھے تہمت لگائی۔ کہ تو جادوگر ہے۔ اور تیرے قتل و عذاب میں سعی کرنے لگے۔ تو ہم نے تجھ کو ان میں سے نکال لیا۔ اور اپنی طرف اٹھالیا اور تجھے ان کی میل سے پاک رکھا۔ اور ان کی شرارت سے بچالیا۔"

اور اسی طرح تفسیر کبیر میں ہے۔"

روي أنه عليه الصلاة والسلام لما أظهر هذه المعجزات العجيبة قصد اليهود قتله فخلصه الله منهم حيث رفعه إلى السماء انتهى

مروی ہے کہ جب حضرت عیسیٰؑ نے یہ معجزات مذکورہ دکھلائے تو یہود نے آپ کے قتل کا قصد کیا۔ سو خدا تعالیٰ نے آپ کو ان میں سے اس طرح صاف نکال لیا۔ کہ انہیں آسمان پر اٹھالیا۔"

اور اسی طرح تفسیر خازن میں ہے۔

وذلك أن عيسى عليه السلام لما أتى بهذه المعجزات العجيبة الباهرة قصد اليهود قتله فخلصه الله منهم ورفعه إلى السماء

اور اس کا سبب یہ تھا کہ جب عیسیٰ علیہ السلام ایسے عجیب اور روشن معجزات لے کر آئے۔ تو یہود نے آپ کے قتل کا قصد کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان میں سے صاف ہی نکال لیا۔ اور آسمان پر اٹھالیا۔"

Marfat.com

مرزا صاحب قادیانی نے اپنے رسالہ ازالہ اوہام میں ان آیات تذکیر انعامات میں کہا ہے۔ کہ اگر حضرت مسیح علیہ السلام آسمان پر اُٹھائے گئے ہیں۔ تو ایسا بھاری انعام ان نعمتوں میں کیوں معدود نہیں ہوا۔ جواباً معروض ہے کہ اگر چشم حق بین سے دیکھیں تو وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اسی نعمت جلیلہ کی تذکیر کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ جب بیانِ قرآنی کی رہنمائی سے مفسرین ؒ نے صورتِ واقعہ کو ملحوظ رکھ کر اس آیت سے سمجھ لیا۔ تو جس شخص پر یہ انعام وارد ہوا۔ وہ کیوں نہ سمجھیگا۔ فَتَدَبَّرْ لَعَلَّكَ تَرْشُدُ۔

سوال - حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کفار نے آگ میں ڈال دیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس آگ سے بچا لیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہود نے حضرت روح اللہ کو صلیب پر چڑھا دیا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو زندہ رکھا اور ان کے ہاتھ سے مرنے نہ دیا۔ تو اس میں کیا حرج ہے؟

جواب - مصنف رسالہ "جواب باصواب" کو بھی صفا میں یہی خبط ہوا ہے۔ جناب! وقائع اور امور تاریخیہ میں قیاس کو بالکل دخل نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کا مدار صرف روائت و شہادت ہی پر ہوتا ہے۔ وقائع میں قیاسات کے مفید نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وقوعِ حوادث کی صورت واحد نوں آخرہ نہیں ہوتی۔ پس حضرت روح اللہ کے واقعہ کو قیاس محض سے واقعہ حضرت خلیل اللہ کا ہمرنگ بنانا جہالت و سفاہت ہے۔ کیونکہ صورت نجات اسی ایک طریق میں منحصر نہیں ہے۔ کَمَا لَا يَخْفٰى عَلٰى مَنْ لَّهٗ اَدْنٰى تَاَمُّلٍ۔ دیگر یہ کہ ہمارا دین سماعی ہے قیاسی نہیں یعنی جو امر جس طرح قرآن وحدیث میں وارد ہے۔ اُسے اُسی طرح تسلیم کرتے ہیں۔ اور اپنے قیاسات سخیفہ اور خیالات ضعیفہ پر مدار نہیں رکھتے، چونکہ قرآن مجید میں حضرت خلیل اللہ کا آگ میں پڑنا اور پھر سلامت رہنا ذکر کیا گیا ہے اس لئے اس واقعہ کو اسی طرح مانتے ہیں اور چونکہ حضرت روح اللہ علیہ السلام کا صلیب پر نہ چڑھایا جانا اور یہود کا آپ کو مَس تک بھی نہ کرسکنا مذکور ہے۔ اسی لئے اسی طرح یقین رکھتے ہیں۔ اپنے خیال وقیاس سے کچھ نہیں کہتے۔

حضرت خلیل اللہ کے واقعۂ نار کی بابت سورۂ انبیاء میں فرمایا:۔

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى ہم نے کہا اے آگ تو ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی

Marfat.com

اِبْرَاهِيْمَ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ - (انبیاء پ ۱۷ ۲۱، ۶۹، ۷۰) والی ہو جا۔ اور اُنہوں نے ابراہیم سے داؤ کرنا چاہا تھا پس ہم نے انہی کو نہایت زیانکار کر دیا "

اور سورت صافات میں "اَلْاَسْفَلِيْنَ" (نہایت پست) فرمایا۔ سوال آیات میں امر یَا نَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ. مشعر اس امر کا ہے۔ کہ آپ آگ میں ڈالے گئے تھے۔ کیونکہ امر یَا نَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا نہیں ہو سکتا۔ جب تک آگ موجود نہ ہو[1]۔ اور عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ صادق نہیں ہو سکتا۔ جبتک حضرت ابراہیم علیہ السلام اس میں واقع نہ ہوں۔ علاوہ اس کے حدیث میں رفعاً وارد ہوا۔ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا اُلْقِیَ اِبْرَاهِيْمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِی النَّارِ قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ وَاحِدٌ فِی السَّمَآءِ وَاَنَا فِی الْاَرْضِ وَاحِدٌ اَعْبُدُكَ (ابن کثیر جلد ۶ ص ۲۸۵) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جب حضرت ابراہیمؑ آگ میں ڈالے گئے۔ تو آپ نے کہا لے خدا! تو آسمان میں واحد (لاشریک) ہے۔ اور (اس وقت) زمین میں صرف میں اکیلا تیری (خالص) عبادت کرتا ہوں الخ نیز صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے موقوفاً وارد ہے۔ عن ابن عباس قَالَ كَانَ اٰخِرُ قولِ ابراهيم حِيْنَ اُلْقِیَ فِی النَّارِ حَسْبِیَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ (کتاب التفسیر سورہ آل عمران) یعنی حضرت ابراہیم جب آگ میں ڈالے گئے، تو آخری بات جو آپ نے کی وہ یہ تھی "حَسْبِیَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ" یعنی "مجھے صرف اللہ ہی کافی ہے اور وہی بہتر کارساز ہے" پس اس سے آگ کا واقعہ صاف ثابت ہو گیا۔

نیز یہ کہ کفار کو اَخْسَرِيْنَ اور اَسْفَلِيْنَ کر دینا فرمایا اور خَاسِرِيْنَ وسَافِلِيْنَ نہ فرمایا۔ کیونکہ اسم تفضیل میں اسم فاعل پر از روئے معنے زیادتی ہوتی ہے۔ جیسا کہ

---

[1] وجود خارجی بھی ہوتا ہے۔ اور ذہنی بھی۔ خدا کے امر میں دونو برابر ہیں۔ صورت اس کی یہ ہے۔ کہ اگر خدا کے امر کے وقت مامور خارج میں موجود نہ ہو بلکہ خدا کے علم میں ہو تو خدا تعالیٰ اس صورتِ علمیہ کو امر کرتا ہے۔ تو لزوماً خارج میں اس کا وجود ہو جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا اِنَّمَآ اَمْرُهٗۤ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (یٰس پ ۲۳ (۳۶: ۸۲)

اس کے نام ہی سے ظاہر ہے۔ پس کفار الاخسرین یعنی سخت زیانکار اور الاسفلین
یعنی نہایت پست، اور ذلیل تب ہی ہو سکتے ہیں۔ جب اپنا سارا زور بل لگا چکیں۔ اور
اپنے اسباب کو استعمال میں لا چکیں۔ اور پھر اپنے ارادے میں ناکام رہیں ــــــ
جیسا کہ سورۂ کہف کے اخیر میں فرمایا۔ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا
الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ
صُنْعًا۔ ترجمہ (اے پیغمبر! ان سے) کہو کیا ہم تم کو بتائیں کہ اپنے اعمال میں کون نہایت
زیانکار رہتے ہیں؟ ایسے وہ لوگ ہوتے ہیں۔ جن کی سعی اسی زندگی میں اکارت جائے۔
اور وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم نیک کام کرتے ہیں" (پ۱۶ کہف - ۱۸: ۱۰۳، ۱۰۴)
اس سے ظاہر ہے کہ اخسر اس کو کہتے ہیں جس کی سعی اکارت جائے نیز فرمایا۔
فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا اقْتُلُوهُ أَوْ حَرِّقُوهُ فَأَنْجَاهُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ
(پ۲۰ سورہ عنکبوت) یعنی ان کی قوم سے کوئی جواب اس کے سوائے بن نہ آیا کہ وہ کہنے لگے۔
کہ اسے قتل کر ڈالو یا اسے آگ میں جلا دو۔ پس خدا نے اُسے اس آگ سے نجات دی" (۲۹: ۲۴) اس
آیت میں حضرت ابراہیمؑ کے خلاف آپ کی قوم کی دو تجویزیں ذکر کی گئی ہیں۔ قتل یا آگ میں
جلانا۔ پھر آگ سے بچا لینے کا ذکر کیا ہے، اس سے معلوم ہو گیا کہ کفار آگ میں ڈالنے کی
تجویز کو عمل میں لاتے تھے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے آپ کو اس کے گزند سے محفوظ رکھا۔
دیگر یہ لفظ نجات جو اس آیت میں وارد ہے اس جگہ بولا جاتا ہے جہاں کوئی مبتلائے
مصیبت ہو اور پھر اس سے بچ جائے۔ چنانچہ فرمایا قُلْ مَنْ يُنَجِّيكُمْ مِنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ
وَالْبَحْرِ الآیۃ (انعام پ۷ ۶: ۶۳) میر سیالکوٹی ـــ اور نیز یہ وجوہات مذکورہ اس
امر کی مؤید ہیں کہ کفار کا کید حضرت خلیل اللہ کے خلاف صرف تدبیر تک ہی نہ رہا تھا۔
بلکہ صورتِ فعلیہ میں سرزد ہوا تھا، اور پھر وہ اس میں ناکام رہے۔ بخلاف حضرت مسیح
کے کہ کفار یہود کا مکر صورتِ فعلیہ میں صادر نہیں ہوا۔ جیسا کہ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ
كَفَرُوا اور وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ اور وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَنْكَ
سے ظاہر ہے۔
سوال۔ جب اللہ تعالیٰ نے دیگر رسولوں کو اپنی اسباب ارضیہ سے۔ اسی زمین میں مکائد

Marfat.com

کفار سے نجات دیتا رہا۔ جیسے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت لوطؑ کو ارض مقدسہ کی طرف اور اپنے حبیبؐ کو مدینہ طیبہ میں ہجرت کرائی تو حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو کیوں آسمان پر اٹھالیا کیا زمین پر نہیں بچا سکتا تھا؟

جواب مصنف رسالہ "جواب باصواب" کو بھی یہی خبط ہوا ہے چنانچہ بڑے مبہوت ہو کر صفحہ ۱۰ میں یہی سوال کرتے ہیں اور نیز صفحہ ۱۳ کے حاشیہ میں فرماتے ہیں۔ "چونکہ آنحضرتؐ کی اس محصوریت سے نجات اس عالم میں ارضی اسباب اور قدرتی تائیدات سے ہوگئی تھی" الخ سو اس کا جواب بالتحقیق والتفصیل بَل رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ کی تفسیر میں ذکر کیا جائے گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔ (دیکھو صفحہ ۱۸۷)

کسر صلیب کی چوتھی آیت

وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ (۳: ۴۵) ترجمہ "صاحب وجاہت ہوگا دنیا و آخرت میں" اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو صفت وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ سے موصوف کیا۔ اس لئے آپ مصلوب نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ مصلوبیت اس عالم دنیوی میں لحوق ذلت و خزی کا سبب ہے۔ اور خزی و خذلان منافی وجاہت ہے۔ جیسا کہ سورہ مائدہ میں بعد ذکر تصلیب وغیرہ کے فرمایا۔ (سورہ مائدہ پ ۶ ۵: ۳۳)

ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا "یہ ان کے لئے اس زندگی میں خواری ہے"

معاذ اللہ اگر حضرت روح اللہؑ صلیب پر لٹکائے جائیں تو وجاہت باقی نہیں رہتی خواہ صلیب سے زندہ اتارے جائیں۔ کیونکہ لحوق خزی کے لئے مجرد صلیب پر لٹکایا جانا کافی ہے۔ موت بالصلیب ضروری نہیں وَحَاشَا شَانُ رُوْحِ اللّٰهِ الْوَجِیْهِ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ عَنْ ذٰلِكَ[۱]۔ پس عقیدہ ملعونہ صلیبیہ بالکل مردود ہے۔

سوال حضرت مسیح علیہ السلام اور آپ کی والدہ ماجدہ کی شان میں یہود بے بہبود نے کیسے کیسے ناشائستہ کلمات کہے کیا یہ امر منافی وجاہت نہیں؟

جواب جھوٹے طعن اور بہتان سے شان برّی میں کوئی قدح واقع نہیں ہوتا کیونکہ اذی بالقول اور وجاہت میں منافات نہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ کی شان میں فرمایا۔

---

[۱] حضرت روح اللہ جو دنیا اور آخرت میں وجاہت والے ہیں ان کی شان اس سے پاک ہے۔ عبدالقیوم مدیر

Marfat.com

فَبَرَّأَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا (احزاب پ۲۲، ۳۳: ۶۹)
یعنی "پس خدا نے موسیٰؑ کو اس سے جو انہوں نے کہا تھا، بری کیا اور وہ خدا کے نزدیک صاحب وجاہت تھا۔" پس جس طرح حضرت کلیم اللہؑ کو مضمون مقولہ بیہودہ سے بری کیا۔ اور آپ کی وجاہت میں کوئی نقص نہ آیا۔ اسی طرح حضرت روح اللہ اور کلمۃ اللہ کو معجزہ تکلم فی المہد سے طعن بیہودہ سے بری کیا۔ پس آپ کی وجاہت میں بھی کوئی فرق نہیں آسکتا۔ فَافْهَمْ وَتَدَبَّرْ۔

فصلِ ثانی

در اثباتِ حیات و رفعِ عیسٰی علیہ السلام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور رفع الی السماء

بنصوصِ قطعیہ ثابت ہے چنانچہ پہلی آیت یہ ہے:۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (الآیۃ پ۳ آل عمران ۳: ۵۵)	جب کہا اللہ تعالیٰ نے اے عیسیٰؑ میں ہوں تیرا بھر لینے والا اور اُٹھانے والا تجھ کو اپنی طرف اور پاک رکھنے والا تجھ کو کافروں سے

اس آیتِ معنونہ کا آیت متقدمہ سے ارتباط اس طرح ہے۔ کہ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کے مکر (تدبیر محکم) کا ذکر تھا۔ اس آیت میں اس مکر کے وقتِ وقوع اور صورتِ وقوع کا ذکر کیا۔ نیز یہ کہ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ فرمائی تھی۔ اس آیت میں اپنے مکر (تدبیر محکم و کامل) کی ایک مثال ذکر کی جو اسی قصہ کے متعلق تھی۔ چنانچہ تفسیر کشاف میں ہے۔

"اِذْ قَالَ اللّٰهُ نصب ظرفٌ لِخَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ اَوْ مَكَرَ اللّٰهُ"	اِذْ قَالَ اللّٰهُ ظرف ہے خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ کا یا مَكَرَ اللّٰهُ کا۔

اسی طرح دیگر تفاسیر میں بھی ہے۔ مثلاً بیضاوی۔ سراج منیر وغیرہ۔ غرض مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت جملہ مَکَرَ اللّٰہُ کی تفسیر کرتی ہے۔ اور واضح طور پر کیفیت اور صورت مکر یعنے تدبیر الٰہی کو بیان کرتی ہے اور چونکہ اللہ تعالےٰ نے اپنی صفت خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ فرمائی۔ اس لئے لامحالہ اس کی تدبیر رسول برحق کی شان میں خیر ہونی چاہئے۔ اور اعداء الرسول کے حق میں مُضر۔ ظاہر ہے کہ کفار ناہنجار کے ناپاک ہاتھوں سے صلیب پر چڑھایا جانا رسول مؤیّد بالمعجزات کی شان میں خیر نہیں ہے۔ بلکہ رَفْعٌ اِلَی السَّمَآءِ خیر الخیرات واحسن التدبیرات سے ہے۔

وقوعِ مکر یعنی رفع الی السماء سے پیشتر یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ الآیۃ کی یہ ضرورت تھی۔ کہ چونکہ کفار نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے قتل و صلب میں از حد کوششیں کیں۔ اور آپس میں منصوبے باندھے اور آپ کے منزل مہبطِ رحمتِ الٰہیہ کا محاصرہ کرلیا۔ اس لئے ایسے نازک وقت میں تسلی کے لئے بشارت تخلیص از مکرِ اعداء ضروری تھی۔ کہ اے عیسٰی میں ان کافروں کو ان کے مکر میں کامیاب نہ ہونے دوں گا۔ بلکہ تجھ کو اپنی طرف پورا پورا اُٹھالوں گا۔ ایسا کہ ان کے ہاتھ میں تیرا ایک بال بھی نہ آئے۔ چنانچہ تفسیر رحمانی میں ہے۔

اِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسٰٓی اِعْلَامًا لَّہٗ بِمَکْرِہٖ جب اللہ تعالےٰ نے عیسٰی علیہ السلام بِالْاَعْدَآءِ وَتَخْلِیْصِہٖ عَنْ مَکْرِھِمْ ۱۲ کو اپنی اس تدبیر پر واقف کرنے کے لئے کہا۔ جو اُسے آپ کے دشمنوں سے کرنی تھی۔ اور ان کے مکر سے آپ کو سلامت نکال لینے کے متعلق تھی:

تحقیق لفظ توفی

واضح ہو کہ توفی کی نسبت مرزا صاحب قادیانی کا یہ دعوےٰ ہے۔ کہ یہ لفظ صرف موت اور قبض رُوح کے لئے موضوع ہے۔ اور یہ امر اس کے علوم رسمیہ اور لیاقت علمیہ سے بالکل

بے بہرہ اور عاری ہونے پر دلیل بیّن ہے۔ کیونکہ لفظ توفّی لفظ وفا سے ماخوذ ہے۔ اور وفیٰ کے معنے ہیں پورا کرنا۔ چنانچہ لسان العرب میں ہے۔ اَلْوَفَآءُ ضِدُّ الْغَدْرِ یُقَالُ وَفیٰ بِعَھْدِہٖ وَاَوْفیٰ بمعنی (جلد بستم) یعنی وفا غدر کی ضد ہے چنانچہ محاورہ ہے۔ کہ فلاں شخص نے اپنا عہد پورا کیا اور اوفیٰ (باب افعال) اسی کا ہم معنی ہے۔ پس توفّی باب تفعل ہے۔ اسی مادہ وفا سے۔ اس کے معنے ہوئے اخذ الشیء وافیاً۔ یعنے کسی چیز کو پورا پورا لے لینا۔ چنانچہ تفسیر کبیر۔ خازن۔ جامع البیان۔ بیضاوی۔ سراج منیر۔ ابی السعود اور فتح البیان ان سب تفاسیر میں اس امر کی تصریح موجود ہے اور دیگر ابواب جو مادہ وفا سے آئے ہیں۔ ان سب میں بھی یہی معنے ملحوظ ہیں۔ اور جس طرح سے مادہ کے حروف ہر صیغہ میں باقی رہتے ہیں۔ اسی طرح مادہ کے معنی بھی ہر باب و صیغہ میں باقی رہتے ہیں۔

علم صرف میں ادنے مہارت رکھنے والا بھی اسے بخوبی جانتا ہے۔ چنانچہ ہم ناظرین کی سہولت اور مزید تسلی کے لئے اس مادہ وفیٰ سے جو جو باب زبان عرب میں مستعمل ہیں۔ ان سب کا نقشہ مع مثالوں کے لکھتے ہیں۔ جس سے ظاہر ہو جائے گا۔ کہ ہر باب کے ہر صیغے میں اس کے مادی معنے یعنے "پورا کرنا" ملحوظ ہیں۔

باب	مادہ وفا سے مصدر	معنے مصدری	امثال
ضرب یضرب	وَفَاءً	پورا کرنا	(۱) اَمَّا ابْنُ طَوْقٍ فَقَدْ اَوْفیٰ بِذِمَّتِہٖ کَمَا وَفیٰ بِقِلَاصِ النَّجْمِ حَادِیْھَا یعنے ابن طوق نے تو اپنا ذمہ پورا کر دیا۔ الخ لسان العرب اور مصباح میں زیر لفظ وَفیٰ اس شعر کو اس لئے ذکر کیا ہے۔ کہ مجرد وفیٰ اور مزید فیہ اَوْفیٰ دونوں ہم معنی ہیں

Marfat.com

امثال	معنی مصدری	صیغۂ مصدر	باب
(۲) لسان العرب۔ میں یہ بھی ہے۔ وَفِی الْحَدِیْثِ مَرَرْتُ بِقَوْمٍ تُقْرَضُ شِفَاهُهُمْ کُلَّمَا قُرِضَتْ وَفَتْ اسے تمّت وطالت یعنے حدیث میں آیا ہے۔ کہ میں دوزخیوں کی ایک قوم پہ گزرا۔ جن کے ہونٹ کاٹے جاتے تھے جب جب کاٹے جاتے تھے۔ پھر "پورے" ہو جاتے تھے۔	پُورا ۔ لینا	تَوَفِّی	تَفَعُّل
(۱) اَوْفُوْا بِعَهْدِیْ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ (البقرہ ۲: ۴۰) (اے بنی اسرائیل) تم میرا عہد (جو مجھ سے کیا ہے) پورا کرو۔ میں تمہارا عہد (جو تم سے کیا ہے) پورا کروں گا۔ اس کی مثالیں قرآن کریم میں بکثرت ہیں۔ (۲) وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ (انعام ۶) اور پیمانے اور ترازو کو عدل سے "پورا کرو" یعنے پورا پورا ناپ کر اور تول کر دو۔ (۶: ۱۵۳) (۳) اِذَا غَدَرَتْ حَسْنَاءُ اَوْفَتْ بِعَهْدِهَا وَمِنْ عَهْدِهَا اَنْ لَا يَدُوْمَ لَهَا عَهْدٌ (متنبی) ترجمہ۔ جب خوبصورت محبوبہ عہد شکنی کرے۔ تو وہ اپنے عہد کو "پورا" ہی کرتی ہے کیونکہ اس کے عہد میں سے یہ بھی ہے۔ کہ اس کا عہد دائمی نہ ہو۔	پورا کرنا ۔ پُورا دینا	اِیْفَاء	اِفْعَال

باب	مادہ وفا سے مصدر	معنے مصدری	امثال
تفعیل	توفیہ	پورا دینا	(۱) فَیُوَفِّیْھِمْ اُجُوْرَھُمْ (آل عمران پ۳) (اسی آیت اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ سے تھوڑا آگے) ترجمہ پس خدا تعالیٰ ان کو ان کے اجر پورے دیگا" (۳ : ۵۶) (۲) وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ (آل عمران پ۴) ترجمہ. سوائے اس کے نہیں کہ تمہارے اجر پورے پورے" تم کو قیامت کے دن دیئے جائیں گے (۳ : ۱۸۴) (۳) وَاِبْرٰھِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰی (النجم پ۲۷) اور ابراہیم کے صحیفوں میں (جس نے پورا کر دکھایا) لسان العرب میں یہ بھی لکھا ہے وَفّٰی بِالشَّیْءِ وَاَوْفٰی وَوَفٰی بمعنے وَاحِدٍ یعنے اس کا مجرد اور باب افعال اور باب تفعیل (تینوں) ہم معنے ہیں۔
استفعال	استیفاء	پورا پورا لینا	(۱) اِذَا اکْتَالُوْا عَلَی النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ (تطفیف پ۳۰) جب لوگوں سے ماپ کر لیتے ہیں۔ تو پورا پورا لیتے ہیں۔ (۸۳ : ۲) (۲) تَوَفَّیْتُ مِنْہُ دَرَاھِمِیْ ترجمہ میں نے اس سے اپنے درہم پورے وصول پائے۔ یہ محاورہ تفسیر کبیر۔ خازن۔ سراج منیر میں زیر آیت اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ لکھا ہے "

Marfat.com

لفظ توفی	و	(۲) مزید فیہ باب استفعال یعنے توفی و استیفا دونوں کے ایک ہی معنی ہیں کامل اور پورا لے لینا	(۱) اِسْتَوْفَاهُ وَ تَوَفَّاهُ اِسْتَكْمَلَهُ (لسان العرب) ترجمہ اِسْتَوْفَاهُ اور تَوَفَّاهُ کے معنے یہ ہیں کہ اس نے اسے کامل اور پورا لے لیا، (۲) تَوَفَّيْتُ الْمَالَ مِنْهُ وَاسْتَوْفَيْتُهُ اِذَا اَخَذْتَهُ كُلَّهُ (لسان العرب جلد ۲۰) یعنے تَوَفَّيْتُ الْمَالَ اور اِسْتَوْفَيْتُهُ دونوں کے معنے یہ ہیں کہ میں نے اس سے اپنا مال پورا پورا لے لیا۔ (۳) وَتَوَفَّاهُ هُوَ مِنْهُ وَاسْتَوْفَاهُ لَمْ يَدَعْ مِنْهُ شَيْئًا (لسان العرب جلد ۲۰) تَوَفَّا مِنْهُ اور استوفاہ دونوں کے یہ معنے ہیں۔ کہ اس نے پورا پورا لے لیا اور اس سے کچھ بھی نہ چھوڑا۔ (۳) تَوَفَّيْتُهُ وَاسْتَوْفَيْتُهُ بمعنےً یعنے تَوَفَّيْتُ اور اِسْتَوْفَيْتُ دونوں ہم معنے ہیں۔ (مصباح المنیر للعلامۃ الفیومی) (۴) اِسْتِيفَاءٌ، تَوَفِّیْ تمام گرفتن حق یعنے دونوں کے معنے ہیں حق پورا لے لینا۔
			(۱) تَوَفَّيْتُ عَدَدَ الْقَوْمِ اِذَا عَدَدْتَهُمْ كُلَّهُمْ (لسان العرب جلد ۲۰) یعنے میں نے سب قوم کی گنتی پوری لے لی۔ اس کی شہادت

کے لیے لسان العرب میں یہ شعر لکھا ہے ؎ (۲) اِنَّ بَنِی الْاَدْرَدِ لَیْسُوْا مِنْ اَحَدْ وَلَا تَوَفَّاهُمْ قُرَیْشٌ فِی الْعَدَدْ تحقیق بنی ادرد کسی میں سے نہیں ہیں۔ اور قریش نے اُن کی گنتی پوری پوری نہیں کی۔	گنتی پوری کرنا		
(۱) وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ (انعام ۶) "خدا ایسی ذات ہے کہ تم کو رات کے وقت پورا لیتا ہے یعنے سُلا دیتا ہے" (۶ : ۶۰) (۲) اَللّٰهُ یَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا (زمر ۲۴) خدا ہی پورا پکڑتا ہے۔ جانوں کو ان کی موت (جسم اور روح کی مفارقت) کے وقت اور جو (ابھی) نہیں مریں (ان کو پورا پکڑتا ہے) ان کی نیند کے وقت، یعنے سُلا کر" (۳۹ : ۴۲) (۳) ؎ فَلَمَّا تَوَفَّاهُ رَسُوْلُ الْکَرٰی وَدَبَّتِ الْعَیْنَانِ فِی الْجَفَنِ ترجمہ: جب اسے نیند کے فرشتے نے پکڑ لیا تو یعنے وہ سو گیا (۴) لسان العرب میں کہا ہے وَاَمَّا تَوَفِّی النَّائِمِ فَهُوَ اِسْتِیْفَاءُ وَقْتِ عَقْلِهٖ وَتَمْیِیْزِهٖ اِلٰی اَنْ نَامَ	سلا دینا (مجازاً) [illegible]		

باب	مادہ وفی سے مزید فیہ	معنے مصدری	امثال
تفعّل	توفّی	بقرینۂ موت و ملک الموت وغیرہ جان (یعنی) مار لینا	(۱) اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا (زمر پ۲۴) یعنے خدا ہی جانوں کو قبض کرتا ہے ان کی موت کے وقت، یعنے مارتا ہے، (۳۹ : ۴۲) (۲) قُلْ یَتَوَفّٰکُمْ مَلَکُ الْمَوْتِ (الم سجدہ پ۲۱) (اے پیغمبر) ان سے کہو تم کو قبض کرے گا ملک الموت یعنے تم کو مارے گا، (۳۲ : ۱۱) (۳) حَتّٰی یَتَوَفّٰہُنَّ الْمَوْتُ (النساء پ۴) یعنے حتّٰی کہ قبض کرے ان کو موت یعنے وہ مرجائیں۔ (۴ : ۱۵) **نوٹ**:۔ ان سب آیات میں توفّی سے موت مراد لینے کے لئے مَوت اور ملک الموت قرائن ہیں۔ اور یہ معنے مجازی ہیں۔ چنانچہ آئندہ واضح ہو گا۔ انشاء اللہ

تنبیہ:۔ واضح ہو کہ توفّی بمعنے موت مجازاً ہے نہ حقیقۃً وضعاً جیسا کہ اساس البلاغۃ میں ہے۔ **ومن المجاز** [۱]... تُوُفِّیَ فُلَانٌ وَ تَوَفَّاہُ اللّٰہُ وَ اَدْرَکَتْہُ الْوَفَاۃُ یعنے یہ مجازات ہیں اور لسان العرب میں اس کی وجہ یں کہا ہے تَوَفِّی الْمَیِّتِ اِسْتِیْفَاءُ مُدَّتِہِ الَّتِیْ وُفِّیَتْ لَہٗ وَعَدَدِ اَیَّامِہٖ وَ

[۱] اکمل صاحب اپنی شہادت کے صفحہ ۹ میں خاک رکر ان انا کہتے ہیں "موت کے معنے کو مجاز کہنا آپ ہی کی ایجاد ہے"۔ ۱۲۔ جواب: مرزا صاحب خود اور ان کی جماعت بھی علوم عربیہ سے بالکل بے بہرہ ہیں تو علامہ زمخشری کا حوالہ دیتا ہوں۔ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ آپ ہی کی ایجاد ہے۔ چہ خوش! ۱۲ منہ سعادت۔

Marfat.com

شُهُوْرِهٖ وَاَعْوَامِهٖ فِي الدُّنْيَا **ترجمہ** میت کی توفی سے مراد ہے
اس کی مقررہ مدت اور اس کے دنیا میں رہنے کے دنوں، مہینوں اور سالوں کی گنتی
کو پورا کرنا۔

ائمہ **لغت** اور ائمہ تفسیر بلا خلاف مادہ وفا کے باب تفعّل و استفعال کو
ہم معنے ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ فیومی مصباح میں فرماتے ہیں۔
تَوَفَّيْتُهٗ وَاسْتَوْفَيْتُهٗ بمعنی ترجمہ توفیتہ اور استوفیتہ
ہم معنے ہیں یعنی دونوں کے معنے ہیں۔ میں نے اُسے پورا لے لیا!

اسی طرح تفسیر کبیر اور تفسیر خازن اور تفسیر معالم میں بھی ان کو ہم معنے ذکر کیا
گیا ہے۔ اور صراح اور قاموس میں بھی ایسا ہی بیان ہے اور اساس البلاغۃ
میں لکھا ہے۔ کہ استوفاہ اور توفاہ دونوں کے معنے ہیں اس نے
وَاسْتَوْفَاهُ وَتَوَفَّاهُ اِسْتَكْمَلَهٗ
اُسے کامل لے لیا،

مرزا صاحب قادیانی نے اپنے آئینہ وساوس[1] کے ۵۶۵ میں جہاں
اپنے آپ کو خدا بنایا ہے۔ اِسْتَوْفَانِیْ لکھا ہے۔ اور اس جگہ فاعل
اللہ تعالےٰ ہے۔ اور مفعول خود مرزا صاحب ذی روح۔ اور اس سے مراد
موت نہیں ہے۔ پس مرزا صاحب کا یہ کہنا کہ لفظ توفی سوائے قبض روح کے
کسی اور معنے میں مستعمل نہیں ہوتا۔ بالکل **غلط** اور **مردود**
ٹھیرا۔ کیونکہ جب بتصریح ائمہ لغت وتفسیر ثابت ہو چکا ہے کہ توفی اور استیفاد
ہم معنے ہیں۔ تو جس طرح استیفاء سوائے معنے موت کے مستعمل
ہوتا ہے۔ اسی طرح توفی کے سوائے معنے موت کے استعمال
کو کون مانع ہے با خصوصاً جب محاورہ تَوَفَّيْتُ مِنْهُ دَرَاهِمِيْ مندرج

---

[1] یہ کتاب مرزا صاحب کی تصنیف ہے۔ اس کے دو نام ہیں آئینہ کمالات اسلام اور دافع الوساوس
ہم نے دونوں کو ترکیب امتزاجی سے ایک کرکے لکھا ہے۔ ۱۲ منہ۔

Marfat.com

تفسیر کبیر جلد دوم ص۱۸۱" یعنے میں نے اس سے اپنے درہم پورے بھر پائے "
زبانِ عرب میں ذائع و شائع ہو۔

پس جب ائمہ لغت و تفسیر بالاتفاق لکھتے ہیں۔ کہ اس مادہ کے باب تفعل اور استفعال کے معنے ایک ہی ہیں۔ اور قرآن مجید اور لغت میں سے استیفاء کے معنے پورا پورا لینا ثابت کیا گیا ہے۔ تو اب توفی کے معنے پورا پورا لینا کرنے میں کیا تردد باقی رہا۔ علاوہ بریں جب علم اشتقاق و تصریف سے بھی واضح ہو گیا۔ کہ یہ لفظ توفی مادہ وفا کا مزید فیہ ہے اور وفا کے معنے بحسب الوضع موت نہیں۔ بلکہ پورا کرنے کے ہیں۔ تو پھر بھی باوجود اتنی تصریحات کے کوئی شخص اپنی ضد نہ چھوڑے۔ اور یہی ہانکتا جائے۔ کہ توفی موت اور قبض روح کے لئے موضوع ہے۔ تو کیا اس کی کیا تنت علمی ہنسی کے قابل نہیں ہوگی؟

باقی رہا۔ یہ امر کہ یہ لفظ قرآن شریف میں بمعنے موت مستعمل ہوا ہے۔ سو ہم اس سے انکار نہیں کرتے۔ کیونکہ معنے مستعمل فیہ اور موضوع لہٗ میں فرق ہوتا ہے۔ استعمال سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ یہ لفظ اصل میں موت کے لئے وضع کیا گیا تھا۔ اور اس کے حقیقی معنی بس قبض روح ہی کے ہیں جس قدر محاورات میں لفظ توفی جن معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ اگر ان میں سے کسی میں بھی کوئی مدعی علم و فضل ہم کو اس کے وضعی اور حقیقی معنوں " پورا پورا لینا " سے باہر ثابت کر دے تو بے شک ہم اس کے بے درم غلام ہیں اس لفظ کا اطلاق موت کے معنے پر بھی صرف اس لئے ہے۔ کہ موت بھی ایک قسم[لہ] کی توفی یعنے " پوری

لہ اکمل صاحب قادیانی علمی باتوں کے سمجھنے میں بہت کامل ہیں۔ ہم نے جو تفاسیر معتبرہ کی عبارات سے موت کو توفی کی ایک نوع ثابت کر کے ظاہر کر دیا۔ کہ توفی موت کے لئے موضوع نہیں تو ہمارے اکمل صاحب ایسی بات کو بھی نہ سمجھ کر اس پر لکھتے ہیں:" جب موت توفی کی قسم ہے۔ تو بھی وضعی معنے ہوتے نہ کہ مجازی۔" (ص۲) جواب۔ بریں اکمیت بباید گریست، جناب من

(بقیہ نوٹ ص۱۱۲ پر)

Marfat.com

پوری گرفت ہوتی ہے۔ تو اس اعتبار سے کہ یہ لفظ بمعنے موت موضوع ہے
چنانچہ تفسیر بیضاوی میں زیر آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي لکھا ہے :-

اَلتَّوَفِّيْ اَخْذُ الشَّيْءِ وَافِيًا　　توفی کے معنے ہیں کسی چیز کو پورا پورا
وَالْمَوْتُ نَوْعٌ مِنْهُ "　　لینا اور موت اس کی ایک نوع ہے۔"

اسی طرح توفی کا اطلاق قرآن شریف میں نیند پر بھی آیا ہے۔ یہ بھی اسی لئے ہے کہ نیند بھی ایک قسم کی توفی یعنے پوری پوری گرفت ہوتی ہے۔ اور عیسے علیہ السلام کے مقدمہ میں جو توفی کے معنے رفع الی السمآء لئے جاتے ہیں۔ تو اسی اعتبار سے کہ یہ بھی ایک قسم کی توفی یعنے پوری پوری گرفت ہے۔ اور قرض وصول کر لینے پر بھی اس کا اطلاق محاورہ زبان عرب میں پایا گیا ہے۔ تو وہ بھی اسی لحاظ سے کہ قرض پورا پورا لے لیا جاتا ہے۔ الغرض توفی کے جس قدر محاورات و استعمالات ہیں۔ خواہ وہ قرآن مجید میں ہیں۔ خواہ حدیث شریف میں خواہ دواوین عرب میں، ان سب میں اس کے وضعی اور حقیقی معنے اخذ الشیء وافیاً یعنے کسی چیز کو پورا پورا لے لینا ہی ملحوظ ہیں۔ اور بس ... اور ظاہر ہے کہ جس لفظ کے کئی معنے یا کئی استعمالات ہوں۔ اس کو ایک معنے میں معین کرنے کے لئے ضرور ضرور کوئی قرینہ موجود ہونا چاہیئے۔ کیونکہ متکلم کی مراد ایک وقت میں اس لفظ سے ایک ہی ہے۔ پس توفی کے ساتھ اگر موت اور اس کے لوازمات کا ذکر ہوگا۔ تو اس کے معنے موت ہوں گے۔ اور اگر نیند اور اس کے مقتضیات مذکور ہوں گے۔ تو توفی کے معنے سلا دینا ہوں گے۔ اور اگر اس کے ساتھ ذکر رفع کا ہوگا۔ تو اس سے مراد رفع ہوگی اور اگر اس کے ساتھ درہم و دینار وغیرہ اشیاء کا ذکر ہوگا۔ تو اس کے معنے ان کا قبض کرنا ہوں گے۔ اور اگر اس کے ساتھ عدد اور گنتی کا ذکر ہوگا۔ تو اس کے معنے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۱۱) قسم اور مقسم کی وضع ایک نہیں ہوتی۔ لہٰذا کوئی لفظ اپنے مفہوم کلی اور اس کی انواع ہر دو کے لئے موضوع نہیں ہوتا۔ فافہم ۱۲ سعادت۔ منہ

پورا پورا گن لینا ہوں گے۔

ثانیاً برائے اثبات جہالت قادیانی

سورۂ زمر میں ہے:-

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِہَا فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْہَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰی اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی الآیہ (زمر پ۲۴) (۳۹: ۴۲) اللہ ہی پورا پکڑتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت اور جو ابھی نہیں مریں ان کو (پورا پکڑتا ہے) ان کی نیند کے وقت پس اس جان کو بند رکھتا ہے جس پر موت کا حکم جاری کیا۔ اور دوسری کو چھوڑ دیتا ہے۔ مقررہ مدت تک"۔ سورہ انعام میں فرمایا:-

وَھُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِالَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّھَارِ ثُمَّ یَبْعَثُکُمْ فِیْہِ لِیُقْضٰٓی اَجَلٌ مُّسَمًّی الآیہ (پ۷ انعام) اللہ وہ ہے جو تم کو رات کے وقت پوری گرفت کرتا ہے۔ اور جو کچھ تم دن کو کرتے ہو جانتا ہے پھر تم کو دن میں اٹھا کھڑا کرتا ہے۔ تاکہ اجل مسمیٰ پوری کی جائے" (۶: ۶۰)

ان آیتوں میں توفی کی دو انواع، موت اور منام، مذکور ہوئی ہیں، توفی بالموت کی صورت قبض روح مع الامساک ذکر کی گئی ہے۔ اور توفی بالنوم کی صورت قبض روح مع الارسال بیان کی گئی ہے۔ پس قبض روح جو دونوں میں مشترک ہے جنس ہے، امساک اور ارسال فصل ہے۔

وَھُوَ الَّذِیْ یُمَیِّزُ الشَّیْءَ عَمَّا یُشَارِکُہٗ فِی الْجِنْسِ (کتب منطق)۔ یعنے فصل اسے کہتے ہیں۔ جو کسی چیز کو اس چیز سے متمیز کرے جو جنس میں اس کی شریک ہو۔

پس بموجب مذہب مرزا صاحب توفی صرف قبض روح کے لئے موضوع چاہیئے۔ نہ موت اور قبض روح ہر دو کے لئے۔ کیونکہ ان دونوں میں نسبت عموم و خصوص ہے۔ اور کوئی لفظ معنے اعم و اخص ہر دو کے لئے

Marfat.com

موضوع[1] نہیں ہوتا۔ فافہم۔

ثالثاً:۔ اگر مرزا صاحب صرف قبض روح ہی کو مدلول وضعی قرار دیں تو یہ بھی ان کی بے علمی و بے استعدادی پر دلیل ظاہر ہوگی۔ کیونکہ توفی لفظ مفرد ہے۔ اور قبض روح مرکب۔ زیراکہ ثانی میں جزو لفظ جزو معنے پر دال ہے۔ یعنے قبض دال ہے۔ اخذ پر اور روح دال ہے شئے مقبوض پر بخلاف اول کے کہ اس میں جزو لفظ جزو معنے پر دلالت نہیں کرتی۔ لہٰذا لفظ توفی مفرد کا مدلول قبض روح جو مرکب ہے۔ درست نہیں۔ اسی لئے سورہ زمر کی آیت میں صرف یتوفی نہیں کہا بلکہ یتوفی الانفس کہا ہے۔ تاکہ توفی دلالت کرے اخذ پر اور انفس کہ مدلول اس کا ارواح ہے دلالت کرے شئے مقبوض پر اور بعد ترکیب کے معنے مرکب پیدا ہوں اگر توفی (مفرد) کے معنے قبض روح (مرکب) ہیں تو لفظ انفس کی کیا ضرورت تھی۔ پس ثابت ہوا۔ کہ توفی کے حقیقی معنے مطلق قبض کے ہیں۔ نہ قبض روح کے۔ وَھٰذَا ھُوَ الْمُرَاد۔

رابعاً:۔ بالفرض اگر مان بھی لیں۔ کہ توفی کے حقیقی معنے قبض روح ہیں۔ تو پھر بھی آیت اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ سے عیسےٰ علیہ السلام کی موت ثابت نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ جب قبض روح کی کیفیتیں دو ہیں۔ ایک مع الامساک اور دوسری مع الارسال تو آیت اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ میں توفی بقرینہ رَافِعُکَ اِلَیَّ جو رفع جسمی پر روز روشن کی طرح دلالت کر رہی ہے۔ بمعنے نیند متعین ہوگی۔ کیونکہ

---

[1] اکمل صاحب نے اس عموم وخصوص کے متعلق ایک خاص علمی کمال دکھایا ہے۔ فرماتے ہیں "حالانکہ قبض روح عین موت کا مرادف ہے" (صفحہ ۲) ۱۲۔ بندۂ خدا! عام وخاص میں ترادف کہاں؟ ترادف میں تو اتحاد و مساوات کا لحاظ ہوتا ہے۔ اور عام و خاص میں کمی بیشی ہوتی ہے پس ان میں ترادف کا ادعا باطل ہے۔ ۱۲ سعادت۔ منہ

Marfat.com

منام اور رفع جسمی میں منافاۃ نہیں بلکہ اُن میں جمع ممکن ہے۔ جیساکہ ایک جماعت مفسرین علیہم الرحمۃ اس طرف بھی گئی ہے۔ چنانچہ خازن میں ہے:-

(الثانی) المراد بالتوفی النوم ومنه قوله تعالى الله يتوفى الانفس حين موتها والتي لم تمت في منامها فجعل النوم وفاة وكان عيسى قد نام فرفعه الله وهو نائم لئلا يلحقه خوف (تفسیر خازن)	(اس جگہ) توفے سے مراد نیند ہے۔ اور اسی سے ہے۔ آیت الله يتوفى الانفس الخ پس اس میں خدا تعالےٰ نے نیند کو بھی وفات کہا ہے۔ پس انی متوفیك سے مراد یہ ہوئی۔ کہ حضرت عیسیٰؑ سو گئے تھے۔ پس خدا نے آپ کو نیند ہی میں اُوپر اُٹھالیا۔ تاکہ آپ کو خوف لاحق نہ ہو"

اور اسی طرح دیگر تفاسیر مثل دُر منثور۔ ابن کثیر۔ فتح البیان معالم۔ تفسیر کبیر میں بھی اس امر کی تصریح موجود ہے۔

پس اب تو مرزا صاحب کا سارا تانا بانا ٹوٹ گیا۔ اور ان کے ہاتھوں میں سوائے ابلہ فریبی و تاویلاتِ باطلہ و تحریفاتِ کاسدہ کے اور کچھ نہ رہا۔ کیونکہ صاف ثابت ہوگیا۔ کہ توفی کے معنے اَخذ الشئی وافیاً ہیں۔ اس پر زیادۃ بالنظر الی المتعلق و القرائن کی جائے گی۔ نہ بحسب الوضع۔ پس توفے کا متعلق یا تو صرف جسم ہوگا۔ یا صرف روح یا جسم مع روح۔ پھر اگر روح ہے تو یا تو مقبوض مع الامساک ہوگا۔ اُسے موت کہیں گے۔ یا مع الارسال اُسے (نیند) بولیں گے۔ ان ہر دو میں دو دو امر علاوہ مفہوم توفّی کے اعتبار کئے گئے۔ موت میں رُوح اور امساک۔ اور منام میں روح اور ارسال۔ پس مرکب معانی کے لئے ترکیب الفاظ بھی ضروری ہے۔ لہٰذا اس ترکیب کے لئے ضروری ہوا۔ کہ متعلق توفی اور قرائن کی طرف نظر کی جائے۔ (۱) قبض روح مع الامساک اور قبض روح مع الارسال

کی مثال سورۂ زمر کی وہ آیت ہے۔ جو اوپر مذکور ہو چکی ہے۔ یعنے :-
اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا ۔ اللہ ہی روحوں کو قبض کرتا ہے۔
وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِہَا فَیُمْسِکُ ۔ ان کی موت (مفارقت روح و بدن)
الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْہَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ ۔ کے وقت اور جو روحیں ابھی نہیں
الْاُخْرٰی اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی الآیہ (زمر پ ۲۴) مریں۔ ان کو قبض کرتا ہے ان کی نیند
میں پس جس روح پر موت کا حکم جاری کیا ہے۔ اس کو تو روک رکھتا ہے۔ اور
دوسری (نیند والی) کو مدت مقررہ (موت) تک بھیج رہتا ہے" (۳۹ : ۴۲)

اس آیت میں پہ معنے کے لئے ایک لفظ مذکور ہے۔ جیسے قبض کے لئے
یتوفی اور روح کے لئے الانفس اور مرنے کے لئے موت اور امساک کے
لئے یمسک اور نیند کے لئے منام اور ارسال کے لئے یرسل ۔

(۲) صرف قبض جسم کی مثال محاورۂ عرب شائعہ فی اللسان مندرجہ تفسیر
کبیر۔ خازن وغیرہ تَوَفَّیْتُ مِنْہُ دَرَاہِمِیْ (میں نے اس سے اپنے درہم
پورے پالئے)۔ (۳) قبض جسم مع روح یعنے زندہ چیز کو اخذ کرنے کی مثال
آیات اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ اور فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ بقرینہ
رَافِعُکَ اِلَیَّ اور بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ ۔ فَافْہَمْ وَتَدَبَّرْ ۔

سوال :- بیشک علم تصریف اور علمی تحقیق سے ثابت ہو گیا۔ کہ توفی
کے معنے پورا پورا لے لینا ہیں۔ لیکن لغت کی بعض کتابوں میں جو توفی بمعنے
موت کہا ہے۔ اس کا کیا جواب ہے؟

جواب :- کتب لغت میں حقیقی۔ منقولی اور مجازی ہر طرح کے معنے لکھے
ہوتے ہیں۔ مگر ان کی تعیین حسب قرائن حالیہ و مقالیہ سلسلہ عبارت سے
مفہوم ہوتی ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یوں ہے۔ کہ ابتداء میں لفظ جس معنے
کے لئے وضع کیا گیا تھا۔ اسے اس کے حقیقی اور وضعی معنے کہتے ہیں۔ پھر
یا تو لفظ کا ایک ہی معنے ہوگا یا زیادہ ۔ پھر زیادہ یا تو بحسب الوضع

Marfat.com

ہوں گے۔ اُسے مشترک کہتے ہیں۔ مثلاً عین جو بمعنے زر۔ زانو۔ چشمہ آب اور آنکھ ہے یا وضع میں تو ایک معنے تھا۔ مگر اس کے مفہوم میں کئی چیزیں پائی گئیں۔ اسے جنس کہتے ہیں۔ اور ہر اس چیز کو جس پر اسکا اطلاق ہوسکتا ہے اس کی نوع کہتے ہیں۔ مثلاً حیوان کہ جنس ہے اور گھوڑا اور گدھا اس کی انواع ہیں صرف اس اعتبار سے کہ وہ جاندار ہیں۔ نہ اس لئے کہ حیوان بحسب الوضع ان سب کے لئے موضوع ہے۔ اور یا کثرت بہ سبب دیگر معانی میں منقول ہونے کے ہوگی۔ پھر اگر عرف عام نے نقل کیا ہے۔ تو اُسے منقول عرفی کہتے ہیں مثلاً دابہ کہ اصل میں موضوع ہے ہر جاندار کے لئے جو زمین پر چلے اور غالب معنے اس کے سواری کے جانور ہیں۔ اور اگر اس کی ناقل شرع ہے تو اُسے منقول شرعی کہتے ہیں۔ مثلاً صوم وصلوٰۃ و زکوٰۃ وحج کہ لغت میں اُن کے وضعی معنے اور ہیں۔ مگر شریعت میں یہ الفاظ اور معانی میں مخصوص ہیں۔ اور اگر اس کا ناقل کوئی خاص طائفہ ہے۔ تو اسے منقول اصطلاحی کہینگے مثلاً مصطلحات علمیہ رکتب منطق۔ قطبی وغیرہ) اب ظاہر ہے۔ کہ توفی بحسب الوضع بمعنے موت موضوع نہیں کیونکہ اس کا مافذ و مادہ وفا ہے۔ اور نہ یہ لفظ مشترک المعنے ہے کہ اس کے معانی متعددہ میں سے ایک موت بھی ہو۔ اور نہ منقول شرعی ہے۔ کیونکہ ایسے الفاظ میں تصرف کرنے سے شریعت کو کچھ تعلق نہیں۔ اور نہ منقول اصطلاحی ہے۔ کیونکہ یہ کسی علم اور فن کی اصطلاح نہیں۔ اگر ہے تو یہی کہ یہ لفظ بروے علم اشتقاق وفا سے ماخوذ ہے۔ اور اس کے حقیقی اور وضعی معنے اَخذُ الشیءِ وافِیاً یعنے کسی چیز کو پورا پورا پکڑ لینا" ہیں اور چونکہ اس کے مفہوم میں رفع اور موت اور نیند بھی داخل ہیں۔ کیونکہ یہ بھی پوری پوری گرفت ہیں۔ اس لئے اس لفظ کا اطلاق رفع اور موت اور نیند پر بھی درست ہوگا بصرف اس اعتبار سے کہ توفی جنس ہے اور رفع اور موت اور نوم اس کی انواع ہیں۔ نہ اس لئے کہ یہ لفظ بحسب الوضع موت کے لئے موضوع ہے۔ توفی کے

Marfat.com

جنس اور رفع اور موت اور نیند کے انواع ہونے پر تفاسیر معتبرہ شاہد ہیں چنانچہ تفسیر کبیر میں امام رازیؒ فرماتے ہیں :-

قَوْلُهٗ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ یَدُلُّ عَلٰی حُصُوْلِ التَّوَفِّیْ وَهُوَ جِنْسٌ تَحْتَهٗ اَنْوَاعٌ بَعْضُهَا بِالْمَوْتِ وَبَعْضُهَا بِالْاِصْعَادِ اِلَى السَّمَآءِ فَلَمَّا قَالَ بَعْدَهٗ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ كَانَ هٰذَا تَعْیِیْنًا لِلنَّوْعِ وَلَمْ یَكُنْ تَكْرَارًا

خدا تعالے کا قول اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ صرف حصول توفی پر دلالت کرتا ہے۔ اور وہ جنس ہے۔ جس کے تحت کئی انواع ہیں۔ کوئی بالموت اور کوئی بالرفع الی السماء۔ پس جب خدائے تعالے نے اس کے بعد وَرَافِعُكَ اِلَیَّ فرمادیا تو یہ نوع کی تعیین کے لئے ہوا نہ کہ تکرار ؎

اسی طرح تفسیر بیضاوی و سراج منیر میں بذیل آیت فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ لکھا ہے :-

تَوَفَّیْتَنِیْ بِالرَّفْعِ اِلَى السَّمَآءِ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ وَالتَّوَفِّیْ اَخْذُ الشَّیْءِ وَافِیًا وَالْمَوْتُ نَوْعٌ مِّنْهُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَللّٰهُ یَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا (بیضاوی و السراج المنیر)

فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کے معنے یہ ہیں کہ خدایا جب تو نے مجھے آسمان پر اٹھالیا بدلیل اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ کیونکہ توفی کے معنے ہیں کسی شے کو پورا پورا لے لینا اور موت اس کی ایک نوع ہے۔ چنانچہ خدا تعالے نے فرمایا اَللّٰهُ یَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ الآیۃ (پ ۲۴ زمر، ۳۹ : ۴۲)

؎ اکمل صاحب نے تفسیر کبیر کے اس حوالہ پر بہت غضب ڈھایا ہے کہ امام رازیؒ کی شان میں حقارت آمیز طریق بیان اختیار کیا ہے۔ افسوس اکمل صاحب نے یہ کتاب مرزا صاحب آنجہانی کی وفات کے بعد لکھی اگر وہ ان کی زندگی میں لکھتے۔ تو ہم امام رازیؒ کی کسی کتاب کا کوئی ورق جناب مرزا صاحب کے سامنے رکھ کر کہتے کہ جناب اسے حل کیجئے۔ پھر اگر وہ اپنے مددگاروں سمیت اسے حل فرمادیتے تو جانتے۔ اگرچہ امام رازیؒ کی تصنیف کا امتحان کے لئے بھی مرزا صاحب کے سامنے پیش کرنا امام رازیؒ کی تصانیف کی بیقدری ہے سبحان اللہ! کجا رام رام کجا ٹیں ٹیں!! ۱۲

Marfat.com

حاصل مطلب یہ کہ لفظ توفی بحسب الوضع موت کے لئے موضوع نہیں ہے۔ صرف اس کا استعمال اس نسبت سے جو جنس اور نوع میں ہوا کرتی ہے بمعنے موت ہے اور بس۔ اور چونکہ تعیین نوع کے لئے حاجت قرینہ کی پڑا کرتی ہے۔ لہٰذا سلسلہ عبارت میں قرائن حالیہ و مقالیہ پر نظر کریں گے۔ جیسے کہ عَیْنٌ کہ یہ موضوع ہے۔ معانی متعددہ مثل زر چشم۔ زانو اور چشمہ آب کے لئے (بالاوضاع المختلفہ) تو اب ہر جگہ اس کا ایک ہی معنی نہ ہوگا۔ اور نہ ایک جگہ سارے معنے مراد ہوں گے بلکہ حسب حال مضمون عبارت و الفاظِ عبارت جس معنی کو اس جگہ مناسبت ہوگی وہ اس جگہ معین ہو جائے گا۔ چنانچہ آیت فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا میں عین کے معنی چشمۂ آب ہیں۔ کیونکہ اس جگہ استسقاء یعنی طلب آب اور انفجار یعنی پانی کا پھوٹ پڑنا اور مشرب یعنی پانی کی گھاٹ کا ذکر ہے۔ ان قرائن حالیہ و مقالیہ نے اُسے اس جگہ چشمۂ آب کے معنوں میں کر دیا اور آیت فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ میں قرینہ حمئۃ نے اس سے چشمۂ آب مراد ہونے پر دلالت کی اور آیت اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَاَمْثَالِهَا میں قرینۂ عبارت نے جارحہ یعنی آنکھ پر دلالت کی۔ اسی طرح جنس کو اس کی کسی نوع میں معین کرنے کے لئے حاجت قرینہ کی ہوتی ہے۔ ورنہ مضمون و مفہوم میں خلل پڑتا ہے۔ پس چونکہ **اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ** کو **وَرَافِعُكَ اِلَيَّ** کے ساتھ ضم کیا۔ اس لئے عیسٰے علیہ السلام کی توفی بِالرَّفْعِ اِلَى السَّمَآءِ ہوئی۔ مزید تفصیل لفظ توفی کی اس وقت کی جائے گی۔ جب آیات قرآنیہ جن میں لفظ توفی کے مشتقات آتے ہیں۔ اُن کا ایک نقشہ کھینچ کر ہر ایک کے ساتھ اس کے قرینۂ صارفہ کا ذکر کیا جائے گا۔ اور عنقریب آتے گا ——— انشاء اللہ تعالےٰ۔

کسی لفظ کے کسی معنی میں زیادہ مستعمل ہونے سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا

لے بمعنی عضو سعید القیوم میر

Marfat.com

کہ وہ ان معنوں سے مخصوص ہو گیا ہے۔ اور اس کے دیگر معانی و اطلاقات متروک و مہجور ہو گئے ہیں۔ مثلاً قاموس میں دابّہ کی وَالدَّآبَّۃُ مَا دَبَّ مِنَ الْحَیَوَانِ نسبت لکھا ہے کہ دابّہ اصل میں ہر وَغَلَبَ عَلٰی مَا یُرْکَبُ (قاموس) جاندار چیز کو کہتے ہیں جو زمین پر چلے۔ اور غالب استعمال اس کا سواری والے جانوروں پر ہوتا ہے۔ تو قاموس کے لکھنے سے آیت:-

وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا (پ ۱۲) یعنے "زمین میں کوئی جانور نہیں جس کا رزق خدا کے ذمے نہ ہو" (۱۱ : ۶)

اس کے معنے یہ نہ ہوں گے۔ کہ اللہ تعالےٰ صرف سواری کے جانوروں کا رازق ہے۔ بلکہ یہ لفظ اپنے اصلی وسیع معنوں میں لیا جائے گا کہ جو چیز زمین پر حرکت کرنے والی ہے۔ ان سب کا رزق حسب وعدہ اللہ تعالےٰ کے ذمّے ہے۔ اسی طرح اگر کتب لغت میں توفّی کا استعمال بمعنے موت لکھا ہوا ہے۔ تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ یہ لفظ انہی معنوں کے لئے موضوع ہے۔ یا انہی معنوں میں محصور ہے۔ بلکہ کتب لغت میں ہر قسم کے معانی وضعی۔ مجازی اور منقولی خواہ منقول شرعی ہوں۔ خواہ عرفی خواہ اصطلاحی سب لکھے ہوتے ہیں۔ ان میں سے کسی خاص مقام پر معانی مخصوصہ کا چسپاں ہونا سلسلہ عبارت اور قرائن حالیہ ومقالیہ پر موقوف ہے۔ اور یہ ضروری نہیں کہ جملہ قرائن کتب لغت میں مصرّح ہوں۔ کیونکہ قرائن محصور نہیں ہو سکتے بلکہ حسب مقام سلسلہ عبارت ومفہوم کلام میں قرائن مختلف ہوتے ہیں۔

چنانچہ حصول المامول جو امام شوکانی کی کتاب ارشاد الفحول کا اختصار ہے۔ اس میں لکھا ہے:-

وَلَا یُشْتَرَطُ النَّقْلُ فِیْ اٰحَادِ الْمَجَازِ بَلِ الْعِلَاقَۃُ کَافِیَۃٌ "اور مجاز کے افراد میں اہل لغت سے نقل ضروری نہیں۔ بلکہ صرف

وَالْمُعْتَبَرُ نَوْعُهَا وَإِلَيْهِ ذَهَبَ الْجُمْهُوْرُ وَهُوَ الْحَقُّ وَلَمْ يَأْتِ مَنِ اشْتَرَطَ ذَالِكَ بِحُجَّةٍ تَصْلُحُ لِذِكْرِهَا وَتَسْتَدْعِي التَّعَرُّضَ لِدَفْعِهَا وَكُلُّ مَنْ لَهُ عِلْمٌ وَفَهْمٌ يَعْلَمُ أَنَّ أَهْلَ الْعَرَبِيَّةِ مَازَالُوْا يَخْتَرِعُوْنَ الْمَجَازَاتِ عِنْدَ وُجُوْدِ الْعِلَاقَةِ وَنَصْبِ الْقَرِيْنَةِ وَهٰكَذَا مَنْ جَاءَ بَعْدَهُمْ مِنْ أَهْلِ الْبَلَاغَةِ فِيْ فَنَّيِ النَّظْمِ وَالنَّثْرِ وَيَتَمَادَحُوْنَ بِاخْتِرَاعِ الشَّيْءِ الْغَرِيْبِ مِنَ الْمَجَازَاتِ عِنْدَ وُجُوْدِ الْمُصَحِّحِ لِلتَّجَوُّزِ انتهٰی ۔ مہ

علاقہ کافی ہے۔ اور (زیادہ تر) اس کی نوع کا اعتبار ہے۔ اور جمہور علماء کا یہی مذہب ہے۔ اور یہی حق ہے۔ اور جس نے اس کے (نقل کو) ضروری قرار دیا ہے۔ اس نے ایسی حجت کوئی بھی پیش نہیں کی۔ جو ذکر اور پھر اس کی تردید کے لائق ہو بینے بالکل قابل التفات نہیں۔ اور جو شخص علم اور فہم رکھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اہل عربیت ہمیشہ علاقہ کے پائے جانے پر مجازات اور قرینہ اُن کا مقرر کرنا اختراع کرتے رہے ہیں۔ اور اسی طرح نظم اور نثر کے علمائے بلاغت جو ان سے بعد ہوتے آئے ہیں (وہ بھی اس بارہ میں اختراعات کرتے رہے ہیں) اور صحت مجاز کے قرینہ کے وقت کسی نادر مجاز کے اختراع کے سبب ایک دوسرے پر فخر کرتے رہے ہیں۔

حاصل اس تقدیر کا یہ ہوا۔ کہ جس جگہ توفی کے ساتھ موت اور اس کے لوازمات کا ذکر ہو۔ اس جگہ توفی کی تعیین نوع موت میں ہوگی۔ اور جہاں نیند اور اس کے مقتضیات موجود ہوں گے۔ وہاں اس کی تعیین نوع نوم میں ہوگی۔ اور جس مقام پر قرینہ رفع مذکور ہو۔ اس جگہ یہ لفظ نوع رفع میں معین ہوگا۔ جیسا کہ عنقریب نقشہ آیات توفی سے ظاہر ہوگا۔ انشاء اللہ غرض کتب لغت میں توفی بمعنے موت لکھا ہونے سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا۔

کہ یہ لفظ موت کے لئے موضوع ہے۔ کیونکہ علم تصریف اس کا برملا انکار کر رہا ہے۔ اور نہ یہ ثابت ہو سکتا ہے۔ کہ یہ لفظ اپنے اصلی معنوں سے ہٹ کر بمعنے موت مخصوص ہو گیا ہے۔ کیونکہ اہل لغت کا اس کو مجاز لکھنا اس کی صریح تردید کر رہا ہے۔ چنانچہ تاج العروس شرح قاموس میں ہے:۔

وَمِنَ الْمَجَازِ اَدْرَكَتْهُ الْوَفَاةُ اَيِ الْمَوْتُ وَالْمَنِيَّةُ وَتُوُفِّيَ فُلَانٌ اِذَا مَاتَ وَتَوَفَّاهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اِذَا قَبَضَ رُوْحَهٗ

اور مجاز میں سے ایک یہ ہے۔ اَدْرَكَتْهُ الْوَفَاةُ یعنے اسے موت نے پالیا یا پکڑ لیا اور تُوُفِّيَ فُلَانٌ (سیف) وہ پورا ہو گیا، کے معنے ہیں وہ مرگیا اور تَوَفَّاهُ اللّٰهُ (خدا نے اُسے پورا کر لیا) کے معنے ہیں خدا نے اس کی رُوح قبض کر لی۔

اور اسی طرح اساس البلاغۃ زمخشری میں لکھا ہے:۔

ومن المجاز تُوُفِّيَ فُلَانٌ وَتَوَفَّاهُ اللّٰهُ وَاَدْرَكَتْهُ الْوَفَاةُ

تُوُفِّيَ فُلَانٌ اور تَوَفَّاهُ اللّٰهُ اور اَدْرَكَتْهُ الْوَفَاةُ سب مجاز ہیں[1]

اور **مجاز** بولنا تب ہی درست ہے۔ جب حقیقی معنے متروک نہ ہوں چنانچہ **قطبی** میں بعد تقسیم لفظ باعتبار معانی جو اُوپر گزر چکی ہے۔ یہ لکھا ہے۔ کہ "اگر معنے اول متروک نہ ہوں بلکہ اس میں بھی اس لفظ کا استعمال ہو تو اُسے **حقیقت** کہتے ہیں۔ جب پہلے معنوں میں

وَاِنْ لَمْ يُتْرَكِ الْاَوَّلُ بَلْ يُسْتَعْمَلُ فِيْهِ اَيْضًا يُسَمّٰى حَقِيْقَةً اِنِ اسْتُعْمِلَ فِي الْاَوَّلِ وَهُوَ الْمَنْقُوْلُ عَنْهُ وَمَجَازًا اِنِ اسْتُعْمِلَ

---

[1] اکمل صاحب بھی عجب کمال کے پتلے ہیں۔ کہ باوجود ائمہ لغت کی تصریح کے کہ توفی بمعنے موت مجاز ہے الزاماً لکھتے ہیں:۔ "موت کے معنے کو مجاز کہنا آپ کی ہی ایجاد ہے (صفحہ ۲) کیا تاج العروس اور اساس البلاغۃ بھی میری تصانیف ہیں؟ "سعادت" منہ۔

فِي الثَّانِي وَهُوَ الْمَنْقُوْلُ اِلَيْهِ مستعمل ہو اور وہ اس کا معنے منقول (قطبی ص۱۷ مطبع رحیمیہ دیوبند) عنہ (جس سے نقل کرکے مجازی معنے لئے گئے ہیں) ہے۔ اور اگر دوسرے معنوں میں مستعمل ہو تو اُسے مجاز کہتے۔ اور وہ معنے منقول الیہ ہے (نقل کرکے جو معنے مُراد لئے گئے ہیں)۔

ائمہ لغت کے توفی کو مجازاً بمعنے موت لکھنے سے صاف ثابت ہوگیا۔ کہ توفی کے اپنے وضعی معنے اَخْذُ الشَّيْءِ وَافِيًا متروک نہ ہوں گے۔ آسان طریق جو جلدی راہ راست پر لادے وہ یہ ہے۔ کہ توفی کو کتب لغت سے تلاش کرو۔ اگر یہ لفظ وفا کے ضمن میں مذکور ہو تو اُسے وفا سے ماخوذ سمجھو۔ ورنہ نہیں۔ اور پھر جملہ تصریفات وفا پر نظر کرو تو صاف معلوم ہوجائے گا۔ کہ اس کے معنے "پورا کرنے کے" ہیں۔ اور جو معنی مجازی ہوں گے۔ وہ باعتبار اس علاقہ کے ہوں گے۔ جو حقیقت اور مجاز میں ضروری ہے۔ چنانچہ حصول المامول میں ہے:۔

لَا بُدَّ مِنَ الْعِلَاقَةِ فِي كُلِّ مَجَازٍ فِي مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْحَقِيْقَةِ وَالْعِلَاقَةُ هِيَ اتِّصَالُ الْمَعْنَى الْمُسْتَعْمَلِ فِيْهِ بِالْمَوْضُوْعِ لَهٗ (حصول ص۳۱ مصری)	ہر مجاز میں اس علاقہ کا ہونا ضروری ہے۔ جو اس میں اور حقیقت میں ہوتا ہے۔ اور علاقہ اس اتصال (معنوی) کو کہتے ہیں جو معنے مستعمل فیہ (مجازی) اور معنے موضوع لہٗ (حقیقی) میں ہوتا ہے۔

اور چونکہ علاقات و اتصالات معنے مستعمل فیہ اور موضوع لہٗ میں حسب اقتضائے مقام مختلف ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کی تقریر کتب لغت میں ضروری نہیں۔ چنانچہ حصول المامول ... میں سے گزر چکا ہے کہ علاقات مقتضیہ مجاز کے لئے ضروری نہیں۔ کہ وہ کسی کتاب میں مذکور ہوں بلکہ وہ علاقہ جس سے معنی مستعمل فیہ و موضوع لہٗ میں نسبت پیدا ہوسکے کافی

ہے۔ پس کتب لغت میں سے وضعی اور منقول اور مجازی معنے میں تمیز کرنے کے لئے ان قواعد کا جاننا ضروری ہے۔ جن پر ان کی سمجھ موقوف ہے اور وہ کتب اصول و بلاغت میں بالتفصیل مذکور ہیں۔ فَافْهَمْ

پہلے ثابت ہو چکا ہے۔ کہ توفی کے معنے اَخْذُ الشَّیْءِ وَافِیًا ہیں اور یہ بھی محقق ہو چکا ہے۔ کہ توفی جنس ہے۔ اور نزع اور موت اور نیند اس کی انواع ہیں۔ اور یہ بھی مذکور ہو چکا ہے۔ کہ تعیین نوع کے لئے وجود قرینہ یا تعذر حقیقت کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ بغیر اس کے مراد متکلم (کہ ان معانی و انواع میں سے کون سی نوع اس کی مراد ہے) معین نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا قرآن شریف وہ سب آیات جن میں مشتقات توفی (باب تفعل) وارد ہوئے ہیں لکھ کر ناظرین کے پیش کرتے ہیں۔ اور ساتھ ہی قرائن صارفہ پر بھی اشارات کرتے جاتے ہیں۔

نقشہ آیات توفی مع بیان قرینہ

نمبر	آیت	ترجمہ	بیان قرینہ
۱	(۱) وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا (بقرہ پ ۲، ۲ : ۲۳۴)	تم میں سے جو قبض کئے جاتے ہیں۔ اور بیویاں چھوڑ جاتے ہیں۔ ان کی بیویاں (دوسرے نکاح کے لئے) چار مہینے اور دس دن رات انتظار کریں۔	ان ہر دو آیات میں عورتیں بیوہ چھوڑنا اور عدت حالت بیوگی اور وصیت توفی سے موت مراد لینے کے قرینے ہیں۔
۲	(۲) وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا	تم میں سے جو لوگ قبض لئے جاتے	

نمبر	آیت	ترجمہ	بیان قرینہ
	وَصِیَّۃً لِّاَزْوَاجِھِمْ مَّتَاعًا اِلَی الْحَوْلِ غَیْرَ اِخْرَاجٍ (بقرہ پ۲) (۲۴۱ : ۲)	ہیں۔ یعنے مرجاتے ہیں۔ اور (پیچھے) بیویاں چھوڑ جاتے ہیں۔ وہ اپنی بیویوں کے لئے ایک سال کے گزارے اور سکونت کی وصیت کرجائیں۔	
۳	(۱) حَتّٰی یَتَوَفّٰھُنَّ الْمَوْتُ (نساء پ۴)	حتےٰ کہ قبض کرے ان کو موت (۴ : ۱۵)	نمبر ۳ سے نمبر ۱۱ تک ان نو آیات میں
۴	(۲) اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِھِمْ (نساء پ۵) (۴ : ۹۷)	جن کو فرشتے قبض کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ (فرشتے) اُن (کفار) کی جانوں پر سختی کرتے ہیں۔	توفی سے موت مراد لینے کے لئے ملائکہ موت اور جان کندن کے وقت
۵	(۳) حَتّٰٓی اِذَا جَآءَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْہُ رُسُلُنَا (انعام پ۷) (۶ : ۶۱)	حتےٰ کہ جب تم میں سے ایک کی موت آجاتی ہے تو ہمارے فرشتے اس کو قبض کرلیتے ہیں۔	کفار کو عذاب کرنا اور مومنوں کو سلام اور بشارت جنت سنانا صاف اور صریح قرینے
۶	(۴) حَتّٰٓی اِذَا جَآءَتْھُمْ رُسُلُنَا یَتَوَفَّوْنَھُمْ (پ۸ : اعراف) (۷ : ۳۷)	حتےٰ کہ جب ان کے پاس ہمارے فرشتے آجاتے ہیں۔ تو ان کو قبض کرلیتے ہیں۔	ہیں۔ احادیث میں ان کی تفصیل موجود ہے۔
۷	(۵) وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ	کاش تو دیکھے جب	

Marfat.com

نمبر	آیت	ترجمہ	بیان قرینہ
	يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ (انفال پ۱۰)	قبض کرتے ہیں فرشتے کفار کو مارتے ہیں۔ اُن کے چہروں پر اور پشتوں پر۔ (۸: ۵۰)	
۸	(۶) فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ (محمد پ۲۶)	پس کس طرح ہوگا۔ جب قبض کریں گے۔ اُن کو فرشتے مارتے ہوئے ان کے چہروں پر اور ان کی پشتوں پر۔	
۹	(۷) الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ (پ۱۴ نحل ۱۶: ۲۸)	جن کو قبض کرتے ہیں۔ فرشتے سختی کرتے ہوئے اُن کی جانوں پر۔	
۱۰	(۸) الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ (پ۱۴ نحل)	جن کو قبض کرتے ہیں فرشتے خوشحالی میں۔ (۱۶: ۳۲)	
۱۱	(۹) قُلْ يَتَوَفَّاكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ (الم سجدہ پ۲۱) (۳۲: ۱۱)	(اے پیغمبر) اُن سے کہو تم کو قبض کرے گا ملک الموت جو تم پر مقرر کیا گیا ہے۔	
۱۲	(۱) وَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ	اگر ہم تجھ کو اپنے وعدے کے ایک	ان تین آیات میں توفی مقابلہ نُرِيَنَّكَ

Marfat.com

نمبر	آیت	ترجمہ	بیان قرینہ
	اَوْ نَتَوَفَّیَنَّکَ (یونس پ ۱۱) (۱۰: ۴۶)	حصہ کی باتیں دکھا دیں۔ یا تجھ کو قبض کر لیں۔ (۱۳: ۴۰)	آئی ہے۔ جو معنے موت کے لئے قوی قرینہ ہے۔ کیوں کہ وعدہ نُرِیَنَّکَ زندگی چاہتا ہے۔ پس نَتَوَفَّیَنَّکَ ضرور اسکی ضد یعنی موت ہونا چاہئے۔ دیگر یہ کہ اس مضمون میں سورت زخرف پ ۲۵ (۴۳: ۴۲) میں نَتَوَفَّیَنَّکَ کی بجائے نَذْھَبَنَّ بِکَ وارد ہے جو کنایہ ہے فنا سے۔
۱۳	(۲) وَاِمَّا نُرِیَنَّکَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُھُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّکَ (رعد پ ۱۳)		
۱۴	(۳) فَاِمَّا نُرِیَنَّکَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُھُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّکَ (مومن پ ۲۴) (۴۰: ۷۷)		
۱۵	(۱) وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ ثُمَّ یَتَوَفّٰکُمْ وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰٓی اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِکَیْ لَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَیْئًا۔ (نحل پ ۱۴) (۱۶: ۷۰)	خدا نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو قبض کرے گا اور بعض تم میں سے اس لئے ارذل عمر تک پہنچائے جاتے ہیں کہ بعد جاننے کے کچھ بھی نہ جانیں۔	ان آیات میں جس جس موقع پر لفظ توفی وارد ہوا ہے سورت مومنون پ ۱۸ ع ۱ میں اس موقعہ پر لفظ مَیِّتُوْنَ (۲۳: ۱۵) وارد ہوا ہے۔ پس صاف معلوم ہوگیا کہ یہ آیت
۱۶	یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ	اے لوگو اگر تم (دوبارہ) جی اٹھنے سے شک میں ہو۔	توفی کی تفسیر موت سے کرتی ہے۔ علاوہ

Marfat.com

بیان قرینہ	ترجمہ	آیت	نمبر
بر ہیں یہ کہ قبل پیدائش سے موت تک جس قدر مختلف قدرتی تحولات انسان پر وارد ہوتے ہیں۔ ان آیات میں ان سب کا بالتفصیل ذکر ہے۔ مثلاً پہلے مٹی پھر نطفہ پھر علقہ پھر مُضغہ (گوشت کا ٹکڑا) پھر ہڈی پر گوشت پھر مدت حمل تک رحم میں رہنا، پھر طفل ہو کر پیدا ہونا پھر بڑھنا پھر جوان ہونا۔ پھر بوڑھا ہونا۔ پھر اجل مقرر تک پہنچ کر مرنا۔ یہ سب حالتیں اس بات کے قرائن ہیں کہ ان مقامات پر توفی سے مراد موت	تو (خیال کرو کہ) ہم نے (پہلے) تو تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نطفہ سے پھر جمے خون سے۔ پھر رسے بنے ہوتے اور نہ بنے ہوتے گوشت کے ٹکڑے سے۔ تاکہ تم کو بتا دیں۔ اور ٹھیرائے رکھتے ہیں۔ ہم رحموں میں جو چاہیں۔ وقت مقرر تک پھر تم کو بچے کی صورت میں باہر نکالتے ہیں۔ پھر (تم کو زندہ رکھتے ہیں) تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو۔ اور بعض تم میں سے (پہلے) قبض کئے جاتے ہیں۔ اور بعض ارذل عمر تک پہنچائے جاتے ہیں۔ تاکہ جاننے کے بعد کچھ بھی نہ جانیں۔	فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا (حج پ۱۷) (۲۲ : ۵)	
ہے۔ کیونکہ موت بھی ایک حالت ہے۔ پچھلی		هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ	۱۷

Marfat.com

نمبر	آیت	ترجمہ	بیان قرینہ
	نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُونُوا شُيُوخًا وَمِنْكُمْ مَنْ يُتَوَفَّىٰ مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوا أَجَلًا مُسَمًّى ۔ (مومن پ ۲۴) (۴۰: ۶۷)	پیدا کیا۔ پھر نطفے پھر جمے خون سے، پھر تم کو بچے کی صورت میں نکالتا ہے، پھر تم کو زندہ رکھتا ہے) تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو۔ پھر تاکہ تم بوڑھے ہو جاؤ۔ اور بعض تم میں سے (پہلے) ہی قبض کر لئے جاتے ہیں۔ اور تاکہ تم (اپنی) اجل مقررہ کو پہنچو؛	آیت (سورہ مومن پ ۲۴) میں ایک اور نکتہ ہے کہ چونکہ جملہ معللہ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ کا عطف خبر يُخْرِجُكُمْ پر نہیں ہو سکتا۔ اس لئے لامحالہ يُبْقِيكُمْ مقدر نکالنا پڑے گا (رجامع البیان زیر آیت ہذا) لہذا لبقا کے معنے ہے ہیں جو توفی ہوگی۔ ضرور اس سے مراد فنا یعنے موت ہوگی؛
۱۸	رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ (آل عمران پ ۴) (۳: ۱۹۲)	خداوندا! ہمارے گناہ بخش دے اور ہماری برائیاں دُور کر دے۔ اور ہم کو نیکوں کے ساتھ قبض کرنا؛	ان آیات میں قرینہ صارفہ موجود ہے۔ اور وہ دعائے لحوق بالصالحین والابرار ہے کیونکہ یہ الفاظ کنا یہ
۱۹	رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ ۔ (اعراف پ ۹ ر ۷) (۷: ۱۲۶)	خداوندا! ہم پر فضل انڈیل دے اور قبض کرنا ہم کو مسلمان کر کے؛	ہیں موت سے جیسے کہ صحیح بخاری میں ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ

Marfat.com

نمبر	آیت	ترجمہ	بیان قرینہ
۱۹	(۲) اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۝ (یوسف پ۱۳) (۱۲ : ۱۰۱)	تو ہی میرا مددگار ہے دنیا میں بھی - اور آخرت میں بھی قبض کرنا مجھے مسلمان کرکے اور ملانا مجھے صالحین سے ؛	علیہ وآلہ وسلم نے اَوَّلُکُنَّ لُحُوْقًا بِیْ اَطْوَلُکُنَّ یَدًا ۔ اور نیز صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرض الموت میں مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ الآیہ پڑھا اور نیز اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاَلْحِقْنِیْ بِالرَّفِیْقِ اور نیز آخر کلمہ آپ کا اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی تھا ۔ ان سب احادیث سے ثابت ہوا - کہ دعائے لحوق بالصالحین والابرار والرفیق الاعلیٰ سے موت بخاتمہ حسنہ مراد ہوتی ہے لہٰذا یہ آیات بھی قرینہ سے خالی نہیں ؛
۲۱	(۱) وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِالَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبْعَثُکُمْ فِیْهِ لِیُقْضٰٓی اَجَلٌ مُّسَمًّی (انعام پ۷) (۶ : ۶۰)	خدا وہ ذات ہے جو تم کو رات کو قبض کرتا ہے ۔ اور جانتا ہے ۔ جو تم دن کو کرتے ہو ۔ پھر تم کو دن کے وقت اٹھا کھڑا کرتا ہے ۔ تاکہ زندگی کی مدت مقرر پوری کی جائے ۔	ان آیتوں میں بھی قرائن موجود ہیں ۔ پہلی آیت میں توفے سے مراد نیند ہے کیونکہ قرینہ لیل (رات) موجود ہے اور پھر ساتھ ہی پھر دن کو اُٹھ کھڑے ہونے اور کام کاج کرنے کا ذکر ہے ۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مراد اس توفے سے جو رات کے وقت ہو اور پھر اس کے بعد دن کو کھڑے ہوں ، نیند ہے ۔ اسی طرح دوسری آیت میں پہلے موقع پر توفے سے مراد موت ہے بقرینہ حِیْنَ مَوْتِہَا اور دوسرے موقع پر جو

Marfat.com

نمبر	آیت	ترجمہ	بیان قرینہ
۴۲	(۲) اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِھَا فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْھَا الْمَوْتَ وَ یُرْسِلُ الْاُخْرٰی اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی ۔ (زمر پ ۲۴: ۳۹: ۴۲)	خدا ہی قبض کرتا ہے جانوں کو موت (روح اور جسم کی مفارقت) کے وقت اور جو ابھی نہیں مریں ان کو (قبض کرتا ہے) ان کی نیند میں، پس جس پر موت (کا حکم) جاری کیا ہے۔ اس کو تو بند رکھتا ہے۔ اور دوسری (نیند والی) کو مدت مقرر (موت) تک بھیجتا رہتا ہے،	بقاعدہ، عطف محذوف ہے اس سے مراد نیند ہے بقرینہ مَنَامِھَا اس پچھلی آیت میں ایک اور نکتہ ہے۔ کہ جب نفس کی توفی بالموت ہوتی ہے۔ اس کے لئے اللہ تعالے نے فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْھَا الْمَوْتَ فرمایا جس سے معلوم ہوا۔ کہ توفی کے وضعی معنی صرف اخذ الشیءِ وافیا ہیں۔ کیونکہ امساک سے مراد ابقاء ہے۔ اسی حالت ماخوذہ پر نہ تجدد۔ اور اسی لئے قضا بالموت کی تصریح ضروری ہوئی۔ اس آیت کی دوسری شق میں جہاں توفی سے مراد نیند ہے۔ علاوہ قرینہ فِیْ مَنَامِھَا کے یُرْسِلُ الْاُخْرٰی اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی قرینہ ہے توفی سے نیند مراد لینے پر؛ کیونکہ اس کے معنے وہی ہیں جو پہلی آیت سورت انعام میں ثُمَّ یَبْعَثُکُمْ فِیْهِ لِیُقْضٰٓی اَجَلٌ مُّسَمًّی کے ہیں۔ غرض ان آیات میں حسب قرائن لیل ومنام وبعثۃ فی النہار (دن کو اٹھا کھڑا ہونا) توفی سے مراد نیند ہے۔ اور یہ توفی کی دوسری نوع ہے۔ گذشتہ آیات میں توفی کی

Marfat.com

نمبر	آیت	ترجمہ	بیان قرینہ
			ایک نوع موت آئی تھی لبقرائن موجبہ معنے موت اور اس جگہ لبقرائن موجبہ معنے نیند توفی کی دوسری نوع نیند ثابت ہوئی کیا اب بھی توفی کے جنس اور موت اور نیند کے انواع ہونے میں شک باقی رہا ہے۔

لہ **تنبیہ** - واضح ہو۔ کہ نیند کے موقع پر قبض روح کا لفظ بولنے سے کسی کو یہ دہوکہ نہ لگ جاوے۔ کہ نیند موت ہوتی ہے نفی کے لئے اسی آیت سورہ زمر میں وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ موجود ہے مرزا صاحب قادیانی نے اس آیت میں لفظ لَمْ تَمُتْ چھوڑ دیا ہے۔ تاکہ کسی کو یہ خبر نہ ہوجائے کہ سوئے ہوئے کا حکم لَمْ تَمُتْ ہے یعنے یہ کہ وہ مُردہ نہیں اور حدیث شریف میں جو اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا آیا ہے۔ وہ اس آیت کے معارض نہیں - کیونکہ قرآن شریف میں نفی حقیقت موت کی گئی ہے۔ اور حدیث میں نیند کو موت مجازاً کہا گیا ہے۔ بموجب اس تحقیق کے جو ہم نے ذکر کی نہ مطابق زعم مرزا صاحب قادیانی کے۔

اور اہل علم پر روشن ہے۔ کہ حقیقت و مجاز کے رُو سے نفی و اثبات کا فرق ہو تو ان میں تعارض و تناقض نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہر دو میں ذوات مختلف ہیں ؛

نمبر	آیت	ترجمہ	بیان قرینہ
۲۳	(۲) قُلْ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي شَكٍّ	(اے پیغمبر!) کہو اے لوگو! اگر تم میرے دین سے شک	مراد اس آیت سے یہ ہے کہ میں تو اپنا معبود صرف اس ذات برحق کو بناتا ہوں - جس کے قبضہ و اختیار میں تمہارا ایجاد و ابقا اور اعدام وافناء اور ارجاع ہے جیساکہ آیت کَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَا

Marfat.com

نمبر	آیت	ترجمہ	بیان قرینہ
	مِّنْ دِيْنِيْ فَلَآ أَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ أَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰكُمْ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (یونس پ ۱۱) (۱۰ : ۱۰۴)	میں ہوں۔ تو (سن رکھو کہ) میں تو ان کو جنکو تم پوجتے ہو کبھی نہیں پوجونگا۔ ہاں میں تو صرف اللہ کی عبادت کروں گا جو تم کو قبض کرتا ہے۔ اور مجھے حکم ہوا ہے۔ کہ ایمانداروں میں سے ہوں)	کُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ٥ (۲ : ۲۸) وامثالہا سے ظاہر ہے اور صرف اعدام وافنا کے ذکر پر اکتفا کی یہ وجہ ہے کہ علوم عقلیہ میں ثابت شدہ ہے کہ ذکر احد الضدین کا استلزاماً ضد آخر پر دلالت کرتا ہے۔ جیسے **نور** کہ اس کے ذکر سے اس کی ضد **ظلمت** کا بھی تصور حاصل ہوتا ہے اور اسی طرح سواد سے بیاض۔ پس اسی طرح ذکر اعدام استلزاماً ایجاد کا بھی مشعر ہے۔ قرآن شریف میں اس کی نظائر بہت ہیں۔ دیکھو تفسیر کبیر و کشاف و ابی السعود تحت آیت سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ کہ مجرد گرمی کے ذکر سے اس کی ضد سردی بھی معلوم ہو سکتی ہے اور نیز فتح الباری شرح صحیح بخاری باب ذکر الملائکہ میں تحت ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ الَّذِيْنَ بَاتُوْا فِيْكُمْ مسطور ہے۔ کہ اس سے اَلَّذِيْنَ ظَلُّوْا پر بھی دلالت ہو سکتی ہے۔ پس ثانی کو استغناءً حذف کیا۔ لِأَنَّ ذِكْرَ أَحَدِ الضِّدَّيْنِ تَنْبِيْهٌ عَلَى الضِّدِّ الْآخَرِ۔ نیز اس لئے کہ تحقق فناء واعدام بغیر تحقق ایجاد کے متصور نہیں ہوتا۔ پس جو توفی بمقابلہ ایجاد مذکور ہو لابد اس سے مراد اعدام ہوگی وَحَقَّ الْمَوْتُ۔ اور باوجود

Marfat.com

نمبر	آیت	ترجمہ	بیان قرینہ
			ہر شے کے قبضۂ قدرت باری عز اسمہٗ میں ہونے کے جیسا کہ فَسُبْحَانَ الَّذِیْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ سے ثابت ہے۔ صرف مخاطبین یعنے کفار ہی کو متعلق توفی گردانے میں تہدید کفار ملحوظ ہے۔ جیسا کہ سیاق سے ظاہر ہے۔ اور یہی امر موید ہے تخصیص ذکر توفی کا دُوْنَ ذِکْرِ نِعْمَۃِ الْاِیْجَادِ لِاَنَّ الْمَقَامَ مَقَامُ تَخْوِیْفٍ وَّ تَھْدِیْدٍ یعنے ایجاد و خلق کی نعمت کا ذکر اس لئے نہیں کیا۔ کہ یہ مقام تخویف و تہدید کا ہے۔ اور اصل بلاغت یہی ہے۔ کہ مقتضائے حال کا لحاظ کیا جائے۔ اور نیز چونکہ اس آیت مَا نَحْنُ نِیْھَا سے پہلے اہلاک کفار اور انجاد رسل اللہ و مومنین کا ذکر ہے۔ اس لئے مراد اس بارہ آیت سے یہ ہوگی۔ کہ میں اُسی ایک معبود برحق کی پرستش کرتا ہوں جس نے مجھ سے تمہاری ہلاکت اور میرے بقا کا وعدہ کیا ہے۔ پس اس طریق سے بھی توفی بمقابلہ ابقاء مذکور ہوئی۔ فَثَبَتَ الْقَرِیْنَۃُ وَانْدَفَعَتِ الرَّتِیْبَۃُ۔ مضمون مذکور تفاسیر معتبرہ مثل تفسیر کبیر۔ ابن کثیر۔ فتح البیان ابی السعود۔ رحمانی۔ کشاف وغیرہ سے ماخوذ ہے۔ فَتَأَمَّلْ وَلَا تَعْجَلْ۔

Marfat.com

	آیت	ترجمہ	بیان قرینہ
۲	(۲) یٰعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ وَ مُطَهِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا (آل عمران پ ۳ ع ۶)	اے عیسےٰؑ میں ہوں تیرا بھر لینے والا اور تجھے اپنی طرف اٹھا لینے والا اور کافروں سے تجھے پاک رکھنے والا (۳ ۱ ۵۴)	ان ہر دو آیات میں توفی سے مراد رفع جسمی ہے۔ بقرینہ صریحہ رَافِعُکَ اِلَیَّ وَ مُطَهِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا (اٹھا لینے والا ہوں تجھ کو اپنی طرف) اور آیت ثانیہ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ (بلکہ اٹھا لیا خدا نے اس کو طرف اپنی (۴۲ ع ۱۵۸) اور بموجب حدیث نزول کے بتصریح مِنَ السَّمَآءِ (کتاب الاسماء و الصفات للبیہقیؒ و نیز کنز العمال) کَمَا سیجیٔ ذکر ذالک مستوفیٰ اِنْشَاءَ اللّٰهُ تعالےٰ۔

بس اب قرآن شریف کی جملہ آیات توفی کا پورا بیان ہو چکا۔ اور ایک نیک باطن، پاک طینت، صاحب بصیرت کے لئے کوئی گنجائش انکار باقی نہ رہی۔ اور مرزا صاحب قادیانی کے طعن کا جواب جس میں انہوں نے اپنے ازالہ صـ ۳۳۵ میں کل علمائے سلف و خلف کو ملحد و محرف قرار دیا ہے کافی طور پہ ہو چکا کہ دیگر مواقع پر توفی سے موت اور نیند مراد لینے کی یہ وجوہ ہیں اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے بارے میں توفی سے رفع مراد لینے کی یہ وجہ ہے۔ لہٰذا مرزا صاحب قادیانی کو کوئی حق نہیں کہ ناحق علمائے اسلام کی شان میں بدزبانی کر کے اپنا نامۂ اعمال سیاہ کریں[1]۔

۵　　چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
　　میلش اندر طعنۂ پاکاں کند

[1] اب تو برزخ میں اس بدزبانی کا مزہ چکھ رہے ہوں گے۔ ۱۲ منہ

Marfat.com

اگر کوئی لفظ کئی معنوں میں اطلاق پذیر ہے۔ خواہ وہ معنے حقیقی ہوں، خواہ منقولی یا قسا جہا تو قرآن شریف میں اس کے مواضع کثیرہ میں ایک ہی معنے میں مستعمل ہونے سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا ہے کہ دیگر مواضع میں بھی اس کے یہی معنے لگیں گے۔ کیونکہ ایسی کئی مثالیں ہیں۔ کہ سارے قرآن شریف میں کسی لفظ کے ایک ہی معنے ہیں۔ اور صرف ایک جگہ پر اس لفظ کے اور معنے ہیں۔ یہاں صرف پانچ مثالوں پر اکتفا کی جاتی ہے۔ زیادہ تحقیقات کے لئے تفسیر اتقان کو ملاحظ فرمادیں۔

اوّل لفظ اصحاب النار (قرآن مجید میں جس جگہ آیا ہے اس کے معنے دوزخ میں جلنے والے کفار و فساق ہیں۔ سوائے سورت مدثر کے کہ اس میں اس کے معنے وہ فرشتے ہیں جو دوزخ پر مقرر ہیں +

دوم بعل کے معنے سورہ بقرہ اور نساء میں شوہر ہیں اور سورہ صافات میں نام ہے اس بت کا جسے وہ قوم پوجتی تھی۔ جن کی طرف حضرت الیاسؑ بھیجے گئے تھے +

سوم - عود اور عادۃ کے معنے سارے قرآن شریف میں تکرار فعل کے ہیں - بجز آیت وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِن نِّسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا (پ۲۸ مجادلہ) (۳ : ۵۸) کے کہ اس میں توبہ اور پشیمانی مراد ہے۔

چہارم :- ریب کے معنے ہر جگہ شک ہیں۔ مگر آیت رَيْبَ الْمَنُونِ پ۲۷ الطور (۳ : ۵۲) میں حوادثِ زمانہ مراد ہے۔

پنجم : بروج سے مراد ہر جگہ کواکب ہیں۔ مگر بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ (پ۵ نساء) (۴ : ۷۸) میں اونچے اور محکم محل مراد ہیں۔

Marfat.com

وَرَافِعُکَ اِلَیَّ

لفظ توفی کی نسبت کافی طور پر تحقیق ہو چکی اور علم تصریف اور کتب لغت اور تفاسیر معتبرہ سے بہ بسط محقق ہو چکا کہ لفظ تَوَفِّیْ اَخْذُ الشَّیْءِ وَافِیاً یعنے کسی چیز کو پورا پورا لے لینے کے لئے موضوع ہے۔ اور موت اور نیند اور رفع اس کے انواع ہیں۔ اور یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ کسی ایک نوع کی تعیین کے لئے حاجت قرینہ کی ہوتی ہے۔ جیسا کہ نقشہ آیات توفی سے ظاہر ہو چکا ہے۔ پس قول الٰہی یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ سے رفع جسد الی السَّمَآء مراد لینے کے لئے پہلا قرینہ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ ہے۔ اور رَافِعُکَ اِلَیَّ سے رفع رُوح اور عزت کی موت مراد نہیں ہے۔ جیسا کہ مرزا صاحب قادیانی کہتے ہیں۔ بلکہ مُراد اس سے رفع جسم الی السماء ہے لاغیر۔

تفصیل اس اجمال کی یوں ہے۔ کہ صراح میں لکھا ہے رفع برداشتن وَھُوَ خِلَافُ الْوَضْعِ یعنے رفع کے معنے اُوپر کی طرف اٹھانا ہیں۔ برخلاف لفظ وضع کے کہ اس کے معنے "نیچے رکھنا" ہیں۔ اسی طرح المصباح المنیر میں لکھا ہے۔ رَفَعْتُہٗ رَفْعًا خِلَافَ خَفَضْتُہٗ *

لغت کی کسی کتاب میں رفع کے معنے "عزت کی موت" نہیں لکھے۔ اور نہ کسی محاورہ میں اس کا استعمال اس معنے میں پایا گیا ہے۔ یہ صرف مرزا صاحب کا تصرف فی اللغۃ ہے۔ جس طرح چاہتے ہیں قرآن و حدیث اور لغت کو اپنی مرضی کے تابع کر لیتے ہیں[1]۔

---

[1] اکمل صاحب قادیانی نے اس موقع پر عجیب کمال دکھایا ہے آپ "رفع الی اللہ" سے "عزت کی موت" مراد لینے کی وجہ میں فرماتے ہیں:۔ "اگر کہیں عزت کی موت (مرزا صاحب نے) لکھا ہے تو اس کی یہ وجہ ہے۔ کہ توفی کے معنے موت اور رفع الی اللہ سے مراد عزت دونوں ملا کر حاصل

* "میں نے اس کو اوپر اٹھایا" برخلاف میں نے اسے نیچے رکھا کے" عبدالقیوم میر۔

Marfat.com

اگر کہا جائے کہ جب رفع کا صلہ الیٰ آتا ہے۔ تو یہ کنایہ ہوتا ہے اعزاز و اکرام سے۔ جیسا کہ محاورہ رَفَعْتُہٗ اِلَی السُّلْطَانِ صراح میں موجود ہے[1]۔ تو اس کا جواب اوّل تو یہ ہے کہ اس محاورے سے تمسک کرنے سے مرزا صاحب کو کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ وہ تو رفع الی اللہ سے "عزت کی موت" مراد لیتے ہیں۔ پس جب تک محاورہ رفعتہ الی السلطان میں بھی عزت کی موت مراد نہ ہو۔ تب تک اس سے ان کو کوئی فائدہ نہیں۔

ثانیاً یہ کہ محاورہ رفعتہٗ اِلَی السلطان کو رفع جسمی کے انکار میں پیش کرنا استعداد علمی سے عاری ہونے کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ صراح کی پوری عبارت یوں ہے "و نزدیک گردانیدن کسے را بکسے صِلَتُہٗ بِاِلیٰ وَمِنْ ذَالِکَ قَوْلُھُمْ رَفَعْتُہٗ اِلَی السُّلْطَانِ۔ جب عبارت "نزدیک گردانیدن کسے را بکسے" موجود ہے تو اس سے ذی علم و فہم کو یہ وہم نہیں ہو سکتا۔ کہ اس جگہ رفع سے مراد صرف رفعتِ منزلت ہے۔ کیونکہ کسی کو کسی کے نزدیک کرنے میں قرب جسمی ملحوظ ہوتا ہے۔ پس محاورہ رَفَعْتُہٗ اِلَی السُّلْطَانِ کے معنے یہ نہیں کہ اس شخص کو گھر بیٹھے بٹھائے عزت دلادی بلکہ معنے تو یہ ہیں کہ میں اس کو بادشاہ کے حضور لے گیا۔ عزت اور ذلت سے اس میں کوئی بحث نہیں اگر وہ شخص منظور نظر شاہی ہے۔ تو حضور شاہی میں اس کی عزت ہوگی اور اگر کوئی مجرم ہے۔ تو موردِ سخطات شاہی ہوگا۔ کیونکہ بادشاہ اور حاکم کی حضوری

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۳۷) مطلب عزت کی موت ہوا۔ ۱۲ (منہ۲) جناب سبحان اللہ! دو اور دو چار روٹیاں اسی کو کہتے ہیں۔ جناب عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت توفی اور رفع الی اللہ ہر دو مستقل بالمفہومیۃ اور متساوق ہیں۔ ایک کو دوسرے کا ضمیمہ بنا کر معجون مرکب نہیں بنا سکتے۔ — سخن شناس نہ اکلا! خطا اینجاست ۱۲ سعادت ۱۲ منہ۔

[1] جیسا کہ مولوی مبارک علی صاحب سیالکوٹی احمدی نے اپنے رسالہ القول الجمیل میں لکھا ہے ۱۲ منہ

Marfat.com

میں عزت و ذلت اپنی حیثیت اور استعداد کے لحاظ سے ہے۔ نہ باعتبار بادشاہ کے قریب جانے کے۔ چنانچہ فتح الباری شرح صحیح بخاری جزء ۹ صلا۲۳ میں محاورہ دَفَعَہٗ الی الحاکم کے معنے جوہر طرح سے رفعتہٗ اِلَی السُّلْطَانِ کا ہم پلہ ہے اَحْضَرَہٗ لِلشِّکْوٰی یعنے شکایت کے لئے حاکم کے حضور میں لے جانا لکھے ہیں،

ثالثاً یہ کہ صراح کی عبارت کا مطلب عند ارادۃ الاعزاز یہ ہے کہ برتقدیر ارادہ معنے اعزاز و مرتبہ رَفع کا صلہ الی آنا چاہئے۔ نہ یہ کہ جس جگہ رفع کا صلہ اِلیٰ ہو۔ اس سے بغیر اعزاز و اکرام کے اور کچھ ارادہ ہی نہیں کرسکتے۔ تاکہ رفع جسمی ممنوع خیال کیا جائے۔ اور مخالف کو کامیابی ہو۔ بلکہ اِلیٰ کے صلہ ہونے کے وقت نظر بر اصل واقعہ کہیں رفع جسمی اور اعزاز دونوں مجتمع ہوسکتے ہیں۔ چنانچہ محاورہ رَفَعْتُہٗ اِلَی السُّلْطَانِ میں جس صورت میں کہ متکلم نے مفعول کو اصالۃً یا وکالۃً بجسمہٖ لے جاکر سلطان کے ہاں معزز بنایا ہو، اور ظاہر ہے کہ معنے وضعی اور معنے کنائی کا اجتماع ممتنع نہیں بخلاف حقیقی اور مجازی کے؛ کَمَا سَیَجِیْئُ + (دیکھو صفحہ ۱۴۲ کتاب ہٰذا)

اور کسی جگہ صرف رفع جسمی بغیر ارادۂ اعزاز کے پایا جاتا ہے جیسا کہ امثلہ ذیل اس امر کی مُشعر ہیں :-

المثال الاوّل۔ المصباح المنیر میں بذیل لفظ رفع لکھا ہے رَفَعْتُ الزَّرْعَ اِلَی الْبَیْدَرِ۔ اور اس کے معنے صراح میں یوں کئے ہیں" برداشتم غلۂ درودہ بخرمن گاہ آوردم" یعنے" میں کھیت کو کاٹ کر اور غلہ اٹھا کر خرمن گاہ میں لے آیا"۔ ایسا ہی قاموس میں ہے :-

رَا لزَّرْعَ حَمَلُوْہُ بَعْدَ الْحِصَادِ اِلَی الْبَیْدَرِ	رفعوا الزرع کے یہ معنے ہیں کہ کسان کھیت کاٹنے کے بعد اٹھا کر خرمن گاہ میں لے آئے۔

اسی طرح اساس البلاغۃ میں بھی ہے +

المثال الثانی صحیح بخاری باب اِذَا وَکَّلَ رَجُلاً فَتَرَکَ الْوَکِیْلُ شَیْئًا میں حدیث وکالۃ ابی ھریرۃ بحفظ زکوٰۃ رمضان میں الفاظ لَاَرْفَعَنَّکَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ وارد ہیں۔ اور فتح الباری شرح صحیح بخاری باب الوکالۃ جزو ۹ صفحہ ۴۳۱ میں لَاَرْفَعَنَّکَ کے ذیل میں لکھا ہے۔ اَیْ لَاَذْھَبَنَّ بِکَ اَشْکُوْکَ یُقَالُ رَفَعَہٗ اِلَی الْحَاکِمِ اِذَا اَحْضَرَہٗ لِلشَّکْوٰی یعنے ابوہریرہ رضؓ نے اشیطان لعین سارق غلہ صدقات کو کہا کہ) آج تو میں تجھے ضرور ضرور رسول اللہ صلعم کی جناب میں تیری (بدعملی) کی شکایت کے لئے لے چلونگا ؛

اور اسی طرح یہ محاورہ ہے۔ رَفَعَہٗ اِلَی الْحَاکِمِ یعنے وہ اس کو حاکم کے حضور میں اس کی (بدعملی کی) شکایت کے لئے لے گیا۔ اگر رفع کے معنے بوقت صلہ اِلٰی صرف اعزاز واکرام ہوتے ہیں تو کیا معاذ اللہ حضرت ابوہریرہ رضؓ نے شیطان سارق (چور) کو عزت دلانی چاہی تھی؟ اور پھر رسول اللہ صلعم کی جناب پاک میں؟ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ۔

المثال الثالث۔ صحیح بخاری باب فَضْلِ الْکَھْفِ وَنُزُوْلِ السَّکِیْنَۃِ ونیز مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۸۶ حدیث قراءۃ اسید بن حضیر رضؓ سورۃ الکھف میں فَرَفَعَ رَاْسَہٗ اِلَی السَّمَآءِ یعنی پس اس نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور نیز فَرَفَعْتُ رَاْسِیْ اِلَی السَّمَآءِ یعنے پس میں نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا۔ وارد ہے۔ اس حدیث میں بھی دو دفعہ رفع کے ساتھ صلہ اِلٰی آیا ہے اور دونوں جگہ رفع حسی مراد ہے بغیر ارادہ رفع منزلت کے؛

المثال الرابع صحیح بخاری وصحیح مسلم ونیز مشکوٰۃ کتاب الجنائز، باب البکاء علی المیت صفحہ ۱۴۲ میں رسول اللہ صلعم کی بیٹی زینب رضؓ کے فرزند ارجمند رضؓ کے فوت ہونے کی حدیث میں فَرُفِعَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صلعم الصَّبِیُّ یعنے "وہ لڑکا (رسول اللہ صلعم کا نواسہ) آپ کے پاس اٹھاکر لایا گیا۔ سبحان اللہ،

رفع جسمی کے لئے کیا عمدہ مثال ہے۔ موت کا وقت بھی ہے اور پھر یہاں عزت کی موت مراد نہیں

المثال الخامس۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ فاطر میں فرمایا:۔

اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُہٗ (فاطر ع ۲)

کلمہ طیب خدا ہی کی طرف چڑھتا ہے اور نیک عمل کو خدا بلند کرتا ہے۔ (۳۵:۱۰)

تفسیر فتح البیان میں اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے:۔

(اِلَیْہِ) تَعَالٰی لَا اِلٰی غَیْرِہٖ (یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ) الصُّعُوْدُ ھُوَ الْحَرَکَۃُ اِلٰی فَوْقٍ وَھُوَ الْعُرُوْجُ اَیْضًا وَمَوْضِعُ الثَّوَابِ فَوْقٌ وَمَوْضِعُ الْعَذَابِ اَسْفَلُ وَمَعْنٰی صُعُوْدِہٖ اِلَیْہِ قُبُوْلُہٗ لَہٗ اَوْ صُعُوْدُ الْکَتَبَۃِ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ بِمَا یَکْتُبُوْنَہٗ مِنَ الصُّحُفِ۔ انتہٰی

کلمہ طیب صرف خدا ہی کی طرف چڑھتا ہے اور صعود اس حرکت کو کہتے ہیں جو اوپر کی جانب ہو۔ اور اُسے عروج بھی کہتے ہیں۔ اور ثواب کی جگہ اوپر کو ہے۔ اور عذاب کی جگہ نیچے کو ہے۔ اور خدا کی طرف کلمہ کے صعود کے معنے ہیں۔ خدا کا اس کو قبول کرلینا۔ یا اس کے معنے ہیں۔ کراماً کاتبین فرشتوں کا اُن صحیفوں کو لے کر چڑھنا جو وہ لکھتے ہیں۔

قلت۔ صورت ثانیہ یعنے ملائکہ کا اعمال عباد کو کتابت میں لا کر صعود الی السماء کرنا حدیث شریف کے بالکل موافق ہے۔ جیسا کہ اسی تفسیر میں آگے بروایت ابن مسعودؓ ذکر کیا ہے۔

اِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ اِذَا قَالَ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَتَبَارَکَ اللّٰہُ قَبَضَ عَلَیْھِنَّ مَلَکٌ فَضَمَّھُنَّ تَحْتَ جَنَاحِہٖ ثُمَّ یَصْعَدُ بِھِنَّ اِلَی السَّمَآءِ فَلَا یَمُرُّ بِھِنَّ عَلٰی جَمْعٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ

یعنے جس وقت کوئی مسلمان سبحان اللہ وبحمدہ الخ پڑھتا ہے۔ تو ایک فرشتہ (جو ان کلمات پر موکل ہوتا ہے) ان کلمات کو لے لیتا ہے۔ اور اپنے بازوؤں کے نیچے لگا کر آسمان پر لے چڑھتا ہے۔ پس فرشتوں کی جس جماعت

Marfat.com

اِلَّا اسْتَغْفَرَ لِقَائِلِهِنَّ حَتّٰى يُحَيَّا بِهِنَّ وَجْهُ الرَّحْمٰنِ ثُمَّ قَرَءَ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ الآية

کے پاس سے وہ گزرتا ہے۔ وہ سب اس کے قائل کے لئے دعائے استغفار کرتے ہیں۔ حتےٰ کہ اللہ تعالیٰ کی جناب پاک میں تحفۃً پیش کئے جاتے ہیں

(عبد اللہ بن مسعودؓ نے یہ حدیث سنا کر) پھر یہ آیت اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ پڑھی۔

اور اسی طرح تفسیر ابن کثیر میں بھی اس آیت کے ذیل میں اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ اور یہ معنے دیگر کئی احادیث سے بھی ثابت ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری باب ذکر الملائکہ میں کراماً کاتبین کی نسبت ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ الَّذِيْنَ بَاتُوْا فِيْكُمْ (پھر وہ جو رات کو تم میں رہے خدا کی طرف اُوپر چلے جاتے ہیں) وارد ہے۔ نیز معلوم رہے کہ اس جگہ بھی عروج جو صعود کا مترادف ہے۔ اس کا صلہ اِلیٰ آیا ہے۔ اور مُراد عروج حقیقی ہے۔ نہ کنائی نہ مجازی +

دیگر یہ کہ صعود الی اللہ سے قبولیت مراد رکھنا بایرادہ معنے لازمی کے ہے۔ اور ممارس کتب فن پر ظاہر ہے۔ کہ لازمی معنوں کے ساتھ حقیقی معنوں کا ارادہ جائز ہے۔ جیسا کہ آگے بحث کنایہ میں مفصل طور پر مطوّل سے نقل کیا جائیگا انشاء اللہ۔ کیونکہ کلمات طیّبات مکتوب ہو کر آسمان کی طرف مرفوع ہوتے اور جناب خدا میں قبول ہوتے ہیں۔ فَافْہَمْ۔

المثال السادس صحیح مسلم میں ہے:-

يُرْفَعُ اِلَيْهِ عَمَلُ اللَّيْلِ قَبْلَ عَمَلِ النَّهَارِ (الحديث)

رات کا عمل خدا کی طرف مرفوع ہوجاتا ہے۔ پیشتر اس کے کہ دن کا عمل صادر ہو۔

اس میں بھی رفع کا صلہ اِلیٰ آیا ہے۔ اور صورت صعود اعمال کی اوپر کی مثال میں گذر چکی۔ گویا یہ حدیث من وجہ تفسیر ہے آیت اِلَيْهِ يَصْعَدُ

Marfat.com

الکلم الطیب کی۔ شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کی شرح یوں فرماتے ہیں:۔ یُرْفَعُ اِلَیْہِ عَمَلُ اللَّیْلِ قَبْلَ عَمَلِ النَّھَارِ یعنے برداشتہ میشود وبالا بردہ میشود بسوئے درگاہ وے عملہائے بندگان کہ درشب مے کنند پیش از عملہائے کہ در روزے کنند وَعَمَلُ النَّھَارِ قَبْلَ عَمَلِ اللَّیْلِ وبرداشتہ میشود عمل روز پیش از عمل شب یعنی ہنوز روز نشدہ وعملے درآں واقع نشدہ کہ عمل شب بالا می برند و شب نرسیدہ کہ عمل روز بیرند ودریں مبالغہ است درمسارعت ملائکۂ موکل باعمال عباد وامتثال امر وسرعت عروج ایشاں بمجال عرش ومصاعد سمٰوات ایشاں بر رفع اعمال دراوائے ساعت، چہ فرق میان روز وشب جزآنی و جزء لایتجزی نبود انتہےٰ۔

ایسا ہی امام نووی نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا:۔

فَاِنَّ الْمَلٰئِکَۃَ الْحَفَظَۃَ یَصْعَدُوْنَ	ملائکہ محافظین رات کے اعمال
بِاَعْمَالِ اللَّیْلِ بَعْدَ انْقِضَائِہٖ فِیْ اَوَّلِ	اس کے گزر جانے پر دن کے
النَّھَارِ وَیَصْعَدُوْنَ بِاَعْمَالِ النَّھَارِ	اول وقت میں لے چڑھتے ہیں۔ اور
بَعْدَ انْقِضَائِہٖ فِیْ اَوَّلِ اللَّیْلِ ۔	(اسی طرح) دن کے اعمال اس کے

گزرنے پر رات کے شروع میں لے چڑھتے ہیں۔

المثال السابع۔ مجمع البحار میں زیر لفظ رفع لکھا ہے:۔

فَرَفَعَہٗ اِلٰی یَدِہٖ اَیْ رَفَعَہٗ اِلٰی	یعنے آنحضرت صلعم نے پیالہ اپنے
غَایَۃِ طُوْلِ یَدِہٖ لِیَرَاہُ النَّاسُ	دست مبارک کی لمبائی کے برابر
فَیُفْطِرُوْنَ (جلد ثانی ص۳۳)	اوپر اٹھایا۔ تاکہ لوگ اسے دیکھ

لیں اور روزے افطار کریں۔ اس حدیث میں بھی رفع کا صلہ اِلٰی آیا ہے۔ اور اس سے حقیقۃً مفعول رفع یعنے برتن کا مدخول اِلٰی کی طرف اٹھانا ہے۔ پس رفع جسمی ثابت ہے۔

Marfat.com

المثال الثامن

مجمع البحار جلد ۲ صـ۲۳ یرفعہ الی النبی صلعم اس میں بھی صلہ الی آیا ہے ۔ اور مراد اس سے مدخول الی کی طرف بات کو نسبت کرنا اور اس تک پہنچانا ہے وفی تلک الامثلۃ کفایۃ لمن لہ درایۃ (اتنی مثالیں سمجھ والے کے لئے کافی ہیں)۔

ان عبارات سے صاف ظاہر ہے کہ جب رفع کا صلہ الی آتا ہے ۔ تو اس کے معنے "شئے مذکور کو مدخول الی کی طرف اٹھانا" ہوا کرتے ہیں بغیر ارادۂ معنے موت و اعزاز و اکرام کے، خواہ وہ شئے جوہر ہو خواہ عرض ۔

خلاصۃ المرام یہ کہ لغت میں رفع کے حقیقی اور وضعی معنے "اوپر کو اٹھانا" ہیں ۔ برخلاف وضع اور خفض کے کہ ان کے معنے "نیچے رکھنا" ہیں پس جہاں رفع کا مفعول کوئی جسم ہوگا ۔ وہاں اس سے مراد نیچے سے اوپر کو حرکت دینا ہوگی ۔ اور اگر اس کا متعلق و معمول کوئی معنے ہوگا ۔ تو اقتضاء مقام پر محمول ہوگا ۔ جیسے محاورہ رفعتہ الی الحاکم میں اگر ضمیر منصوب سے مراد کوئی جسم ہو تو اس سے مراد رفع جسمی ہوگی ۔ اور اگر کوئی امر و معاملہ ہو تو صرف اس امر کا پیش کرنا مراد ہوگا ۔ اس بیان کی تصدیق کے لئے المصباح المنیر کی عبارت ذیل ملاحظہ ہو تاکہ اللہ تعالے ظلمات شکوک سے نجات دے ۔

فالرفع فی الاجسام حقیقۃ فی الحرکۃ والانتقال وفی — لفظ رفع جسموں کے متعلق حقیقی معنے کے رو سے حرکت اور انتقال

۱؎ مولوی اکمل صاحب تھا جر قادیانی ان مثالوں کی کثرت سے سخت گھبرا گئے ہیں اور ایسی بہکی ہوئی باتیں کرنے لگے ہیں کہ باذاق آدمی کو بے اختیار ہنسی آجاتی ۔ اور علمی کمال کا قدردان نفرت سے ان کی کتاب کے دیکھنے سے بیزار ہو جاتے ۔ میں تو حیران ہوں ۔ کہ انہوں نے اپنا تخلص اکمل کیوں رکھا ۔ جو شخص شہادت القرآن نہیں سمجھ سکتا وہ اکمل کیوں بنے ۔ ۱۲ سعادت منہ ۔

Marfat.com

اَلْمَعَانِیْ عَلٰی مَا یَقْتَضِیْہِ الْمَقَامُ ۔

کے لئے ہوتا ہے۔ اور معانی کے متعلق جیسا موقع مقام ہو۔ ویسی مراد ہوتی ہے۔

مصباح کی اس تصریح سے واضح ہوگیا۔ کہ رفع کے حقیقی اور وضعی معنے نیچے سے اوپر کو حرکت اور انتقال کے ہوتے ہیں۔ اور نیز محاورات سابقہ سے روشن ہوگیا کہ رفع کا صلہ جب اِلیٰ آئے تو اس کے معنے شئے مذکور مدخول اِلیٰ کی طرف مرفوع ہونا پیدا کرتے ہیں۔ پس اس بیان تحقیق سے وَرَافِعُکَ اِلَیَّ سے یہ محقق ہوا کہ عیسےٰ بجسدہٖ زندہ مرفوع اِلَی السَّمَآءِ ہوئے۔ کیونکہ رَافِعُکَ میں ضمیر مخاطب راجع بطرف منادی یعنی عیسےٰ ہے۔ اور اسماء اجسام مع ارواح کے ہوا کرتے ہیں نہ مجرد ارواح کے اور نہ مجرد اجسام کے اور کلمات اِلَی اللّٰہِ وَ اِلَی السَّمَآءِ ہر دو سے ایک ہی مقصود ہے عَلٰی مَا بَیَّنَّاہُ مِنْ قَبْلُ۔

ثالثاً یہ کہ کنایات بغیر ارادہ معنے کنائی و بغیر مطابقت باصل واقعہ کے اور مجازات بغیر تعذر حقیقت یا وجود قرینہ صارفہ کے مراد نہیں لئے جاسکتے۔ مثلاً کَشَفَ عَنِ السَّاقِ جو کنایہ شدت اور مستعدی سے ذکر کیا جاتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ محاورہ اپنے معانی حقیقیہ یعنی پنڈلی کو برہنہ کرنا" پر کبھی بھی دال نہیں ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ اگر کوئی شخص پانی سے گذرنے کے وقت یا کسی اور تقریب سے اپنی ساق (پنڈلی) کو فی الواقع برہنہ کرے تو یہ الفاظ معانی حقیقیہ پر محمول ہونگے جیسے آیت سورہ نمل میں ہے۔ وَکَشَفَتْ عَنْ سَاقَیْہَا (نمل پ ۱۹) کہ بلقیس نے شیش محل میں جاتے وقت شیشے کے فرش کو پانی خیال کر کے اپنے پائنچوں کو سمیٹا اور اپنی پنڈلی کو ننگا کیا (عَلٰی قول)۔ اور اگر حالات اس امر کے مقتضی ہیں کہ اس شخص نے اپنی پنڈلی برہنہ نہیں کی اور متکلم نے بھی اس معنے کا ارادہ نہیں کیا۔ تو یہی الفاظ کنایہ ہوں گے۔ مستعدی یا شدت سے جیسا کہ اس شعر میں ہے ؎

اصبر عناق انہ شرباق قد سن لی قومک ضرب الاعناق

وقامت الحرب بنا علی ساق (تفسیر اتقان)

معہذا معنے حقیقی اور معنے کنائی دونوں جمع ہوسکتے ہیں۔ برخلاف مجاز کے

[illegible]

Marfat.com

کہ یہ حقیقت کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی - اور کنایہ اور مجاز میں یہی فرق ہے جیسا کہ مطوّل میں بالتفریع مذکور ہے -

الکنایۃ لفظ ارید بہ لازم معناہ مع جواز ارادۃ معناہ ای ارادۃ ذٰلک المعنی مع لازمہ کلفظ طویل النجاد والمراد بہ لازم معناہ اعنی طول القامۃ مع جواز ان یراد حقیقۃ طول النجاد ایضًا فظھر انہا تخالف المجاز من جھۃ ارادۃ المعنی الحقیقی للفظ مع ارادۃ لازمہ لارادۃ "طول النجاد" مع ارادۃ طول القامۃ بخلاف المجاز فانہ لا یصح فیہ ان یراد المعنی الحقیقی - انتہی -

کنایہ ایک ایسا لفظ ہے جس سے اس کے لازمی معنے کا ارادہ کیا جائے - اور اس لازمی معنے کے ساتھ اس لفظ کے اصلی معنی کا ارادہ بھی جائز ہو - مثلاً لفظ "طویل النجاد" کہ اس سے اس کے لازمی معنی یعنی "قد کی درازی" مراد ہیں - اور ساتھ ہی اس کے حقیقی معنے رتلوار کی پرتلے کی درازی) بھی مراد لینے جائز ہیں پس ظاہر ہوگیا کہ کنایہ اور مجاز میں یہ فرق ہے کہ کنایہ میں حقیقی اور لازمی ہر دو معنی جمع ہو سکتے ہیں بخلاف مجاز کہ اس کے ساتھ حقیقی معنی جمع نہیں ہو سکتے -

اسی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ رَافِعُکَ اِلَیَّ کے معنے حقیقی یعنی رفع جسمی جو بالکل حق ہیں، اور معنے کنائی (فرضی) یعنی رفع منزلت جو مراد نہیں ہیں - ان دونوں میں تبائن کلی و منافات نہیں ہے - بلکہ دونوں مع مجتمع و متحقق ہوسکتے ہیں کیونکہ رفع جسمی بہ نسبت عبد صالح مستلزم اعزاز و اکرام ہوتی ہے - جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے - وَرَفَعَ اَبَوَیْہِ عَلَی الْعَرْشِ یعنے یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو تخت پر چڑھا کر بٹھایا خصوصًا مسئلہ ما نحن فیہما یعنی رفع مسیح الی السماء میں رفعت قدر و منزلت بھی بطریق اولیٰ و احسن پائی جاتی ہے - پس معنے کنائی ہم کو مضر نہیں جب تک یہ ثابت نہ کیا جائے - کہ ارادہ معنے کنائی کے وقت ارادہ معنے حقیقی بالضرور ممنوع ہے اور معنے مجازی کی نسبت یہ جواب ہے - کہ ارادۂ مجازات بغیر حقیقت کے ممنوع ہونے کے یا بغیر قرینہ موجود ہونے کے ممنوع ہے جیسا کہ علم اصول اور بیان میں مصرح ہے -

Marfat.com

اسی لئے قرآن شریف میں جہاں کہیں رفع سے مُراد رفع بحسب الدرجہ مراد ہے وہاں بالضرور قرائن صارفہ موجود ہیں۔ مثلاً آیات رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ (بقرہ پ۳ (۲:۲۵۳) اور نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ (انعام، یوسف پ۱۳) اور رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ (انعام پ۸) اور رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ (زخرف پ۲۵) میں لفظ **درجات** بالتصریح موجود ہے۔ پس چونکہ آیت وَرَافِعُكَ اِلَيَّ میں ارادہ رفع جسم الی السماء کرنے سے نہ تو تعذرِ حقیقت لازم آتا ہے۔ اور نہ کوئی قرینہ موجود ہے اس لئے اس جگہ محض رفعِ منزلت مراد نہیں لے سکتے۔

عوام کے افہام کے لئے اس قدر کافی ہے کہ یہ آیت وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ (یوسف پ۱۳) کو جو کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے اپنے والدین کو تخت کے اوپر بٹھانے کے بارے میں ہے۔ یاد رکھیں کہ جس طرح اس آیت میں مفعول "رفع" کا مدخول "علیٰ" پر حقیقۃً بالجسد مرفوع ہونا مراد ہوتا ہے۔ اسی طرح يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ میں حضرت مسیح علیہ السلام کا بجسدہ العنصری مرفوع الی السماء ہونا مراد ہے اور اسی طرح آیت اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ (فاطر پ۲۲) میں مفعول يَصْعَدُ یعنی کلمہ طیب کا مدخول اِلٰی یعنی جناب باری عزاسمہٗ میں آسمان پر مرفوع ہونا مراد ہے۔ جیسا کہ اس کی تفصیل حدیث شریف میں وارد ہے اور اس کی کچھ شرح (صفحہ ۱۱۲ و ۱۱۳) میں گذر چکی ہے۔ نیز آیت ثانیہ سورہ فاطر سے یہ بھی مستفاد ہوا۔ کہ ارتفاع الی اللہ اور صعود الی السماء مترادف فی المعنی ہیں۔ کیونکہ صورتِ صعود کلمات طیبات کی یہ ہے کہ کراماً کاتبین اعمال عباد لکھ کر آسمان پر جناب باری عزاسمہٗ میں پیش کرتے ہیں۔

جملہ تفاسیر معتبرہ مثل تفسیر کبیر[۱]، معالم[۲]، جلالین[۳]، سواطع الالہام[۴]، تفسیر رحمانی[۵] جو بیان نکات قرآنی میں بے مثل و لاثانی ہے اور تفسیر فتح البیان[۶]، جامع البیان[۷]، ابن کثیر[۸]، مدارک[۹]، درمنثور[۱۰]، بیضاوی[۱۱]، السراج المنیر[۱۲]، خازن[۱۳]، کشاف[۱۴]، ابی السعود[۱۵] اور عباسی[۱۶] ان سب منقولی و معقولی تفاسیر میں بلاخلاف رَافِعُكَ اِلَيَّ سے رَفْعٌ اِلَى السَّمَآءِ مراد لکھا ہے۔ چنانچہ بعض کی عبارات جیز تحریر میں لائی جاتی ہیں:-

تفسیر رحمانی جو بیان معارف قرآنی میں لاثانی ہے اس میں لکھا ہے ۔

(و) لا ادع لک شهوة طعام وشراب فتحتاج الی مساکنة الارض (ورافعک الیّ) اے الی سمائی (و) انما ارفعک لانی (مطهرک من) جوار (الذین کفروا) لئلا یصل الیک من آثارهم شیء (و) کما اجعلک فوق اهل الارض فانا (جاعل الذین اتبعوک) من المسلمین والنصاری (فوق الذین کفروا) بک من الیهود ویغلونهم (الی یوم القیامة)۔

اور میں تجھے کھانے پینے کی خواہش ہی باقی نہ رکھونگا کہ تجھے زمینی سکونت کے اسباب کی حاجت پڑے ۔ کیونکہ میں تجھے اپنے آسمان کی طرف اُٹھانے والا ہوں کہ تجھے کفار کی مصاحبت سے پاک رکھوں تاکہ تجھے اُن کے ہاتھ سے کوئی گزند نہ پہنچے ۔ اور جس طرح تجھے زمین والوں سے اُونچا کروں گا ۔ اسی طرح تیرے تابعداروں کو (جو مسلمان اور عیسائی ہیں) تیرے منکروں پر قیامت تک غالب رکھوں گا ۔

علامہ صوفی علی مہائمیؒ نے اس عبارتِ جامعہ میں منکرین کے شبہ کا بھی ازالہ کر دیا ہے ۔ کہ اگر حضرت روح اللہ آسمان پر موجود ہیں تو کھاتے کہاں سے ہیں؟

اسی طرح تفسیر کشاف اور مدارک میں ہے ۔

(ورافعک الیّ) اے الی سمائی یعنے تجھ کو اپنے آسمان اور اپنے فرشتوں (و مقر ملائکتی) کی قرار گاہ میں اُٹھا لینے والا ہوں ۔

یہ اس لئے کہ حضرت روح اللہ بوجہ ولادت بلا پدر مشابہ بالملائکہ ہیں جیسا کہ عنقریب بالتفصیل مذکور ہوگا ۔ انتہٰی

سبحان اللہ! علامہ محمود جار اللہ زمخشری باوجود اہل اعتزال کا امام ہونے کے اپنی اس تفسیر میں جو قرآن مجید کی عربیت کے بیان کرنے میں سب کی اُستاد تسلیم کی گئی ہے (رافعک الیّ) میں حقیقی معنی رفع الی السماء کو چھوڑ کر تاویل نہیں کر سکے ۔ اگر ان کو عربیت اجازت دیتی ۔ تو وہ ضرور تاویل کرتے ۔ اسی طرح تفسیر بیضاوی و سراج منیر اور ابی سعود میں بھی ہے ۔

Marfat.com

وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا۔

دوسرا قرینہ: وَمُتَوَفِّيكَ سے رفع جسم مراد لینے کے لئے الفاظ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ہیں۔

اس جگہ تطہیر سے مراد کفار کے ہاتھ سے صاف بچا لینا ہے کیونکہ اللہ تعالٰے نے مشرکین کو نجس اور پلید قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ (توبہ پ۱۰) یعنی مشرکین (بوجہ خباثت شرک) نجس ہیں۔ (۹: ۲۸)

مُحدِّث ابن جریر اپنی تفسیر میں حضرت ابن جُریج رومیؒ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے

عن ابن جریج قوله إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا قال فرفعه اياه اليه توفيه اياه وتطهيره من الذين كفروا (جلد ۳ ص۱۴۷، ۱۴۸)	قول الٰہی إِنِّي مُتَوَفِّيكَ الخ کے بارے میں کہا کہ خدا تعالٰے کا حضرت عیسٰی علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھا لینا ہی آپ کی توفی ہے۔ اور یہی کفار سے تطہیر ہے لہ

جملہ تفاسیر معتبرہ کیا معقولی اور کیا منقولی مثل تفسیر کبیر[۱] وتفسیر معالم[۲] وجلالین[۳] وتفسیر فیضی[۴] ورحمانی[۵] وفتح البیان[۶] وجامع البیان[۷] ومدارک[۸] وسراج منیر[۹] وخازن[۱۰] وکشاف[۱۱] وتفسیر ابی السعود[۱۲] وعباسی[۱۳] وبیضاوی[۱۴] وتفسیر ابن کثیر[۱۵] میں وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا کے معنی کفار کے ہاتھ سے خلاصی اور نجات لکھے ہیں۔ بلکہ تفسیر فتح البیان اور ابن کثیر میں اس جگہ رفع الی السماء بھی ذکر کیا ہے۔

لہ ہمارے اکمل صاحب اس مقام پر سخت حیران ہیں۔ کبھی تو تطہیر سے مراد تخلیص مان جاتے ہیں۔ گو الٹی طرف سے ناک پکڑ کر اور کبھی صاف انکار کر جاتے ہیں اور کبھی نہایت سادگی سے کہتے ہیں کہ یہ تخلیص و انجاء کیا آسمان پر جانے ہی سے ممکن ہے؟ کیا دوسرے ملک میں چلے جانے سے ممکن نہ تھی؟ (صلا ۳) جواب۔ جناب معقولات جانے آپ کی بلا۔ سُنئے! الممکنات میں سے جب ایک صورت واقع ہو جائے، تو وہ ممکن درجہ وجوب میں آجاتا ہے پس اس کے علاوہ دوسری ممکن صورتوں کے امکان کی وجہ سے "امر واجب" کا انکار سفاہت ہے! اور اس جگہ تطہیر سے مراد تخلیص بنا بر موقع ذکر ہے جسے اصطلاح علمائے اصول میں "سوق کلام" کہتے ہیں جو آپ نہیں جانتے اور قرائن حالیہ و مقالیہ اس کے مؤید ہیں۔ ۱۲ سعادت الاقران۔ منہ

پس آیت اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ الخ کے صحیح معنی یہ ہوئے۔ کہ اے عیسیٰؑ میں تجھے پورا پورا لے لونگا، اور تجھے اپنی طرف آسمان پر اٹھا لوں گا۔ اور تجھے کفار کے شر سے صاف بچا لونگا۔

تعجب ہے کہ قرآن مجید کی صاف صاف تصریحات کے برخلاف ایک مسلمان کس طرح تسلیم کر سکتا ہے کہ یہود نے آپ کو پکڑ کر صلیب پر چڑھوا دیا۔ اور آپ کے سر پر (استہزا) کانٹوں کا تاج پہنایا گیا۔ اور آپ کے ہاتھ پاؤں میں میخیں ٹھونکی گئیں اور آپ کی پسلی میں نیزہ مارا گیا۔ نعوذ باللہ من ذالک ؎

؎ اکمل صاحب نہایت بیباکی سے لکھتے ہیں" اور پندرہ تفاسیر کا حوالہ جو دیا کہ ان میں اس آیت کے معنی کفار کے ہاتھ سے خلاصی و نجات کے لکھے ہیں۔ وہ برابر ہمارے اعتقاد کی تصدیق کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ان کے ہاتھوں سے خلاصی و نجات دی۔ اور وہ کشمیر چلے آئے (ص۳) جواب۔ اکمل صاحب مفسرین پر یہ افترا کیسا؟ ان میں سے جس تفسیر میں کشمیر کی تصدیق لکھی ہے بھلا کسی مجلس میں دکھائیں تو سہی ورنہ قادیاں میں ہی شرما چھوڑیں۔ ہاں سماء کے معنی کشمیر کر لیں تو امر دیگر ہے۔ سچ ہے اِنَّمَا یَفْتَرِی الْکَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰذِبُوْنَ (۱۶:۱۰۵) (رکوع النحل) یعنی افترا باندھنا بے ایمانوں کا کام ہے اور وہ سب جھوٹے ہوتے ہیں"۔ قادیاں میں بھی تو مزے ہیں کہ جھوٹ بنایا اور خلقت کو لوٹا۔ ۱۲ سعادت منہ

؎ یہ سب امور نصاریٰ کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ جن کے اعتبار سے سر سید احمد صاحب علیگڑھی اور مرزا صاحب قادیانی تصلیب مسیح کے قائل ہوئے ہیں۔ نہ تو یہ کتابیں معتبر ہیں اور نہ ان کے بیانات قابل اعتبار ہیں۔

اوّل:- اس وجہ سے کہ ان کتابوں کے مصنفین تک ان کی سند متصل نہیں اور نہ ان کی طرف ان کی نسبت کا صحیح ہونا ثابت ہوتا ہے۔

دوم:- اس وجہ سے کہ جن مصنفوں نے بھی ان کو لکھا۔ انہوں نے واقعات مندرجہ کی کوئی سند نہیں بیان کی اور نہ سلسلہ روایت ذکر کی۔

سوم:- اس وجہ سے کہ ان میں یہ بھی مرقوم ہے۔ کہ جب سپاہی حضرت مسیح کو گرفتار کرنے آئے تو آپ کے "شاگرد بھاگ گئے"۔ دیکھو متی $\frac{۲۶}{۵۶}$ اور مرقس $\frac{۱۴}{۵۰}$، پس جب واقعہ کے وقت کوئی بھی مومن موجود نہیں تھا تو کس کی شہادت سے اس کا اعتبار کیا جائے؟

چہارم:- اس وجہ سے کہ واقعہ صلیب اور اس کے متعلقات کی نسبت انہی مصنفین اناجیل میں کئی قسم کی

(باقی برصفحہ ۱۵۱)

اگر کوئی کہے کہ اس جگہ تطہیر سے مُراد ان الزاموں سے بری کرنا ہے جو یہود آپ کی ولادتِ بلا پدر کے بارے میں لگاتے تھے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان سب الزاموں سے پاک کیا۔ اور بری بیان کیا اور یہ امر قرآن شریف میں متعدد مقامات پر اشارۃً وصراحۃً مذکور ہے، لیکن خاص اس مقام پر تطہیر سے مراد سوائے ان کے مکر[1] سے بچا لینے کے اور کچھ نہیں، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے۔ کہ مطہرک[2] کا وعدہ بوقت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۰) اختلاف بیانیاں ہیں مثلاً (۱) متی ۲۶/۴۹ اور مرقس ۱۴/۴۵ اور لوقا ۲۲/۴۷ میں مرقوم ہے۔ کہ یہوداہ اسکریوطی نے آپ کی پیشانی پر بوسہ دیکر آپ کو شناخت کرا دیا۔ لیکن اس کے برخلاف یوحنا ۱۸/۵ میں مرقوم ہے کہ خود حضرت مسیح نے سپاہیوں کو اپنے آپ بتایا۔ کہ میں مسیح ہوں اور انہوں نے آپ کو گرفتار کر لیا۔

(۲) اسی طرح متی ۲۷/۳۲ اور مرقس ۱۵/۲۱ اور لوقا ۲۳/۲۶ میں مسطور ہے کہ سپاہیوں نے ایک دیہاتی شخص شمعون کرینی کو جو دیہات سے آ رہا تھا۔ بیگاری پکڑا۔ اور اسے حضرت مسیح کی صلیب اٹھوائی۔ اور وہ اسے اٹھا کر مقام گلگتا تک جہاں وہ صلیب دیئے گئے لے گیا۔ لیکن اس کے برخلاف انجیل یوحنا ۱۹/۱۷ میں مسطور ہے کہ صلیب خود حضرت مسیح نے اپنے کندھوں پر اٹھائی۔ اور مقام گلگتا تک لے گئے۔

(۳) اسی طرح متی ۲۷/۵ میں اس روپیہ کی بابت جو یہوداہ اسکریوطی نے حضرت مسیح کو پکڑوانے کی رشوت میں لیا یہ لکھا ہے کہ واقعہ صلیب کے بعد یہوداہ وہ روپیہ مقدس میں پھینک کر چلا گیا۔ اور جا کر اپنے آپ کو پھانسی دی لیکن اس کے برخلاف کتاب رسولوں کے اعمال ۱/۱۸ میں لکھا ہے۔ کہ اس نے اس روپے سے ایک کھیت حاصل کیا اور سر کے بل گرا۔ اور اس کا پیٹ پھٹ گیا۔ اور اس کی ساری انتڑیاں نکل پڑیں۔ پس ایسے صاف اختلافات کے ہوتے ان کا بیان ہرگز قابل اعتبار نہیں رہتا۔ اور صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو فرمایا وَاِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْہِ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ (نساء پ) بالکل حق ہے یعنی جن لوگوں نے اس امر میں (حق سے) اختلاف کیا۔ وہ بالضرور شک میں ہیں۔ ان کو سوائے گمان کی پیروی کے کوئی بھی علم نہیں کتاب ہذا کے صفحہ ۵ کے حاشیہ نمبر ۲ پر جو وعدہ کیا گیا ہے۔ اس کا کسی قدر ایفا اس جگہ کر دیا ہے ۱۲ سعادت۔ منہ

[1] اکمل صاحب بھی عجب کمال کے بندے ہیں کہ لفظ مکر کی اس تشریح کو جو ہم نے سابقاً کئی صفحوں میں بیان کی ہے نظر انداز کر کے فرماتے ہیں مکر کیا تھا؟ آپ خود ہی حسب قول اپنے بول اُٹھے "قتل"۔ بس اس سے اللہ نے نجات دیدی" (صفحہ ۳) جواب جناب والا! اس جگہ مکر سے مراد قتل مع اس کے اسباب کے ہے کیونکہ قتل کیلئے کوئی نہ کوئی صورت اور اس کے اسباب ضروری ہیں اور وعدہ مُطَهِّرُكَ میں قتل اور اس کے اسباب بالکلیہ تمام سے بچا لینا مقصود ہے بس نہ قتل ہوا نہ دیا بقتل جن کا انہوں نے منصوبہ

تبلیغ رسالت ہے۔ جب یہود آپ کے قتل کے درپے تھے۔ جیسا کہ سابقؔ فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ اور وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ کی تفسیر میں مذکور ہو چکا، اوران الزامات سے براءت اس سے پیشتر تکلم فی المہد سے ہو چکی تھی، اور جو امر پہلے گذر چکا ہو اس کا آئندہ وعدہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وعدہ ہمیشہ اس امر کا کیا جاتا ہے۔ جو حاصل نہ ہو پس وعدہ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا جو تکلم فی المہد سے کئی سال بعد ہوا۔ اس سے براءت از طعن مراد نہیں ہو سکتی، اور چونکہ بالکلیہ صاف صاف بچا لینا تھا[ا] اس لئے مبالغۃً اس معنے کو لفظ تطہیر سے بیان کیا۔ چنانچہ اس کی کچھ تفصیل مُتَوَفِّيكَ کی بحث میں گذر چکی۔ اور کچھ ابھی مذکور ہوگی، انشاء اللہ

اگر کہا جائے کہ تطہیر از طعن، محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی معرفت قرآن شریف میں کی جانے کی بابت وعدہ ہو سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن شریف نے صرف حکایۃً وہ مضمون بیان کیا ہے جو عیسیٰ علیہ السلام نے عادۃً کلام نہ کرنے کی عمر میں بیان کیا تھا، پس اصل براءت تو اس سے ہو گئی۔ اور کوئی فعل نقل کرنے والے کی طرف اصالۃً منسوب نہیں ہو سکتا، پس یہ عذر بھی درست نہیں [۲]

[ا] اکمل صاحب نے اس موقع پر عجب کمال دکھایا ہے کہ صلیب پر کئی ایک مصیبتیں اٹھا کر اور نیم مردہ ہو کر صرف موت سے بچ رہنے کی بابت بھی لکھتے ہیں "صاف بچ نکلے" جواب! سبحان اللہ! صاف صاف بچنے کی یہ صورت قادیان والے ہی سمجھتے ہوں گے۔ بندۂ خدا! کیوں عقل کے پیچھے لٹھ لے کر پڑے ہو۔ اور جس امر کو خدا تعالیٰ نے صاف الفاظ میں کہدیا کہ وَمَا صَلَبُوهُ یعنے اُسے سولی پر بھی نہ چڑھایا" خواہ مخواہ اس کے خلاف کیوں باتیں بناتے ہو؟ سعادت الاقران ۔ منہ

[۲] اکمل صاحب نے یہاں پر نئی توجیہ نکالی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

" یہ وعدہ تطہیر علاوہ اس کے اس الزام کے متعلق ہے جو لعنتی موت کا یہود لگاتے تھے۔" (صلا)

جواب۔ جناب من! علاوہ کا علاوہ کیوں ساتھ رکھ دیا۔ اس کی تو کافی تردید ہو چکی کچھ جواب تو بن آیا نہیں اور علاوہ یونہی لکھ مارا۔ دیگر یہ کہ "لگاتے تھے" کیسے دھڑ کھیٹ ذرا سوچو تو یہ بشارت تو آپ کو زندگی میں واقعہ صلیب سے قبل ہو رہی ہے واقعہ صلیب سے پیشتر لعنتی موت کا الزام کیسے متصور ہو سکتا ہے ۔

کہ آپ نے "لگاتے تھے" بصیغہ ماضی لکھ مارا۔ بریں عقل و دانش ببایدگریست سوئے یہ کہ صلیب پر چڑھایا جانا یا

Marfat.com

نکتہ: اس جگہ رفع الی السماء کو توفی سے تعبیر کرنے میں ایک خاص نکتہ ہے جو تفسیر کبیر اور خازن میں مذکور ہے۔ کہ

اِنَّ التَّوَفِّیَ اَخْذُ الشَّیْءِ وَافِیًا وَلَمَّا عَلِمَ اللّٰہُ اَنَّ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّخْطُرُ بِبَالِہٖ اَنَّ الَّذِیْ رَفَعَہُ اللّٰہُ ھُوَ رُوْحُہٗ لَا جَسَدُہٗ ذَکَرَ ھٰذَا الْکَلَامَ لِیَدُلَّ عَلٰی اَنَّہٗ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ رُفِعَ بِتَمَامِہٖ اِلَی السَّمَآءِ بِرُوْحِہٖ وَبِجَسَدِہٖ (تفسیر کبیر جلد دوم)

توفی کے معنے ہیں کسی چیز کو تمام لے لینا، اور چونکہ اللہ تعالےٰ کو معلوم تھا کہ کسی شخص کے دل میں یہ بھی گزریگا۔ کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی (صرف) روح کو اٹھایا تھا اور جسم کو نہیں اٹھایا تھا اس لیے اللہ نے یہ کلام (رانی متوفیک) فرمایا تاکہ اس امر پر دلالت کرے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام بیع جسم اور روح کے (زندہ) آسمان پر اٹھالیا۔

سبحان اللہ! قرآن شریف کیا معجز کلام ہے اور امام رازیؒ بھی قرآن شریف کے کیسے رمز شناس ہیں۔ کہ جو بات مرزا جی کئی صدیاں بعد کہنے والے تھے۔ اس کی تردید پہلے

(بقیہ حاشیہ ص۱۵۲) تطہیر کی کیا ضرورت ہے؟ اگر کہا جائے۔ کہ یہود کے خیال میں صلیب کی موت لعنتی تھی جیسا کہ کتاب استثنا میں مذکور ہے پس اس لحاظ سے صلیب کی موت موجب الزام ہو سکتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کتاب استثنا کے اس حوالہ سے یہ نتیجہ نکالنا قادیانی ایجاد ہے وہاں کہیں بھی مذکور نہیں کہ مطلقاً ہر صلیب پر لٹکایا ہوا لعنتی ہوتا ہے بلکہ خاص اسی شخص کو ملعون کہا گیا ہے جو کسی جرم واجب الصلیب کی سزا میں مصلوب ہو جیسا کہ نفس عبارت میں مذکور ہے۔ (دیکھو کتاب استثنا باب ۲۱ آیت ۲۲) میں مکتوب ہے (۲۲) اور اگر کسی نے ایسا گناہ کیا ہو جس سے اس کا قتل واجب ہو الخ دیگر یہ کہ قرآن شریف میں یہود کا ادعائے قتل صرف ان الفاظ میں ذکر کیا ہے اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ الخ اور اس کے ساتھ ان کے قول سے صَلَبْنَا ذکر نہیں کیا اس سے صاف کھل سکتا ہے کہ یہود نفس قتل پر فخر کرتے تھے اور اس کے ذریعہ یعنی صلیب کی کوئی اہمیت ان کی نظر میں نہ تھی۔ ورنہ اللہ تعالےٰ اسے بھی ان کی طرف سے اس ادعائے مفاخرت کے ساتھ ہی ذکر کرتا۔ پس جب وہ صلیب پر لٹکانے پر فخر ہی نہیں کرتے۔ تو اسے ان کے نزدیک موجب طعن و الزام گرداننا صرف قادیانی تعقد و تخیل کا نتیجہ، اور "بلی کو چھچھڑوں کے خواب" کا مصداق ہے اس کی مزید تشریح آیت وَقَوْلِھِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ کی تفسیر میں مذکور ہوگی۔ انشاء اللہ (بشر سعادت ۱۲ منہ)

Marfat.com

ہی فرمادی۔ یہ ایک عظیم الشان پیشگوئی ہے، جو پوری پوری واقع ہوئی سُبحَانَ مَا اَصدَقَ کَلَامَہٗ۔

کشف مغالطہ صحیح بخاری میں مذکور ہے قَالَ ابنِ عَبَاس مُتَوَفِّیکَ مُمِیتُکَ[1]
یعنی ابن عباسؓ مُتَوَفِّیکَ کے معنے مُمِیتُکَ کرتے ہیں۔

مرزا صاحب قادیانی کو الہام بافی کے علاوہ مغالطہ دہی میں خاص کمال تھا اور کسی سیدھی بات کو بھی الٹا کر کیا کا کچھ کر دکھانا اُن کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ بس اس مُمِیتُکَ سے پہاڑ سر پر اُٹھا لیا۔ اور ایک طوفان برپا کر دیا۔ کہ لوجی! حضرت ابن عباسؓ بھی وفات مسیح کے قائل تھے۔ اور امام بخاری کا بھی یہی مذہب تھا[2]

جناب مرزا صاحب نے نہ تو صحیح بخاری کسی اُستادِ حدیث سے پڑھی کہ اسے سمجھتے اور نہ اُس کے سمجھنے کی قابلیت ہی رکھتے تھے، بلکہ جیسا کہ وہ خود اقرار کرتے ہیں علم حدیث سے مناسبت ہی نہ رکھتے تھے۔ پھر علم حدیث میں ان کے قول کا کیا اعتبار؟

کسی روایت کی تشریح کے لئے ضروری ہے۔ کہ اسکی صحت معلوم کرنے کے بعد اول تو اس کے جملہ طرق جمع کئے جائیں، پھر اُس مضمون کی جملہ روایات کو سامنے رکھ کر علوم آلیہ کی مدد سے اُسے حل کیا جائے، مرزا جی کی علمی بضاعت جاننے والے اصحاب جانتے ہیں کہ مرزا جی کی نظر علم روایت میں بہت ناقص تھی، اور فہم قاصر، پھر خود غرضی کا بھوت سر پر سوار مزید برآں کذب و افترا اور مغالطہ سے بیخوفی، پھر وہ ایک مضمون کی جملہ روایات اور ایک روایت کے جملہ طرق کو کس طرح اور کیوں جمع کریں، بالخصوص جب اس طرح کی تحقیقات کا نتیجہ اپنے ادعا اور مدعا کے خلاف ہو، وہ تو صرف لَا تَقرَبُوا الصَّلٰوۃَ جانتے تھے۔ اور استر مکاری سے ان کو کچھ واسطہ نہ تھا۔

چنانچہ ہم خدا کے فضل سے ان کے ہر دو مغالطات کو دُور کر کے حقیقت الامر کو منکشف کرتے ہیں۔

پہلا مغالطہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ وفات مسیح کے قائل تھے۔ اس کا جواب یہ ہے

---

[1] کتاب التفسیر سورہ مائدہ ۱۲ منہ [2] ازالہ اوہام مصنفہ مرزا صاحب قادیانی ۱۲ منہ [3] حمامۃ البشریٰ و تبلیغ مصنفہ مرزا صاحب ۱۲ منہ۔

Marfat.com

کہ یہ سراسر افترا ہے حضرت ابن عباسؓ حضرت عیسےٰؑ کی وفات قبل النزول کے قائل ہرگز نہ تھے، صحابہ میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رفع آسمانی کی بیشتر روایات حضرت ابن عباسؓ اور ان کے شاگردوں ہی سے مروی ہیں۔ چنانچہ تفاسیر مبسوطہ اُن سے بھری پڑی ہیں۔ آپ نے جو مُتَوَفِّيكَ سے مراد مُمِيتُكَ بتائی ہے تو اس کے یہ معنے نہیں کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام مر چکے ہیں، بلکہ اس کے معنے یہ ہیں کہ اللہ تعالےٰ آپ کو آئندہ زمانہ میں کسی وقت فوت کرے گا۔ کیونکہ مُتَوَفِّي اسم فاعل کی وضع میں زمان مستقبل ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کا اشتقاق فعل مضارع سے ہوتا ہے۔ چنانچہ مراح میں ہے، اِسْمُ الْفَاعِلِ وَهُوَ اسْمٌ مُشْتَقٌّ مِنَ الْمُضَارِعِ اور اس امر کا لحاظ قرآن شریف میں بھی کیا گیا ہے، چنانچہ فرمایا۔

(۱۸: ۲۳، ۲۴)

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ (کہف پ۱۵)

اس آیت میں فَاعِلٌ سے جو اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ لفظ غَدًا منضم کیا ہے جس کے معنے کل آئندہ کے ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ مُمِيتُكَ سے مقصد یہ ہے۔ کہ میں تجھے آئندہ زمانہ میں مارونگا بس[1] ابن عباسؓ اس آیت کے اجزا میں تقدیم و تاخیر کے قائل ہیں۔ جیسے کہ مفسرین کی ایک جماعت اس طرف بھی گئی ہے کہ اگر اس جگہ تَوَفِّي سے مراد موت بھی لی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ توفی بالموت کا تحقق و وقوع بعد آسمان[2] سے نازل ہونے کے ہوگا۔ اگرچہ آیت میں مقدم ہے اور رفع الی السمآء کا تحقق و وقوع قبل موت کے ہو چکا اگرچہ ذکر میں موخر ہے، کیونکہ ترتیب ذکری اور ترتیب وقوعی میں مطابقت ضروری نہیں اس لئے کہ واو عاطفہ ترتیب کیلئے نہیں ہوتی۔ بلکہ صرف جمع کے لئے آتی ہے۔[3]

---

[1] چنانچہ اکمل صاحب نے بھی اس آیت کے ترجمہ میں سب جگہ مستقبل کے صیغے لکھے ہیں دیکھو ان کی کتاب کا ملا سطر ۱۵ سے ۲۰ تک ۱۲ سعادت منہ۔ [2] جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے مرفوعاً مروی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (ان مذکورہ) واقعات کے وقت میرا بھائی عیسےٰ بن مریم آسمان سے اُتریگا۔ (مختصر کنز العمال) ۱۲ سعادت منہ۔ [3] چنانچہ کافیہ میں ہے الواو للجمع المطلق لا ترتیب فیھا ۱۲ منہ

Marfat.com

چنانچہ امام رازیؒ اس آیت میں تقدیم و تاخیر کی بحث میں فرماتے ہیں کہ جو لوگ اس میں تقدیم و تاخیر کے قائل ہیں ان کا قول یہ ہے کہ

قالوا ان قوله ورافعك الی یقتضی انه رفعه حیا والواو لا یقتضی الترتیب فلم یبق الا ان یقول فیها تقدیم وتاخیر والمعنی انی رافعك الی و مطهرك من الذین كفروا ومتوفیك بعد انزالی ایاك فی الدنیا ومثله من التقدیم والتاخیر كثیر فی القرآن (تفسیر کبیر جلد دوم)

قولِ الٰہی وَرَافِعُكَ اِلَیَّ تقاضا کرتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو زندہ اٹھالیا اور واو (عاطفہ) ترتیب کی مقتضی نہیں پس سوائے اس کے اور کچھ نہ رہا کہ کہا جائے کہ اس میں تقدیم و تاخیر ہے۔ اور معنی یہ ہیں کہ میں تجھے اپنی طرف اٹھا لینے والا ہوں۔ اور کفار سے بالکل پاک صاف رکھنے والا ہوں اور تجھے دنیا میں نازل کرنے کے بعد فوت کرنے والا ہوں اور اس قسم کی تقدیم و تاخیر قرآن شریف میں بکثرت ہے۔"

اور اس سے پیشتر فرماتے ہیں۔

(الوجه الرابع فی تاویل الایة ان الواو فی قوله متوفیك ورافعك الی لا تفید الترتیب فالایة تدل علی انه تعالی یفعل به هذه الافعال فاما كیف یفعل ومتی یفعل فالامر فیه موقوف علی الدلیل وقد ثبت الدلیل انه حی وورد الخبر عن النبی صلی الله علیه وسلم انه سینزل ویقتل الدجال ثم انه تعالی یتوفاه بعد ذلك (تفسیر کبیر جلد دوم سورہ آل عمران)

(چوتھی وجہ یہ کہ اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ واو (عاطفہ) جو مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ میں ہے وہ مفید ترتیب نہیں۔ پس یہ آیت صرف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالےٰ آپ سے یہ سب معاملے کریگا۔ لیکن کس طرح کریگا اور کب کریگا۔ پس یہ سب کچھ کسی اور دلیل پر موقوف ہے اور (اس کی) دلیل ثابت ہو چکی ہے کہ آپ زندہ ہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث وارد ہے کہ آپ ضرور اتریں گے۔ اور دجال کو قتل کریں گے۔ پھر اللہ تعالےٰ آپ کو اس کے بعد فوت کرے گا۔"

Marfat.com

امام رازیؒ کے حوالہ میں جو یہ مذکور ہے کہ قرآن مجید میں تقدیم و تاخیر کی مثالیں بکثرت ہیں[1]۔ بالکل درست ہے۔ مثلاً اسی مقام سے تھوڑا پیشتر سلسلہ ذکر مریم علیہا السلام میں آیت یٰمَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّکِ وَاسْجُدِیْ وَارْکَعِیْ مَعَ الرّٰکِعِیْنَ (آل عمران پ ۳: ۴۲) میں سجدہ کو رکوع سے پہلے ذکر کیا۔ حالانکہ ترتیب خارجی و عملی میں مؤخر ہوتا ہے۔ اس کی دیگر مثالوں کے لئے تفسیر اتقان فی علوم القرآن کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ کہ اس میں مستقل طور پر ایک خاص فصل اسی امر کے لئے مقرر کی گئی ہے۔

اب معتبر کتابوں سے حضرت ابن عباسؓ کا مذہب دربارہ رفع و توفی حضرت مسیحؑ بیان کیا جاتا ہے۔

امام سیوطیؒ تفسیر الدر المنثور میں فرماتے ہیں کہ حضرت ضحاک تابعی حضرت

عن الضحاک عن ابن عباسؓ فی	ابن عباسؓ سے قول الٰہی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ
قولہ اِنِّیْ متوفیک ورافعک الی	وَرَافِعُکَ اِلَیَّ کے متعلق روایت کرتے
یعنی رافعک ثم متوفیک فی	ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ مراد اس جگہ یہ ہے
آخر الزمان (الدر المنثور)	کہ تجھے اٹھاؤں گا پھر آخری زمانہ میں
	فوت کردوں گا۔[2]

اسی طرح ابی السعود میں ہے:-

والصحیح ان اللہ تعالٰی رفعہ من	کہ صحیح یہی ہے کہ اللہ تعالٰے نے آپ کو بغیر

---

[1] ہرچند کہ تقدیم و تاخیر کی مثالیں قرآن مجید میں بکثرت ہیں لیکن اکمل صاحب کبھی تو اسے غیر معقول کہہ دیتے ہیں اور کبھی الٹی طرف سے ہاتھ پکڑ کر تسلیم کر لیتے ہیں۔ مگر شاباش ان کی ہٹ پر کہ اپنی ہٹ سے نہیں ہٹتے سو ان کے جواب میں حضرت سعدیؒ کا یہ شعر مناسب کافی ہے ۔ آنکس کہ بقرآن و خبر زو نرہی ۔ آنست جوابش کہ جوابش ندہی ۔ سعادت عنہ

[2] باوجود اس کے کہ ابن عباسؓ تصریح کرتے ہیں۔ اور ہم سب کا یہی مذہب ہے۔ کہ حضرت عیسٰیؑ آخری زمانہ میں فوت ہو جائیں گے پھر بھی ہمارے اکمل صاحب کہتے ہیں: "جب قیامت کے بعد تک موت نہ ہوئی۔ تو اچھے خاصے خدا بن گئے۔" (صفحہ ۳۳) جواب اجاب والا! پھر روح بھی خدا ہوئی کیونکہ اُسے بھی فنا نہیں غالباً اسی لئے مولوی سید سرور شاہ صاحب احمدی قادیانی نے مباحثہ سیالکوٹ میں پادری عبدالحق صاحب مسیحی مناظر کے جواب میں کہا تھا۔ کہ خدا روح ہے (معاذ اللہ) ان لوگوں کو نہ علم ہے نہ عقل۔ ۱۲ سعادت منہ۔

Marfat.com

غیر وفات ولا نوم کما قال الحسن — موت اور نیند کے اٹھایا۔ جیسے کہ حضرت
وابن زید وھو اختیار الطبری — حسن بصری اور ابن زید تابعین نے کہا اور یہی
وھو الصحیح عن ابن عباس (ابی السعود) — امام ابن جریر طبری نے اختیار کیا ہے۔ اور
یہی حضرت ابن عباسؓ سے صحیح (طور پر ثابت) ہے۔

اسی طرح تفسیر ابن کثیر اور تفسیر فتح البیان میں بذیل آیت وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ
(زخرف پ۲۵: ۴۳: ۶۱) یعنی "تحقیق وہ (حضرت عیسیٰ) قیامت کا ایک نشان ہے حضرت
ابن عباسؓ کا مذہب دربارہ نزولِ عیسیٰ مذکور ہے[۱]۔ کہ وہ اس آیت سے حضرت عیسیٰ
علیہ السلام کے نزول کو قربِ قیامت کی ایک نشانی جانتے تھے۔

اسی طرح محدث ابن جریرؒ نے آیت وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ
بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ (نساء پ۶: ۴: ۱۵۹) کی تفسیر میں حضرت ابن عباس کے شاگرد حضرت
عن سعید بن جبیر عن ابن عباس — سعید بن جبیر تابعی کی روایت سے حضرت ابن عباسؓ
وان من اھل الکتب الا لیومنن — سے نقل کیا۔ کہ آپ نے فرمایا کہ قبلَ موتِہ
بہ قبل موتہ قال قبل موت عیسی — سے مراد قبلَ موتِ عیسیٰ ہے۔

(ابن جریر جلد ۵ صہ۱۲)

نیز فتح الباری۔ ارشاد الساری اور عمدۃ القاری ہر سہ شرح صحیح بخاری میں آیت
وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ میں قَبْلَ مَوْتِهٖ کی
ضمیر کے بارے میں لکھا ہے۔ کہ بسند صحیح حضرت ابن عباسؓ سے یہی ثابت ہے کہ یہ ضمیر
عیسیٰ علیہ السلام کی طرف پھرتی ہے، اور ان سے جو یہ مروی ہے کہ یہ ضمیر کتابی کی طرف
پھرتی ہے اُسے ضعیف لکھا ہے کیونکہ اس کی اسناد میں ایک راوی خصیف ہے جو ضعیف ہے (فتح)
پس تصریحاتِ بالا سے ثابت ہوگیا۔ کہ حضرت ابن عباسؓ کا اعتقاد یہی تھا کہ حضرت

---

[۱] اکمل صاحب قادیانی بد مذاقی میں نہایت کامل ہیں۔ اس مقام پر اعتراض کرتے ہیں "اگر نزولِ ثانی کے اعتقاد کا ذکر ہے تو آپ نے اسے مفصل کیوں نہ لکھا" (صہ۳۴) جواب! جناب مفصل اس لئے نہ لکھا کہ اس کتاب کا موضوع نزولِ مسیح نہیں فافہم۔ آداب تصنیف سیکھیے پھر اعتراض کیجیے ۱۲ سعادت منہ

عیسٰی علیہ السلام زندہ آسمان پر اُٹھائے گئے ہیں اور آخری زمانہ میں آسمان سے نازل ہوں گے اور اس کے بعد فوت ہوں گے، چنانچہ حضرت ابن عباس رضؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

فعند ذلک ینزل اخی عیسٰی بن مریم من السماء (مختصر کنزالعمال)   پس ان (مذکورہ) واقعات کے وقت میرا بھائی عیسٰی بن مریم آسمان سے اُترے گا۔

باقی رہا دوسرا مغالطہ کہ امام بخاریؒ بھی وفات مسیح کے قائل تھے سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ پہلے سے بھی بڑا دلیرانہ افترا ہے۔ حضرت امام بخاریؒ ائمہ محدثین سے ہیں۔ وہ خلاف قرآن و حدیث و اجماع صحابہ کوئی اعتقاد کیسے رکھ سکتے ہیں، یہ مرزا صاحب کا افترا ہے۔ اور عوام کو دھوکا ہے۔

اوّل اس وجہ سے کہ ابن عباس رضؓ کی روایت کے معنی معلوم ہو چکے کہ محدثین کے

لہ اکمل صاحب علم میں تو جو کمال رکھتے تھے وہ معلوم ہو چکا ہوگا۔ آپ عقل میں بھی اکمل ہی ہیں حضرت ابن عباس رضؓ کا مذہب ہم نے بدلائل ثابت کر دیا۔ کہ وہ نزول من السماء اور بعد نزول کے وفات مسیح کو مانتے ہیں۔ اس پر اکمل صاحب سے کچھ بن نہ پڑا۔ تو آپ فرماتے ہیں "ان کا اپنا مذہب خواہ کچھ ہو ایک اہل زبان اور پھر صحابی کی شہادت تو مل گئی۔ کہ توفی کے وضعی معنے موت کے ہیں" (ص۱۳۳) جواب اس وقت زیر نزاع یہی امر ہے۔ کہ ابن عباسؓ کا مذہب درباره وفات و نزول مسیح کیا ہے؟ پس جب ثابت ہو گیا۔ کہ وہ رفع و نزول ہر دو کے قائل ہیں، اور وفات بعد النزول مانتے ہیں جو اہلسنت کا مذہب ہے۔ تو آپ کے مرزا صاحب کا مغالطہ کہ حضرت ابن عباسؓ وفات قبل النزول کے قائل ہیں۔ طشت ازبام ہو گیا۔ اور یہ جو آپ نے لکھا کہ توفی کے وضعی معنے موت کے ثابت ہو گئے۔ یہ آپ کی علمی بے کمالی ہے اس سے بعض اوقات موت مراد ہونا تو محل کلام نہیں محل تحقیقات تو یہ ہے کہ اس سے مراد موت از روئے حقیقت ہے یا از روئے مجاز، سو حضرت ابن عباسؓ والی روایت میں اس امر کا کوئی فیصلہ نہیں ہے۔ پھر ثابت کس طرح ہو گیا؟ فافہم ۱۲ سعادت الاقران۔ منہ

لہ اکمل صاحب کو قادیانی تقلید میں اسلام اور کفر میں بھی تمیز نہیں رہتی۔ چنانچہ اس نزول کی بابت فرماتے ہیں۔ نزول سے مراد کسی چیز کا بروزی طور سے آنا ہے۔ یعنی اس کی رُوح و قوت میں (ص۱۳۳) جواب

نزدیک کیا ہیں پس امام بخاریؒ کا قول بھی بوجہ امام حدیث و حافظ روایات ہونے کے وہی ہے، نظر بر روایات دیگر۔

دوم اس وجہ سے کہ نقل قول صحابی مستلزم اعتقاد ناقل نہیں۔ کما لایخفی علی الماہر الذکی۔
سوم یہ کہ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کا مستقل باب باندھا ہے اور اس کے ذیل میں صحیح حدیث نزول کی ذکر کی ہے۔ اور اسی حدیث کو سب محدثین نے نزول عیسیٰ علیہ السلام کے لئے اصل دستاویز بنایا۔ اور دیگر سب روایات کو اس کے تابع رکھا۔

چہارم۔ یہ کہ امام بخاریؒ نے اسی موقع پر آیت وَاِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسٰۤی ءَاَنْتَ قُلْتَ الخ کی تفسیر میں کہا۔ کہ اذ صلہ ہے۔ اور قال بمعنے یقول یعنی بمعنے مستقبل ہے اور اس صورت میں معاملہ قیامت پر جا پڑتا ہے[1]۔ اور امام بخاریؒ اہلسنت کے ساتھ رہتے ہیں پس امام بخاریؒ وفات قبل النزول کے قائل ہرگز نہیں ہوسکتے لہٰذا مرزا صاحب کا دعوے بالکل بے بنیاد ہے واللہ الموفق۔

تذییل و تتمہ اب ذیل میں بطور تتمہ کے اُن کتابوں کا نام لکھا جاتا ہے۔ جن میں اس امر کی تصریح کی گئی ہے۔ کہ واو عاطفہ ترتیب کے لئے نہیں بلکہ مطلق جمع کے لئے آتی ہے، یہ اس لئے کہ اگر بالفرض توفی سے مراد موت بھی لی جائے تو بھی رفع و نزول سے پیشتر حضرت عیسیٰؑ کی موت کا واقع ہونا ثابت نہیں ہوسکتا، بلکہ واقعات کی صورت یوں ہوگی کہ پہلے رفع آسمانی ہوئی۔ پھر قرب قیامت میں نزول ہوگا پھر اس کے چند سال بعد وفات ہوگی[2]

[1] اس کی مزید تفصیل شہادت القرآن حصہ دوم میں ص۲۲ سے ص۲۵ تک دیکھو ۱۲

[2] اکمل صاحب بڑے مزے کی باتیں بناتے ہیں۔ چنانچہ آپ عنوان آیت انی متوفیک کی ترتیب کی حکمت میں فرماتے ہیں۔ پھر حضرت عیسیٰؑ کو چونکہ یہ خیال تھا کہ شاید بالمصلوب کی حالت پیش آنے سے فائدہ۔ اٹھا کر یہود میری لعنتی موت کی خبر اڑا دیں گے۔ تو اس کے جواب میں فرمایا۔ میں تجھے کفار کے الزام سے پاک رکھونگا (صفحہ) جواب سبحان اللہ جناب والا اصلیب سے قبل حضرت عیسیٰ کو کیا معلوم تھا۔ کہ مجھے نیم جان اتارا جائیگا۔ اور یہ پروپیگنڈا بنایا جائے گا۔ اکمل صاحب تو اس طرح لکھتے ہیں۔ کہ گویا آپ موقع پر موجود تھے بلکہ شریک کار تھے لیکن لطف یہ ہے کہ بات ایسی

جیسا کہ ابن عباسؓ ضحاک اور ائمہ مفسرین کا مذہب ہے، کیونکہ آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ رفع آسمانی میں نص قطعی ہے کما عینہ بیانہ الشر اور مجموعہ احادیث نزول جن میں حضرت عیسیٰؑ کا آسمان سے نزول اور ان کے بعض کام اور حج و عمرہ اور مدت اقامت اور وفات اور مدفن کا ذکر ہے اسی ترتیب کو چاہتی ہیں، چنانچہ محدث ابن جریر توفی کی مختلف صورتیں نقل کرنے کے بعد بطور فیصلہ لکھتے ہیں۔

قال ابو جعفر واولی ھذہ الاقوال بالصحۃ عندنا قول من قال معنے ذلک انی قابضک من الارض و رافعک الیّ لتواتر الاخبار عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ینزل عیسٰی بن مریم فیقتل الدجال ثم یمکث فی الارض مدۃ ذکرھا اختلف الروایات فی مبلغھا ثم یموت فیصلی علیہ المسلمون ویدفنونہ (جلد سوم ص۱۶۱)

ابو جعفر محدث ابن جریر کہتا ہے کہ ان سب اقوال میں سے ہمارے نزدیک اولی بصحت ان کا قول ہے۔ جو یہ کہتے ہیں۔ کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ میں تجھے زمین سے لے لینے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھا لینے والا ہوں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر حدیثیں مروی ہیں۔ کہ آپ نے فرمایا۔ کہ عیسیٰ بن مریمؑ اتریں گے۔ اور دجال کو قتل کریں گے۔ پھر زمین میں اتنی مدت رہیں گے جو آپ نے ذکر کی۔ اور اس کی تحدید میں مختلف روایتیں ہیں۔ پھر مرینگے اور مسلمان ان کا جنازہ پڑھیں گے۔ اور ان کو دفن کریں گے[1]۔

اس کے بعد امام ممدوح نے بعض احادیث نزول ذکر کی ہیں جن کی بنا پر انہوں نے فیصلہ بالا دیا ہے۔

اب ہر فن کی کتابوں کے نام لکھے جاتے ہیں۔ جن میں لکھا ہے۔ کہ واو ترتیب کے لئے نہیں ہوتی۔

علم نحو | کافیہ۔ شرح جامی۔ رضی شرح کافیہ۔ زینی زادہ۔ ترتیب سعیدی، تکملہ مولنٰنا

---

[1] مشکوٰۃ میں باب نزول عیسیٰ علیہ السلام میں عبداللہ بن عمرو کی روایت میں مرفوعاً مذکور ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام (مدینہ طیبہ) داخل حجرہ نبویہ صلعم مدفون ہوں گے۔ اس کا پورا بیان ہم نے رسالہ الخبر الصحیح عن قبر المسیح میں کر دیا ہے۔ ۱۲ منہ۔

Marfat.com

عبد الحکیم سیالکوٹی۔ الفیہ ابن مالک۔ حاشیہ الفیہ۔ شرح الفیہ لابن عقیل مفصل للزمخشری الفیہ للسیوطی،

علم اصول حصول المامول۔ ارشاد الفحول۔ اصول شاشی۔ حواشی اصول شاشی۔ حسامی۔ نور الانوار۔ کاشف اسرار اصول بزدوی۔ آیات بینات۔ شرح جمع الجوامع۔ منہاج للبیضاوی۔ شرح الاسنوی مسلم الثبوت۔ فواتح الرحموت۔ توضیح تلویح حاشیہ للفنری۔ تحریر للابن الہمام۔ تقریر لابن امیر الحاج۔

علم بلاغت مختصر المعانی۔ مواہب المفتاح۔ عروس الافراح۔ نہایۃ الایجاز للامام الرازی رح

علم ادب شرح سبعہ معلقہ، قصیدہ لبید بن ربیعہ میں مولوی فیض الحسن صاحب مرحوم سہارنپوری جو ہندیوں میں زبان عربی کے ماہر ادیب مانے گئے ہیں۔ اس کی تصریح فرماتے ہیں، شعر یہ ہے۔

أُغْلِي السِّبَاءَ بِكُلِّ أَدْكَنَ عَاتِقٍ أَوْ جَوْنَةٍ قُدِحَتْ وَفُضَّ خِتَامُهَا

اس شعر میں شراب کا نکالنا پہلے مذکور ہوا۔ اور ڈاٹ کا کھولنا پیچھے حالانکہ ترتیب واقعی و عملی میں معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے یعنی بوتل کا ڈاٹ پہلے کھولا جاتا ہے اور شراب یا جو کچھ بوتل کے اندر ہو پیچھے نکالا جاتا ہے۔

قرآن کریم سورہ نحل میں فرمایا:۔

وَاللّٰهُ أَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ أُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْـِٕدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (نحل ۷۸) ۔

"اور خدا نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے اس حال میں خارج کیا تھا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے اور تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تا کہ تم شکر کرو" (۱۶: ۲۸)

اس آیت میں ماں کے پیٹ سے نکالنا پہلے ذکر کیا گیا ہے اور دل اور آنکھ اور کان کا بنانا پیچھے، لیکن ترتیب واقعی میں معاملہ اس کے برعکس ہے یعنی اعضا پہلے بنتے ہیں اور بہت مدت بعد ازاں بچہ پیٹ سے خارج ہوتا ہے۔

Marfat.com

(۲) سورہ بقرہ پ۱ میں ہے وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ یعنی خدا تعالیٰ نے یہودیوں کو حکم کیا کہ دروازہ شہر میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا اور زبان سے) کہنا بخشش" (۲: ۵۸)

اسی مضمون کو سورۃ اعراف پ۹ میں یوں بیان کیا ہے وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا (۷: ۱۶۱) اس جگہ اوپر کے مقام کی ترتیب کے خلاف کلمہ حِطَّةٌ کا کہنا پہلے ذکر کیا۔ اور شہر کے دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونے کا ذکر پیچھے کیا، حالانکہ واقعہ ایک ہی ہے۔

چنانچہ شرح رضی میں اسی آیت کی بنا پر کہا ہے کہ اگر واؤ ترتیب کیلئے ہو تو اللہ تعالیٰ کا قول وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا الخ اس قول کو جو دوسری جگہ بالفاظ وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ وارد ہے۔ توڑ دیوے، کیونکہ ہر دو آیات میں، قصہ ایک ہی ہے [1]

ولوکانت للترتیب لناقض قولہ تعالیٰ وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ قولہ فی موضع اخری وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا اِذِ الْقِصَّةُ وَاحِدَةٌ (رضی شرح کافیہ ص۳۰۵)

(۳) سورہ مومنون پ۱۸ میں فرمایا۔ کہ منکرین قیامت کہتے ہیں۔

نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ یعنے ہم مرتے ہیں اور زندہ رہتے ہیں اور (اس کے بعد) ہم (دوسری دفعہ) زندہ نہیں کئے جائیں گے۔ (۲۳: ۳۷)

اس جگہ مرنے کو پہلے ذکر کیا۔ اور زندہ رہنے کو پیچھے، حالانکہ ترتیب خارجی میں پہلے "جینا" ہوتا ہے پیچھے "مرنا"۔ علامہ رضی اس آیت کو بھی واؤ عاطفہ کے ترتیب کیلئے نہ ہونے پر شاہد لاتے ہیں، قرآن شریف میں اس کی مثالیں اس قدر ہیں کہ ان کے نقل کرنے سے خوفِ طوالت ہے۔

غرض جمہور ائمہ نحو و اصول کے نزدیک یہ امر مسلم ہے کہ واؤ عاطفہ ترتیب کیلئے نہیں ہوتی، اور نیز یہ کہ ترتیب ذکری اور ترتیب خارجی یا ذوقی دقلی میں مطابقت ضروری نہیں

---

[1] واؤ عاطفہ کے مفید ترتیب ہونے کے متعلق علامہ فنری رحمہ نے بھی حاشیہ تلویح میں انہی دو آیتوں کو ذکر کرکے پھر ان پر یہی نوٹ لکھا ہے، جو علامہ رضی نے لکھا ہے۔ ۱۲۔ سعادت الاقران۔ منہ۔

پس جب اس قدر شواہد و اسناد سے یہ مسئلہ پایۂ یقین کو پہنچ گیا۔ تو حضرت ابن عباسؓ کا مذہب کہ آیت اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ میں تقدیم و تاخیر ہے، خلافِ محاورہ زبانِ عرب نہ ہوا۔

فالحمد للہ معلم الحقائق و ملھم الدقائق و معطے الخیرات من معادنھا و منزل الرحمۃ من اماکنھا و مجری البرکات علی اھلھا (ترجمہ) پس سب تعریف خدا کو ہے، جو سچے امور کا سکھانے والا اور باریک امور کا الہام کرنے والا، اور نیکیوں کا ان کی معدنوں سے عطا کرنے والا اور رحمت کا اس کی جگہ سے نازل کرنے والا اور برکات کا اُن کے اہل پر جاری رکھنے والا ہے۔

دوسری آیت جس سے حضرت عیسیٰؑ کی حیات اور رفع آسمانی قطعی طور پر ثابت ہے۔ آیت سورہ نساء ہے۔

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۔ (نساء پ ۶ ۴: ۱۵۷)

اور ہم نے ان کو اس قول کے بدلے بھی ملعون کیا، کہ ہم نے مسیح عیسیٰؑ بن مریم رسول خدا کو قتل کر دیا۔ حالانکہ اُنہوں نے اس کو نہ قتل کیا اور نہ اس کو صلیب پر چڑھایا، لیکن انہوں نے اس شخص کو قتل کیا۔ اور صلیب دیا جو ان کے لئے مسیح کا ہم شکل بنایا گیا تھا۔ اور بیشک وہ لوگ جنہوں نے اس کے بارے میں اختلاف کیا (یعنے نصاریٰ) البتہ وہ اس سے شک میں پڑے ہیں۔ ان کو اس کا کوئی بھی علم نہیں سوائے ظن کی پیروی کے۔ اور انہوں نے اس کو ہر گز ہر گز قتل نہیں کیا۔ بلکہ خدا نے اس کو اوپر اپنی طرف اٹھالیا۔ اور خدا غالب اور حکمت والا ہے۔

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ کی تفسیر ص۹۱ میں اور وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ کی تشریح ص۶۸ سے ص۷ تک اور وَلَٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ کی توضیح و تنقیح ص۷ سے

Marfat.com

ص۸۱ تک بالبسط بیان ہو چکی۔ اور حوالہ جارج سیل صاحب جو ص۸۴ پر منقول ہو چکا۔ اس سے ظاہر ہو چکا کہ حضرت روح اللہ ع کے واقعہ صلیبی کی نسبت صرف فرقِ نصاریٰ ہی مختلف الآرا ہیں۔ لہٰذا اِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْہِ سے یہی نصاریٰ مراد ہیں۔ دونَ الیھود۔ کیونکہ یہود تو اپنے زعم میں قتل حضرت روح اللہ ع پر جزم رکھتے ہیں۔ کما ھو واضحٌ من قولہ و قولِھِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ اور ص۹۵ میں گزر چکا کہ وَمَا قَتَلُوْہُ یَقِیْنًا سے یہود کے اس جزم مزعوم کا ابطال اور اس کی تردید منظور ہے فَلَا تکرارَ حِیْنَئِذٍ پس اس صورت میں اس میں کوئی تکرار نہیں۔

اب کلمات طیبات بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ کی صحیح مراد بیان کی جاتی ہے۔ کہ یہ آیت متبرکہ دربارۂ حیات و رفع مسیح الی السماء نص قطعی لعبارۃ النص ہے۔ سو واضح ہو کہ مرزا صاحب قادیانی کا یہ قول ہے۔ کہ حضرت مسیح صلیب پر چڑھائے تو گئے۔ مگر زندہ اُتار لیے گئے۔ اور پھر خفیہ طور پر علاج کراتے رہے اور بعد ازاں بھاگ کر کشمیر میں آگئے۔ جہاں ستاسی سال زندہ رہ کر فوت ہو گئے۔ اعاذنا اللہ مِنْ ھٰذِہِ الْخُرَافَاتِ۔

بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ سے کبھی رفع روح　بتاتے ہیں اور کبھی عزت کی موت مراد رکھتے ہیں مرزا صاحب کی صلیب تو فصل اول سے بالکل منکسر ہو گئی اور معنی کنائی کی تردید وَاقْعِدْ عَالِیٰ میں بالاستیفا ہو چکی۔ اور ہجرت الی کشمیر کی تردید ابھی آگے مذکور ہو گی۔ انشاء اللہ

چونکہ مرزا صاحب قادیانی رَفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ سے رفع روح مراد لیتے ہیں اور اہل السنت والجماعت سلفاً و خلفاً مطابق مراد الٰہی رفع جسم پر یقین رکھتے ہیں اسلئے ہر دو صورت رفع کے معنے تو حقیقی ہی لئے گئے۔ اور نیز چونکہ مرزا صاحب بھی رفع روح الی اللہ کی صورت رفع الی السماء ہی بتاتے ہیں جیسا کہ انہوں نے اپنی کتاب ازالہ اوہام میں اس آیت کے ذیل میں بالتصریح لکھا ہے اور اہلسنت بھی رفع الی اللہ اور رفع الی السماء کو مساوق فی المعنی جانتے ہیں جیسا کہ دا فعلک

لہ اکمل صاحب بے کبھی میں بھی کامل ہیں فرماتے ہیں " رفع روح الی اللہ کو رفع الی السماء بنانے سے یہ مطلب ہے کہ روح کی رفع الی اللہ ہو تو وہ عند اللہ عند الملائکہ فی السماء چلا جاتا ہے نہ یہ کہ رفع الی اللہ رہا تی بر عنوا آئندہ)

اِلَیَّ میں محقق ہو چکا ہے اس لئے اِلَیْہِ سے اِلَی السَّمَآءِ مراد ہونا بھی مسلّم فریقین ہو گیا۔ پس تنازع صرف جسم و روح کے مرفوع ہونے میں رہا اور میں یہاں رفع روح کا ابطال اور رفع جسم کا اثبات مدلل طور پر کیا جاتا ہے وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ وَھُوَ نِعْمَ الْمُعِیْنُ۔

وجہ اوّل برائے ابطال رفع روحی و اثبات رفع جسمی

چونکہ یہودیوں کا قول اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ ہے اور ظاہر ہے کہ قتل و صلب کے قابل جسم ہے نہ روح۔ اس لئے مزعوم یہود قتل جسم ہوا نہ قتل روح۔ بنا برآں وَمَا صَلَبُوْہُ اور وَمَا قَتَلُوْہُ یَقِیْنًا میں بھی نفی قتل و صلب جسم ہی سے کی گئی ہے پس چونکہ جملہ ضمائر منصوب منفصل جو افعال منفیہ و فعل مثبت کے ساتھ ہیں یعنی جو وَمَا قَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ اور وَمَا قَتَلُوْہُ یَقِیْنًا بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ میں واقع ہیں۔ ان سب کا مرجع المسیح ہے اس لئے لامحالہ جسد مسیح مرفوع ماننا پڑیگا۔ بنا بر اتحاد مرجع۔ اور پھر چونکہ رَفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ میں رفع کو بصیغہ ماضی تعبیر کیا ہے اور ظاہر ہے کہ زمانہ کی ماضویت و استقبال اضافی امور سے ہے ذاتی نہیں۔ یعنی ایک ہی زمانہ بہ نسبت ایک کے ماضی ہو سکتا ہے اور بہ نسبت دوسرے کی استقبال اس لئے رفع کی ماضویت بھی کسی کی نسبت سے ہوگی۔ اور وہ ماقبل بَلْ ہے یعنی واقعہ صلیبی جس طرح کہ آیات ذیل سے ظاہر ہے۔

(بقیہ صفحہ ماضی) اور الی السماء کے معنے ایک ہیں" (ص۳۶) جواب جناب والا! بات تو پھر بھی وہی رہی کہ روح خدا کے پاس آسمان پر چلی گئی بس یہی تو مقصود تھا کہ مرزا صاحب بھی روح آسمان پر جانا مانتے ہیں حالانکہ آسمان کا لفظ موجود نہیں آپ نے بھی اسے بحال رکھا ہے کمال یہ کیا کہ تسلیم کرکے سر جھکا گئے مان کر بگڑ جانا اسے ہی کہتے ہیں ۱۲۔ سعادت۔

(۱) اکمل صاحب شاید قرآن کی بھی ترمیم کروالیں گے (معاذ اللہ) آپ رفع الی اللہ اور رفع الی السماء کے تساوق کو نہ سمجھ کر فرماتے ہیں "ایسا کہنا خداوند کریم کو مکانی بناتا ہے جو کفر ہے" (ص۳۶) جواب۔ جناب عالی! پھر ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ (رکوع پ۲۹) وغیرہ آیات میں کیا فرمائیں گے کیا قرآن بھی کفر سکھاتا ہے سنیے! خداوند کریم کے لئے جہت فوق کی طرف ماننا تقاضائے فطرت ہے۔ لیکن اسے کسی "جہت میں" ماننا اور ہے اور یہی کفر ہے ۱۲ سعادت۔

(۲) اکمل صاحب میں خاص کمال یہ ہے کہ بات تسلیم کرکے بھی سر جھکا جاتے ہیں چنانچہ ص۳۶ پر لکھتے ہیں رفع کی ماضویت آپ نے پوچھی وہ واقعہ صلیبی کی نسبت ہی سہی تو معنی یہ ہوئے کہ واقعہ صلیبی سے پہلے ہی حضرت مسیح مرفوع الشان عنداللہ تھے جواب۔ اکمل صاحب

Marfat.com

(۱) أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ بَلْ جَاءَهُم بِالْحَقِّ (پ ۱۸ مومنون) (۲۳: ۷۰) کیا یہ کفار کہتے ہیں کہ اسے (پیغمبر صلعم کو) جنون ہے۔ نہیں بلکہ وہ اُن کے پاس حق لے کر آیا ہے۔" اور آیت

(۲) وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُوا آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ (صافات پ ۲۳) اور یہ (دوزخی) کہتے تھے کہ کیا ہم اس شاعر مجنون کے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں (ہمارا پیغمبر شاعر و مجنون نہیں) بلکہ وہ تو حق لیکر آیا" (۳۷: ۳۶) واقعہ میں مجئ بالحق کا تحقق پہلے ہوا۔ بعد ازاں ان کفار بدکردار نے آپ صلعم کی نسبت زعم جنون کیا۔

اور آیت

(۳) وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَٰنُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ (پ ۱۷ انبیاء) (۲۱: ۲۶) اور یہ (مشرک) کہتے ہیں کہ خدا نے اولاد بنائی وہ پاک ہے بلکہ (وہ تو) اس کے معزز بندے ہیں"۔ واقعہ میں تکریم بعض عباد اللہ کا تحقق پہلے ہوا۔ پیچھے مشرکین نے ان کی نسبت زعم الوہیت کیا۔ اسی طرح بَلْ رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ میں بھی یہی ملحوظ ہے۔ کہ ماقبل بَلْ یعنی واقعہ صلیبی پر زعم یہود بہ نسبت مسیح پیچھے ہوا۔ اور اس سے پیشتر اللہ تعالے نے آپ کے جسد مبارک کو مرفوع الی السماء کر لیا تھا۔ اور چونکہ واقعہ صلیبی کے پیشتر حیات مسیح علیہ السلام عند الخصم بھی مسلّم ہے اس لئے اللہ تع نے جسد حضرت روح اللہ کو آسمان پر زندہ اُٹھا لیا۔ اور یہود کے ہاتھ میں ہرگز نہ آنے دیا۔ اور یہی امتنان باری آیہ وافی ہدایہ وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَنكَ میں مذکور ہے۔ اور یہی تھا وعدہ الٰہی وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا "یعنی میں تجھ کو کفار سے بالکل پاک رکھوں گا"

نیز اس لئے کہ چونکہ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ میں ہر دو منصوب متصل ضمیریں المسیح کی طرف راجع ہیں۔ اور المسیح عبارت ہے جسد مع روح سے اس لئے صرف انہی ضمیروں سے رفع جسد مع روح ثابت ہو سکتا ہے کیونکہ ارواح مجردہ بغیر تعلق بالبدن کے قابل تسمیہ نہیں ہوتے۔ اور نہ جسم بے روح حامل اسم

Marfat.com

ہوتا ہے۔

شق اوّل (یعنی مجرد ارواح کا نام نہ رکھا جانا) آیت وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ (پ ۹ اعراف) (علی قول) اور باب صحیح بخاری اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَةٌ سے ثابت ہے جس سے معلوم ہوا کہ خلق ارواح کا تحقق خلق اجسام سے متقدم ہے۔ اور اس حالت میں ان کے نام نہیں ہوتے۔ اور **شق ثانی** (یعنی مجرد جسم کا نام نہ رکھا جانا) مسئلہ فقہیہ عدم تسمیہ صبی درصورت غیر مستہل ہونے سے ظاہر ہے۔

پس واضح ہو گیا کہ اللہ تعالےٰ نے المسیح یعنی جسم مع روح کو جس کا نام المسیح عیسیٰ ابن مریم تھا آسمان کی طرف اُٹھا لیا۔ اور یہ امر بشارت حضرت مریم صفیۃ اللہ سے بھی معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے علی لسان الملائکہ فرمایا یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ (پ ۳ اٰل عمرٰن ۳ : ۴۴) اس سے واضح ہو گیا۔ کہ مسمّی بالمسیح عیسیٰ بن مریم ہونا بعد تحقق اثر کلمہ کُنْ کے ہے۔ اور وہ کیا ہے؟ ولادت مسیح فَثَبَتَ الْمُرَادُ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اور ایسا ہی اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۣاسْمُهٗ یَحْیٰی (پ ۱۶ مریم ۱۹ : ۷) سے ظاہر ہے فَافْهَمْ وَتَدَبَّرْ وَتَأَمَّلْ وَلَا تَعْجَلْ۔

وجہ ثانی برائے ابطال مزعوم قادیانی

آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ میں قتل و صلب کی نفی کے بعد اثبات رفع بواسطہ حرف بَلْ کیا گیا ہے۔ اور ماہرین علم اصول و نحو پر روشن ہے کہ بَلْ ابطالیہ کے اطراف متضاد فی الحکم ہوتے ہیں اور باہم متحقق نہیں ہو سکتے کیونکہ اجتماع ضدین عقلاً محال ہے۔ جیسا کہ آیات مذکورۂ ذیل سے واضح ولائح ہے الآیۃ الاولیٰ۔ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ اور یہ (مشرک) کہتے ہیں کہ خدا نے فرزند وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ لَّهٗ مَا اختیار کیا۔ وہ پاک ہے بلکہ زمین و

فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (پ بقرہ ۲: ۱۱۶) آسمان میں جو کچھ ہے سب اُسی کی مِلک ہے۔"

الآیۃ الثانیہ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ (پ انبیاء) (۲۱: ۲۶) "اور یہ (مشرک) کہتے ہیں کہ خدائے رحمٰن نے فرزند اختیار کیا۔ وہ اس سے پاک ہے، بلکہ وہ تو اس کے معزز بندے ہیں۔"

ان آیتوں میں ولدیّت وعبودیّت میں کلمہ "بل" سے تضاد وتنافی ظاہر کرکے تنزیہہ باری سبحانہٗ از اتخاذ ولد کی گئی ہے۔

الآیۃ الثالثۃ اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ (پ مومنون) کیا یہ (منکر) کہتے ہیں کہ اسے (یعنی ہمارے پیغمبرؐ) کو جنون ہے (نہیں)، بلکہ وہ تو ان کے پاس حق لے کر آیا ہے (۲۳: ۷۰)

الآیۃ الرابعۃ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ (پ صافات) (۳۷: ۳۶ و ۳۷) اور یہ (دوزخی) کہتے تھے کہ کیا ہم اس شاعر مجنون کے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں (ہمارا پیغمبر شاعر ومجنون نہیں) بلکہ وہ اُن کے پاس حق لایا اور دیگر رسولوں کی تصدیق کی؟

ان آیتوں میں کلمہ "بَلْ" سے رسول اللہ صلعم سے نسبتِ مجنونیت وشاعریّت کا ابطال اور آپ کے مجئی بالحق وتصدیق المرسلین کا اثبات کیا گیا ہے۔ کیونکہ جب آپؐ اللہ تعالےٰ کی طرف سے حق لے کر آئے ہیں اور دیگر مرسلین علیہم السلام کی تصدیق کرتے ہیں۔ تو پھر آپ کی طرف نسبتِ مجنونیّت وشاعریّت بالکل باطل ٹھیری۔ اگر کلمۂ بَلْ کو افادۂ مذکور کے لئے مفید تسلیم نہ کیا جائے۔ تو معاذ اللہ پھر تقریب ناتمام رہتی ہے۔ پس آیت معنونہ میں بھی ماقبل بَلْ یعنے مقتولیّت، مصلوبیّت اور مابعد بَلْ یعنے مرفوعیّت میں منافات وعدم اجتماع فی المتحقق پایا جانا چاہیے۔ اگر رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ سے مراد رفع رُوح

یا اعزاز و اکرام لیا جاوے تو نا قد لعیب ہے اس کا بطلان ظاہر ہے کیونکہ ما بین مقتولیت و مصلوبیت اور رفع روح و اعزاز و اکرام کے اصلاً منافاۃ نہیں کیونکہ شہداء جو ظلماً مقتول ہوتے ہیں ان کے ارواح عالم بالا کو مرفوع ہوتے ہیں۔ اور وہ جناب باری عزاسمہ میں بغایت معظم و مکرم بھی ہوتے ہیں۔ پس بمقتضائے کلمہ بَلْ ارادہ رفع روح باطل ٹھیرا۔ اور چونکہ مقتولیت و مصلوبیت اور رفع جسمی بحالت زندگی میں منافاۃ ہے۔ اور ہر دو معاً متحقق نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا لابد ارادہ رفع جسمی تسلیم کرنا پڑیگا۔ کیونکہ جب زندہ جسم مرفوع الی السماء ہوگیا۔ تو پھر اس کو صلیب پر نہیں چڑھا سکتے۔

سوال مرزا صاحب قادیانی مقتولیت مسیح کے قائل نہیں۔ لہٰذا تقریب بالا ان کے مذہب کے خلاف مؤثر نہیں۔ اور نیز بموجب ان کے مذہب کے مابعد بَلْ یعنے رفع جو کنایہ ہے اعزاز و اکرام سے اس میں اور ماقبل بَلْ یعنی قتل بالصلیب میں جو بحکم تورات مستلزم لعن ہے تنافی و تضاد متصور ہے۔ کیونکہ ملعون عند اللہ معزز نہیں ہو سکتا۔

اما الجواب عن الشق الاول پس واضح ہو کہ تقریر بالا گو رد زعم الیہود ہے کیونکہ وہی بالجزم اس کے خلاف کہتے تھے مگر اس میں من وجہ قادیانی کے اعتقاد فاسد کا ابطال و استیصال بھی بکمال وضوح عیاں ہے اگرچہ انہوں نے یہودیت و نصرانیت کے رنگ میں ایک الگ مسلک اختیار کیا ہے۔ وہ مسلک یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر تو چڑھائے گئے۔ مگر اس سے مرے نہیں[1]

---

[1] اکمل صاحب اسے تسلیم تو کرتے ہیں۔ لیکن فرماتے ہیں" اس بروز محمدیہ (چشم بد دور مرزا صاحب) نے دو قوموں میں بطور حکم فیصلہ کر دیا۔ ایک گروہ قائل تھا کہ صلیب پر چڑھائے گئے۔ اور قتل ہوگئے۔ دوسرا گروہ کہتا تھا کہ نہ قتل ہوئے نہ صلیب پر چڑھائے گئے آپ (مرزا صاحب) نے فرمایا صلیب پر چڑھائے تو گئے۔ مگر قتل نہیں ہوئے" (صفحہ ۳) **جواب**۔ اکمل صاحب بقول شاعر ؎ الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں + لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا۔ اپنی تحریر سے آپ ہی پھنس گئے۔ اس کی توضیح یوں ہے کہ وہ ایک گروہ کی نسبت تو فرماتے ہیں کہ وہ حضرت مسیح کی نسبت قتل و صلیب ہر دو کا قائل (باقی برصفحہ آئندہ)

تفصیل اس کی یوں ہے کہ مضمون کسرِ صلیب میں محقق ہو چکا ہے کہ صلیب کے معنے صرف سولی پر لٹکانے کے ہیں۔ پس چونکہ مرزا صاحب مصلوبیت حضرت مسیح کے قائل ہیں۔ اس لئے تقریب بالا سے ان کے مذہب کا بھی ابطال ہوا۔ کیونکہ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْہِ میں ابطال مصلوبیت بھی ملحوظ ہے۔ بوجہ بَلْ کے قبل مذکور ہونے کے[۱]

(بقیہ حاشیہ صفحہ ماضی) لیکن دوسرے کی نسبت فرماتے ہیں، کہ وہ ہر دو سے منکر تھا، سو معلوم ہے کہ پہلے قول کے قائل یہود و نصاریٰ ہیں اور قادیانی علماء اس واقعہ کے تواتر کے ثبوت میں یہی دلیل پیش کیا کرتے ہیں، چنانچہ صفحہ ۱۳۸ پر مولوی مبارک علی صاحب سیالکوٹی احمدی کا قول مع تردید گزر چکا۔

اب دریافت طلب یہ ہے کہ دوسرا گروہ جو قتل و صلب میں سے کسی بات کا بھی قائل نہیں وہ کونسا ہے؟ ماننا پڑیگا کہ وہ دوسرا گروہ مسلمانوں کا ہے جو بحکم وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ حضرت مسیح علیہ السلام کو ہر دو سے بری و محفوظ مانتے ہیں، پس اکمل صاحب نے تسلیم کر لیا کہ مرزا صاحب قادیانی سے پیشتر حضرت مسیح کے مقتول نہ ہونے اور صلیب پر بھی نہ چڑھائے جانے" پر اُمت مرحومہ کا اجماع ہو چکا تھا۔ لہٰذا مرزا صاحب کا یہ قول کہ حضرت مسیح صلیب پر چڑھائے گئے اجماع اُمت کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل ٹھہرا۔ صاحبان! آپ اسی کتاب کے صفحہ ۲۶ پر میرے اشتہار بنام مرزا صاحب پر ایک نظر ڈالیں۔ جہاں لکھا ہے۔ "جناب مرزا صاحب! بندہ (محمد ابراہیم میر سیالکوٹی) جمیع اہل سنت والجماعت سلف و خلف کی طرح اس بات کا قائل ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر نہیں چڑھائے گئے۔ اور اب تک فوت بھی نہیں ہوئے" (ملخصاً) الحمد للہ کہ اب ہمارے اکمل صاحب نے بھی خود ہی مان لیا۔ کہ مرزا صاحب سے پیشتر مسلمانوں کا یہی اعتقاد تھا۔ شکر للہ کہ میان من او صلح فتاد، ہم اکمل صاحب کو اس تسلیم حق پر مبارکباد دیتے ہیں۔

دیکھیں:۔ یہ کہ یہ بھی بالکل صاف ہو گیا۔ کہ چونکہ یہود حضرت عیسیٰؑ کے قتل و صلب ہر دو کے قائل تھے اس لئے خدا تعالیٰ نے ہر دو امر کی تردید کرنے کے لئے فرمایا وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ یعنی نہ تو انہوں نے مسیح رسولِ خدا کو قتل کیا۔ اور نہ سولی دیا۔ ۱۲ (سعادت، منہ)

[۱] کلمہ بَلْ کے استعمال کی تحقیق و تدقیق سے اکمل صاحب کے سارے بل و پیچ نکل گئے۔ اور انہوں نے بلا تردد اسے تسلیم کر لیا۔ چنانچہ میری عبارت نقل کر کے تصدیق فرماتے ہیں:۔

بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْہِ میں ابطال مصلوبیت بھی ملحوظ ہے" بیشک" (صفحہ ۳۳)

لیکن اس کے بعد پھر کرنے کی راہ نکالتے ہیں اور لکھتے ہیں۔ .... (باقی بر صفحہ آئندہ)

Marfat.com

چنانچہ تفسیر خازن میں بَل رَّفَعَهُ اللّٰهُ کی تفسیر میں لکھا ہے۔

فالمعنی انہم لم یقتلوا عیسیٰ و لم یصلبوہ ولکن اللّٰہ عز وجلّ رَفَعَهُ اِلَیْهِ (خازن منا۳۲)

اس کے معنے یہ ہیں کہ یہود نے عیسےٰ ع کو نہ تو قتل کیا اور نہ اُسے صلیب دیا بلکہ اس کو خدائے عزوجل نے اپنی طرف (اوپر کو) اُٹھالیا۔

اور شق ثانی کے جواب میں اوّل تو یہ معروض ہے کہ کتب محرفہ سے استدلال و تمسک کرنا اور بیان قرآنی میں تحریف کرنا سب سے زیادہ موجب لعن ہے۔ جو توریت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام پر نازل کی گئی تھی۔ وہ تو صفحہ دنیا پر نظر نہیں آتی ہے۔ اور اس کا کہیں بھی پتہ نہیں ملتا جو پانچ کتابیں بنام توریت مجموعہ بائیبل کے ابتداء میں منضم ہیں۔ وہ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ کہ کسی مورخ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بہت دیر بعد وقائع و شرائع موسویہ کو تاریخی طور پر جمع کیا جیسا کہ اس کی اندرونی شہادات سے ثابت ہے۔ مثلاً کتاب استثناء باب اخیر واقعہ وفات حضرت کلیم اللہ اور اسی طرح کئی دیگر مواضع[ل]

دیگر یہ کہ توریت اور انجیل شریف اور قرآن عظیم غرض جملہ کتب سماویہ میں اللہ تعالیٰ کا یہی وعدہ ہے۔ کہ شہداء بمراتب عالیہ فائز ہوں گے۔ چنانچہ سورہ توبہ پ۱۱ میں فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ

بیشک خدا نے مومنوں سے ان کی جانیں اور مال جنت کے بدلے خرید لئے ہیں۔

(بقیہ صفحہ ماضی) اگر مصلوبیت کے یعنے صلیب پر موت واقع ہونے کے ہیں" ورنہ ماننا پڑیگا کہ کُلّما صَلَّبْتُمُوْهُ اَوْ یُصَلَّبُوْا میں بھی صرف صلیب پر چڑھانا مراد ہے۔" (ص۳۷) جواب عجاب والا مصلوب کی تحقیق سابقاً مولوی مبارک علی صاحب کے جواب باصواب کی تردید میں مفصل گذر چکی۔ اس سے عشرہ ثمانی کیوں کی دیکھئے کتاب ہذا ص۹۷ سے ص۱۰۷ تک۔ اور جو آیات آپ نے لکھی ہیں۔ ان میں بھی وہی تحقیق ملحوظ ہے۔ فارجع البصر الآیۃ ۱۲ سعادت منہ

ل مرزا صاحب قادیانی نے اپنی آخری کتاب چشمہ معرفت ص۲۵۵ میں خود ان کتابوں کو لچر و پوچ اور محرف مبدل لکھا ہے ۱۲ منہ

الْجَنَّۃَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىۃِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ الآیۃ

وہ خدا کی راہ میں لڑتے ہیں تو کبھی تو فریق مقابل کو) قتل کرتے ہیں اور کبھی خود قتل ہو جاتے ہیں خدا نے حق حق وعدہ کیا ہے تورات میں بھی اور انجیل میں بھی اور قرآن میں بھی" (۹:۱۱)

دیگر یہ کہ توریت موجودہ میں بھی مطلقاً قتل بالصلیب کو مستلزم لعن قرار نہیں دیا گیا۔ بلکہ خاص اُسی شخص کو ملعون کہا گیا ہے جو کسی سخت جرم واجب الصلیب کی سزا میں مصلوب ہو جیسا کہ سیاق و سباق بلکہ صریح عبارت سے ظاہر ہے۔ (۲۲)" اور اگر کسی نے کچھ ایسا گناہ[1] کیا ہو جس سے اس کا قتل واجب ہو اور وہ مارا جاوے۔ اور تو اسے درخت میں لٹکاوے (۲۳) تو اس کی لاش رات بھر لٹکی نہ رہے۔ بلکہ تو اُسی دن اسے گاڑ دے کیونکہ وہ جو پھانسی دیا جاتا ہے خدا کا ملعون ہے۔ اس لئے چاہئے۔ کہ تیری زمین جس کا وارث خداوند تیرا خدا تجھ کو کرتا ہے ناپاک نہ کی جاوے"۔ (استثنا باب ۲۱) مزید برآں ظاہر ہے کہ کافر مجرم کا مقتول بالصلیب ہونا ہی موجب لعن نہیں ہے بلکہ اگر کوئی شریعت حقہ کے حکم سے کسی اور طریق سے بھی قتل کیا جائے یا سزا دیا جائے۔ تو پھر بھی وہ زمرۂ مردودین میں معدود ہوگا۔ جیسا کہ آیت مائدہ سے ثابت ہے:۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْھِمْ

سوائے اس کے نہیں کہ ان لوگوں کی جزا جو خدا اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد مچاتے ہیں یہ ہے کہ ان کو خوب

---

[1] خدا جانے اکمل صاحب بات کے نہ سمجھنے میں نہایت کمال رکھنے کے سبب اکمل ہیں یا نہ ماننے کے سبب؟ عبارت میں تو صاف لکھا ہے کہ اگر کسی نے کچھ ایسا گناہ کیا ہو جس سے اس کا قتل واجب ہو" پھر بھی ہمارے اکمل صاحب (زید کمالہٗ فی الانکار) فرماتے ہیں" تورات کی آیات میں پہلے مجرم کا بیان ہو یا نہ ہو الخ صفحہ ۳۵ پرچہ اکملیت بابیہ گرلیسٹ ۱۲۔ سعادت الاقران منہ

وَاَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (پ ۶) قتل کیا جائے یا صلیب پر لٹکایا جائے۔ یا اُن کے ہاتھ اور پاؤں اُلٹے کاٹ دیئے جائیں۔ یا ان کو جلا وطن کیا جائے۔ یہ اُن کے لئے دنیا میں خواری ہے۔ اور آخرت میں ان کو بڑا عذاب ہوگا۔ (۵: ۳۳)

اور یہ بھی یاد رہے کہ مومن عاصی کے لئے حدود و کفارہ ہوتی ہیں جیسا کہ حدیث صحیح بخاری سے ثابت ہے۔

پس اس بیان سے واضح ہوگیا کہ عند اللہ ملعون و غیر ملعون اور مردود و مقبول ہونا مادہ صلاح و فساد کے سبب ہے نہ قتل و صلب کے سبب۔

پس جب ثابت ہو چکا کہ توریت موجودہ میں بھی مطلقاً مقتولیت بالصلیب کو موجب لعن قرار نہیں دیا گیا بلکہ وہ حکم مجرم فی الواقع کی نسبت ہے۔ تو چونکہ حضرت روح اللہ فی الواقع غیر مجرم تھے۔ لہٰذا بنا بر واقعہ ماقبل بَل دیجئے قتل بالصلیب اور مابعد بَل یعنی رفع اعزازی میں تنافی و تضاد متحقق نہ ہوا۔ بلکہ مومن جو ظلماً مقتول ہو وہ عند اللہ معزز ہوتا ہے پس تقریب کلمۂ بل بعد بطلان تاویل قادیانی رفع جسمی میں محکم رہی۔

اور اگر مسیح علیہ السلام کو معاذ اللہ بزعم یہود مجرم خیال کرکے تنافی پیدا کی جائے۔ تو ہر ذکی پر ظاہر ہے کہ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ قصرِ قلب ہے جس میں مزعوم مخاطب کو برعکس ما یذکرہ المتکلم ظاہر کرکے رد کیا جاتا ہے۔ اور چونکہ صورت اعتراضیہ میں بحسب علم المتکلم بھی وصف مزعوم مخاطب کا وجود متصور ہے وہذا خلف۔ لہٰذا قول قائل باطل ہوا۔ فافہم۔

ثانیاً یہ کہ ص۲۷ میں بوضوح محقق ہو چکا ہے کہ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ میں نفی قتل و صلب مقصور علی المفعول ہے یعنی قتل و صلب کی نفی صرف بہ نسبت حضرت مسیح کی گئی ہے۔ دون غیرہٖ بلکہ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ

سے وہی قتل و صلب غیر مسیح کے لئے ثابت کیا گیا ہے اور نیز مسلہ ۹ میں مذکور ہو چکا ہے کہ مفعول قَتَلْنَا یعنی اَلْمَسِیْحَ کو موصوف بِرَسُوْلِ اللّٰہِ ذکر کرنا بنا بر اظہارِ مفاخرتِ یہود ہے جو قصرِ مذکور کے لئے مؤید قوی ہے پس ماہر ذکی پر ظاہر ہو سکتا ہے کہ کلام الٰہی وَمَا قَتَلُوْهُ یَقِیْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ جو کلام قصری ہے وہ مِنْ بَابِ الْقَصْرِ الْمَوْصُوْفِ عَلَى الصِّفَةِ ہے وَهُوَ اَنْ لَّا یَتَجَاوَزَ الْمَوْصُوْفُ تِلْكَ الصِّفَةَ اِلٰى اُخْرٰی" اور پھر قصر قلب ہے لِوُجُوْدِ مُوْجِبِهٖ وَلَیْسَ قَصْرًا اِفْرَادًا وَلَا تَعْیِیْنًا لِفُقْدَانِ مُوْجِبَاتِهِمَا اور پھر قصر کے طرق اربعہ مشہورہ میں سے قصر بالعطف ہے۔ لِاَنَّهٗ اشْتَمَلَ عَلٰى كَلِمَةِ بَلِ الَّتِیْ تَقْتَضِیْ ثُبُوْتَ ضِدِّ حُكْمِ مَا قَبْلَهَا لِمَا بَعْدَهَا اور چونکہ قصر میں تمیز بین الخطاء والصواب ملحوظ ہوتی ہے اور قصر قلب میں متکلم پر واجب ہوتا ہے۔ کہ مثبت ومنفی کو منصوص ذکر کرے۔ کیونکہ اس میں نفی غیر اور اثباتِ مذکور بطریق حصر بیان کرنا پڑتا ہے۔ تاکہ مخاطب کے اعتقاد میں جو خطا ہے۔ اس کی تردید بھی ہو جائے۔ اور یہ بھی ظاہر ہو جائے کہ مخاطب کا اعتقاد برعکس ما یذکرہ المتکلم ہے۔ خصوصاً قصر بالعطف میں تو کسی صورت میں بھی ترکِ تصریح بالمراد جائز نہیں۔ کیونکہ پھر مابعد عاطفہ کا حکم ماقبل کی ضد ثابت نہیں ہو سکتا۔

بعد تمہید اس تقریب کے واضح ہو کہ اگر رفع الی اللہ سے موت طبعی بعد از واقعہ صلیب بعرصہ دراز بملکِ کشمیر مراد لی جائے جیسا کہ مزعوم مرزا صاحب ہے[1] تو بمقتضائے تمہید مذکور تصریح وَمَا قَتَلُوْهُ بِالصَّلِیْبِ بَلْ بَقِیَ حَیًّا زَمَانًا طَوِیْلًا ثُمَّ اَمَاتَهُ اللّٰهُ وَرَفَعَهٗ اِلَیْهِ ضروری ہے[2]۔ کیونکہ جب

---

[1] مطابق مذہب مرزا صاحب لکھا گیا ہے فافہم ۱۲ منہ

[2] ہمارے مکمل صاحب نے ہمارے اس بیانِ قصر قلب کو کان لپیٹ کر مان لیا ہے اور اس قاعدے کی رو سے جن جن تصریحات کا ضروری ہونا ذکر کیا ہے ان سب کو بھی تسلیم کر لیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں (باقی بر صفحہ ۱۷۶)

مزعوم یہود قتل مسیح بالصلیب تھا اور مراد الٰہی اثبات واقعہ صلیبی مگر برعکس زعم یہود ابطال قتل بالصلیب اور اثباتِ حیات بعد واقعہ صلیب بعرصۂ دراز تھا. تو اتنی تصریحات کا ترک کر دینا حسب قواعد علم معانی و بیان فصاحت و بلاغت کے بالکل منافی ہے۔ اور شانِ قرآن عظیم کے ہرگز شایان نہیں۔ پس چونکہ بنا بر مذہب مرزا صاحب بوجہ فقدانِ نص علی المثبت یعنی واقعہ صلیبی و حیات بعرصۂ دراز بعد ازال یہود کے زعم باطل کا ابطال ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اور نہ مدعائے الٰہی کا اثبات۔ اس لئے لامحالہ قول مرزا صاحب باطل ٹھہریگا۔ اور چونکہ بموجب مذہب فرقہ حقہ ناجیہ اہل سنت والجماعت کے نص علی المثبت والمنفی موجود ہے یعنی ابطال واقعہ صلیبی بنسبت مسیح مَا صَلَبُوْهُ میں منصوص ہے اور رفع الی السماء بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں مصرح ہے۔ اور قتل و صلب غیر مسیح جس پر آپ کی شباہت ڈالی گئی۔ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ میں مذکور ہے۔ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ سے سوائے رفع جسد کے اور کچھ مراد لینا ہرگز جائز نہیں۔ فافہم وتدبر۔

"ثالثاً" یہ کہ اس سے اوپر انہی یہود کی نسبت کہا گیا ہے وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ اور وہ سب مقتول انبیاء عند اللہ ماجور و مرفوع الدرجات ہوئے اور ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ماضی) تصرف قلب جس میں مزعوم مخاطب کو برعکس بایذکرہ المتکلم ظاہر کرکے رد کیا جاتا ہے.

بیشک! چنانچہ اس آیت میں بھی مزعوم مخاطب کے برعکس ہی کیا گیا ہے کیونکہ مزعوم یہودی کا دار قتل بالصلیب تھا جس کی نفی کی گئی۔ اور اصل حال بتا دیا گیا۔ کہ مسیح علیہ السلام صلیب پر چڑھائے گئے اور مشبہ بالمصلوب ہوگئے۔ مگر یونس نبی کی طرح قبر میں زندہ ہی رکھے گئے۔ اور پھر وہاں سے نکل کر لمبا سفر کیا اور کشمیر میں شاہزادہ نبی کہلائے۔ اور باعزت وہاں رہے اور کامیابی کے ساتھ دنیا سے بعد فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ اٹھائے گئے۔ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں یہ سارا مضمون بالتصریح بتلایا گیا ہے" (ص ۲۹)

حضرات! جناب اکمل صاحب نے ہمارے بیان کو حرف بحرف تسلیم کر لیا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ یہ سب امور مذکورہ بل رفعہ اللہ میں بالتصریح بتلا دیئے گئے ہیں اور ہم عرض کرتے ہیں کہ قرآن شریف میں ان امور کا ذکر مطلقاً نہیں اب آپ خود انصاف کرلیں۔ کہ آیا قرآن شریف میں یہ امور مذکور ہیں یا نہیں۔ اگر مذکور ہیں تو بہتر ورنہ سمجھ لیں کہ تاویلی دعاوی اسی طرح بے بنیاد ہوتے ہیں ۱۲۔ سعادت الاقران منہ

Marfat.com

اگرچہ وہ یہود کے نزدیک مجرم ولائقِ قتل تھے۔ پس اس مقام پر رفعت مدحیہ اور قتل بالظلم جمع ہو گئے۔ اسی طرح اگر حضرت مسیح علیہ السلام ان کے ہاتھ سے قتل بھی ہو جاتے۔ تو پھر بھی عند اللہ مرفوع الدرجات ہی ہوتے۔ کیونکہ آپ نبیِ صادق ہیں۔ اور مثل دیگر نبیوں کے ناحق قتل کئے جاتے ۔

لیکن ظاہر ہے کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت مسیح کے واقعہ کو دوسرے انبیاء مقتولین کی شمولیت میں بیان نہیں کیا۔ بلکہ اُن سے جُدا طور پر کیا ہے۔ جو بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ہے۔ اور سابقاً اچھی طرح بدلائل واضح ہو چکا ہے۔ کہ بَلْ ابطالیہ کے ماقبل ومابعد میں جمع ممکن نہیں۔ اور مرزا صاحب ان کو واقعاً جمع کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کا قول باطل ہے، اور بموجب مذہب اہلسنت جمع ممکن نہیں کیونکہ جب آپ واقعہ صلیبی سے پیشتر آسمان کی طرف اُٹھائے گئے۔ تو پھر صلیب پر کس طرح چڑھائے جا سکتے ہیں جیسا کہ سابقاً محقق ہو چکا ہے۔

رابعاً یہ کہ وجہ اوّل میں بالدلیل ثابت ہو چکا ہے کہ رفع کی ماضویت بنسبت ماقبل بَلْ یعنی واقعہ صلیبی کے ہے تو اگر رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ سے موت طبعی بعداز مدتِ مدیدہ مراد لی جائے۔ تو معاذ اللہ کلام باری سبحانہٗ میں کذب لازم آتا ہے۔ کیونکہ جب موتِ مسیح قبل از واقعہ صلیبی واقع ہی نہیں ہوئی۔ تو پھر اس کو قبل از واقعہ ذکر کرنا کذب نہیں تو اور کیا ہے؟ حاشا شا نہ عن ذالک۔

بعد از قطع احتمالاتِ مردودہ مذکورہ آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ رفع جسمی میں محکم ٹھیری اور مخالف کے لئے اس میں کوئی گنجائش باقی نہ رہی۔ اسی لئے صحابہ کرام رضؓ جو اہلِ لسان تھے۔ اور اپنی عربی زبان کے محاورات کو خوب سمجھتے تھے۔ اور اُنہوں نے قرآن شریف مِن اولہٖ الیٰ آخرہٖ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں شب و روز اقامت کر کے آپؐ کی زبان وحی ترجمان سے مع اس کے بیان وتفسیر کے سیکھا تھا اور علماء عظام کیا متقدمین اور کیا متاخرین جو اکثر علوم عربیہ کے مُوجد اور مُجدّد اور میدانِ فصاحت کے فارس اور بحرِ بلاغت کے غوّاص تھے۔ اور جن کے مساعی

جبلہ سے آج کل علوم عربیہ زندہ نظر آتے ہیں۔ اُن میں سے ایک سے بھی اس آیت میں اختلاف مروی نہیں۔ اور کسی نے بھی سوائے رفع جسمی کے مراد نہیں لی۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں امام ہمام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں۔

رَفْعُ عِیْسٰی اِلَی السَّمَآءِ ثَابِتٌ بِھٰذِہِ الْاٰیَۃِ وَنَظِیْرُ ھٰذِہِ الْاٰیَۃِ قَوْلُہٗ فِیْ اٰلِ عِمْرَانَ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ وَمُطَھِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَاعْلَمْ اَنَّہٗ تَعَالٰی لَمَّا ذَکَرَ عَقِیْبَ مَا شَرَحَ اَنَّہٗ وَصَلَ اِلٰی عِیْسٰی اَنْوَاعٌ کَثِیْرَۃٌ مِنَ الْبَلَآءِ وَالْمِحْنَۃِ اَنَّہٗ رَفَعَہٗ اِلَیْہِ دَلَّ ذٰلِکَ اَنَّ رَفْعَہٗ اِلَیْہِ اَعْظَمُ فِیْ بَابِ الثَّوَابِ مِنَ الْجَنَّۃِ وَمِنْ کُلِّ مَا فِیْھَا مِنَ اللَّذَّاتِ الْجِسْمَانِیَّۃِ وَھٰذِہِ الْاٰیَۃُ تَفْتَحُ عَلَیْکَ بَابَ مَعْرِفَۃِ السَّعَادَاتِ الرُّوْحَانِیَّۃِ

اس آیت سے حضرت عیسیٰؑ کا آسمان پر اُٹھایا جانا ثابت ہے اور اس کی نظیر سورہ آل عمران کی آیت اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ الخ ہے اور جان تو کہ جب خدا تعالےٰ نے اس کے بعد کہ عیسےٰؑ کو کئی قسم کی تکالیف اور مصائب پہنچیں یہ ذکر کیا کہ خدا نے ان کو اپنی طرف اُٹھا لیا۔ تو اس امر نے یہ بتایا۔ کہ حضرت عیسیٰؑ کا خدا کی طرف مرفوع ہونا جنت وغیرہ ہر جسمانی لذت کے ثواب سے زیادہ ہے اور یہ آیت تجھ پر سعادات روحانیہ کی معرفت کا دروازہ کھول دیگی[۱]۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جسم خاکی کا آسمان کی طرف صعود کرنا ممتنعات و محالات

---

[۱] اکمل صاحب بھی کمال کے پتلے ہیں۔ امام رازیؒ نے جو فرمایا کہ یہ آیت تجھ پر سعادت روحانیہ کی معرفت کا دروازہ کھول دیگی۔ تو اکمل صاحب نے اپنی اکملیت سے یہ سمجھ لیا۔ کہ بس حضرت عیسیٰؑ کی رفع روحانی ہے۔ چنانچہ ص۱۷ میں فرماتے ہیں: "تفسیر کبیر میں پیش کردہ عبارت تفتح علیک الخ میں اشارہ ہے رفع روحانی کی طرف" جواب حالانکہ اس عبارت کے شروع میں الی السماء کی تصریح موجود ہے پھر بھی بے تکی ہانکے جاتے ہیں۔ کہ اشارہ ہے رفع روحانی کی طرف، صحیح مطلب امام رازیؒ کی عبارت کا یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو رفع آسمانی کی جو نعمت ملی وہ دیگر جسمانی نعمتوں سے برتر ہے اس سے قبولیت اور قرب الٰہی کی حقیقت معلوم ہو کر سعادت روحانی حاصل ہو سکتی ہے۔ سعادت الاقران ۱۲

Marfat.com

میں سے ہے اور نیز یہ کہ جب اللہ تعالےٰ دیگر رسولوں کو انہی اسباب معتادہ سے بچا کر اسی کرۂ زمین میں بساتا رہا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ اور لوطؑ کو ارضِ مقدسہ اور آنحضرت صلعم کو مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرائی۔ تو حضرت روح اللہ کو کیوں آسمان پر اُٹھا لیا، اور کس لئے اتنی دیر تک زندہ رکھ کر پھر زمین میں نازل کرے گا؟ تو سوال کی شق اوّل کا **جواب** حسب وعدہ اوّلاً یہ ہے۔ کہ امر خارق عادت کے وقوع میں شک بدو وجہ ہو سکتا ہے۔ اوّل واقع کرنے والے کے نقصِ علم کی نظر سے۔ دوم اس کے عجز و نقصِ قدرت کے اعتبار سے اور یہ امر عند الخصم بھی مسلم ہے کہ اللہ تعالےٰ ان ہر دو نقصوں سے مبرا و منزہ ہے۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں رفع کو اپنی طرف منسوب کیا کیونکہ صعود الی السماء اگرچہ عیسےٰ علیہ السلام کی اپنی حول و قوت سے بعید ہے مگر اللہ عزیز کی قدرتِ کاملہ کے سامنے کچھ بھی نہیں۔ اور اسی طرح اللہ سبحانہٗ نے اسراء نبوی کو اپنی طرف نسبت کیا اور فرمایا۔

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلًا الآیہ (بنی اسرائیل پ۱۵) (۱۷: ۱) — پاک ہے وہ (خدا) جس نے اپنے بندے (محمدؐ) کو راتوں رات سیر کرائی۔

یعنی اتنی مسافت بعیدہ اتنے تھوڑے وقت میں طے کرنا اگرچہ بہ نسبت محمد رسول اللہ صلعم کی قدرت کے متعذر ہے مگر اللہ سبحانہٗ کی قدرت کے سامنے بالکل سہل ہے

كما قال الامام الرازی تحت قوله تعالى الآتی وكان الله عزيزاً حكيما حيث قال والمراد من العزة كمال القدرة ومن الحكمة كمال العلم فنبه بهذا على ان رفع عيسى من الدنيا الى السموات وان كان كالمتعذر على البشر لكنه لا تعذر فيه بالنسبة الى قدرتی والى حكمتی وهو نظيره

چنانچہ امام رازی نے وکان اللہ عزیزاً حکیماً کے ذیل میں کہا ہے کہ اس آیت میں **عزت** سے کمال قدرت مراد ہے اور **حکمت** سے کمال علم مراد ہے پس اس سے خدا نے اس امر پر متنبہ کیا کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا دنیا سے آسمان پر اُٹھایا جانا اگرچہ بشر کی طاقت سے بالا ہے۔ لیکن میری قدرت اور حکمت کی نسبت کوئی

قولہ تعالیٰ سبحان الذی اسری
بعبدہ لیلاً فان الاسراء وان کان
متعذراً بالنسبۃ الی قدرۃ محمد
صلی اللہ علیہ وسلم الا انہ سہل
بالنسبۃ الی قدرۃ الحق سبحانہٗ انتہیٰ

چیز بھی نہیں۔ اور یہ آیت دوسری آیت
سبحان الذی اسری بعبدہ کی
نظیر ہے کہ اسراء اگرچہ آنحضرت صلعم
کی قدرت کی نسبت مشکل ہے مگر حق سبحانہٗ
کی قدرت کے آگے بالکل سہل ہے۔"

اور اسی نکتۂ عجیبہ کے لئے بل رفعہ اللہ الیہ میں اسم جلالۃ (اللہ) ذکر کیا کیونکہ یہ اسم دلالت کرتا ہے اس ذات پر جو مستجمع جمیع صفات کمال ہو وھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو مزید برآں اسی دقیق لطیفہ کے لئے اپنی اور دو صفتیں جو کمال علم اور کمال قدرت کی مظہر و مثبت ہیں ذکر کیں جیسا کہ صفحہ ۵۷ میں مذکور ہو چکا ہے کہ چونکہ قرآن عظیم کی آیات مثل دعاوی مع بینات کے ہیں اس لئے ذکر ہر اسم اور صفت کا حسب اقتضائے مقام و مفہوم کلام ہوتا ہے اور وہ اسم بمنزلۂ علت مضمون ہوتا ہے، پس چونکہ رفع الی السماء میں وہم و استبعاد و وسوسۂ عجیبیت واقع ہو سکتا تھا اس لئے اس کے ازالہ کے لئے وکان اللہ عزیزاً حکیماً فرمایا یعنے اللہ تعالیٰ مستجمع جمیع صفات کمال اپنے ارادے پر غالب اور قادر ہے۔ جو کچھ چاہتا ہے کر سکتا ہے لہٰذا حضرت روح اللہ کو آسمان پر چڑھا سکنا اس کے دائرۂ قدرت سے خارج نہیں اور چونکہ وہ حکیم ہے اس لئے آپ کا رفع الی السماء اور حیات سماوی اور نزول بعینہ عبث اور خلاف حکمت نہیں ہے۔

دلیل عقلی

دیگر یہ کہ سائنس اس کمال پر پہنچ گیا ہے۔ اور نئی نئی انسانی ایجادات اور عجائب المخلوقات کے نئے نئے انکشافات اس حد تک ہو چکے ہیں کہ گذشتہ زمانہ کے بہت سے محالات عادیہ مشاہدات و واقعات سے ثابت ہو چکے ہیں۔ جن پر قیاس کر کے ہم کہ سکتے ہیں کہ دیگر امور بھی اسی طرح ممکنات سے ہیں۔ اور اس ذہنیت کی تصدیق کر سکتے ہیں کہ ہر محال عادی ممکن بالذات ہوتا ہے۔

اسفل (نیچے) سے اعلےٰ (اوپر) کی طرف حرکت کرنے کو صعود کہتے ہیں انسان طبعی

Marfat.com

طور پر اپنے ارادہ و قوت سے ایک چھلانگ سے زیادہ ایسی حرکت نہیں کر سکتا لیکن ایروپلین (ہوائی جہاز) نے ثابت کر دیا۔ کہ کسی تدبیر و حکمت عملی سے انسان بھی پرواز کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ تدبیر ہمارے علم میں آجائے۔ اور ہم عملی طور پر اُس پر قدرت و قابو بھی رکھ سکیں۔ حضرت سلیمانؑ کا تخت ہوا میں اُڑتا تھا۔ اس کے لئے بھی عالم اسباب میں کوئی سبب ہوگا جس کا ہم کو علم نہیں لیکن ہم ایروپلین (ہوائی جہاز) سے سمجھ سکتے ہیں کہ وہ ممکن ہے۔

اسی بنا پر خداوند عزوجل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رفع کے ساتھ فرمایا وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا یعنی سمجھایا کہ میں حکیم ہوں۔ مجھے سب تدبیریں آتی ہیں۔ اور عزیز ہوں سب تدبیریں اور حکمتیں میرے احاطۂ قدرت میں ہیں۔ جس امر کا ارادہ کروں۔ اس کے وجود میں لانے سے کوئی امر مجھے عاجز نہیں کر سکتا، چنانچہ دوسری جگہ فرمایا۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا (فاطر ۳۵: ۴۴) یعنی خداوند عزوجل ایسا نہیں ہے۔ کہ اُسے کوئی شے بھی آسمانوں یا زمین میں عاجز کر دیوے، بیشک وہ سب کچھ جانتا اور بڑی قدرت والا ہے۔

صحیح بخاری وغیرہ کتب حدیث سے ثابت ہے کہ معراج کی رات سرور عالم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے لئے براق لایا گیا، یہ کیا تھا؟ خدا تعالٰے نے جب چاہا۔ کہ اپنے حبیبؐ کو بیت المقدس اور آسمانوں کی سیر کرائے اور تجلیات و نشاناتِ قدرت دکھائے تو اس کے اس ارادہ کے فعل میں آنے کی ایک عملی تدبیر تھی اور صحیح بخاری میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ثُمَّ اَخَذَ بِيَدِيْ فَعُرِجَ بِيْ اِلَى السَّمَآءِ (کتاب الصلوٰۃ) یعنی پھر جبرائیلؑ نے میرا ہاتھ پکڑا۔ اور مجھے آسمان کی طرف لے چڑھا۔" یہ بھی عالم اسباب میں سے ایک سبب تھا۔ کہ ایک فرشتہ جس کے لئے اُوپر چڑھنا اس کی طبیعت کے برخلاف نہیں ایک انسان کو جو طبعی طور پر اپنے ارادہ و قوت سے آسمان پر نہیں چڑھ سکتا۔ چڑھا کرلے گیا۔ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ عزّ و جل نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ آسمان پر اٹھایا ہو

Marfat.com

چنانچہ امام رازیؒ آیت وَاَیَّدْنٰہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (بقرہ پ۱) (۲: ۸۷ و ۲۵۳) کی تفسیر میں اس امر کے بیان میں کہ حضرت عیسےٰؑ کو حضرت جبرئیلؑ سے دیگر انبیاء کی نسبت مزید خصوصیت ہے، فرماتے ہیں:-

لانه هو الذی بشر مریم بولادته وانما ولد عیسےٰ علیہ السلام بنفخته وهو جبرئیل علیه السلام وهو الذی رباه فی جمیع الاحوال وکان یسیر معه حیث سار وکان معه حین صعد الی السمآء (جلد اول ص۴۲۶)

یعنی اس لئے کہ حضرت جبرئیلؑ ہی نے حضرت مریمؑ کو پیدائش کی بشارت دی تھی، اور حضرت عیسیٰؑ حضرت جبرئیلؑ ہی کی پھونک سے پیدا ہوئے۔ اور اسی (جبرئیل) نے سارے احوال میں آپ کی تربیت کی اور جہاں آپ جاتے تھے۔ وہ بھی ساتھ جاتا تھا اور وہ اس وقت بھی آپ کے ساتھ تھا جب آپ آسمان کو چڑھے۔

فرشتہ تو بڑی شے ہے واقعات میں تو یہ بھی ہو چکا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں ایک صحابی کو جن اٹھا کرلے گیا۔ کئی سالوں کے بعد پھر مدینہ طیبہ میں چھوڑ گیا۔ یہ وہی واقعہ ہے۔ جس پر حضرت عمرؓ نے اس کی بیوی کو چار سال کے بعد بیوہ ہونے کی عدت (یعنی چار مہینے اور دس دن رات) گذار کر دوسرا نکاح کر لینے کی اجازت دی تھی۔ (مستفاد از سبل السلام)

ثانیاً یہ کہ کسی امر کا امکان شئے دیگر ہے اور اس کا وقوع شئے دیگر، عقل کے متعلق صرف اثباتِ امکان ہے نہ وقوع۔ جس طرح کہ وقوع صرف رویت یا نقل یعنے مخبر صادق کی روایت و خبر کے متعلق ہے نہ کہ عقل کے۔ پس برہانِ عقلی سے صعود الی السمآء کے امکان کا بیان اس طریق سے ہے۔ کہ ممتنعات دو قسم پر ہیں بالذات و بالغیر اور ہر ممتنع بالغیر ممکن بالذات ہوتا ہے۔ کیونکہ عرف میں امکان بدو معنی مستعمل ہوتا ہے۔ اور ان میں سے امکان ذاتی ہے کہ اس کا وجود و عدم بالنظر الی ذات الممکن متساوی ہوتا ہے۔ گو بلحاظِ امورِ خارجیہ از علل موجبہ یا موانع و عوائق احدہما واقع ہو کہ واجب ہو اور یہ (امکان ذاتی) جامع ہوتا ہے وجوب بالغیر اور امتناع

Marfat.com

بالغیر کو یعنی واجب بالغیر اور ممتنع بالغیر عین حالت وجوب و امتناع میں ممکن ذاتی ہوتے ہیں کیونکہ عین حالت وجوب و امتناع میں بھی اس کا وجود و عدم متساوی ہوتا ہے۔ اگرچہ بلحاظ امور خارجیہ احدہما واجب ہو گیا ہو۔[1] پس چونکہ صعود و نزول سماوی ممتنع بالذات نہیں ہے بلکہ واجب بالغیر ہے۔ لثبوت صعود الملٰئکۃ و نزولہم اس لئے بہ نسبت بشر کے ممتنع بالغیر ہو گا۔ بالنظر الی الامور الخارجیہ مثل عدم استعداد در فطرت انسان و عدم صعود فردے از افراد بنی آدم قبل از مسیح اور تمہید بالا سے محقق ہو چکا ہے کہ ہر ممتنع بالغیر ممکن بالذات ہوتا ہے کیونکہ امکان ذاتی جامع ہوتا ہے وجوب بالغیر اور امتناع بالغیر کو۔ اس لئے صعود البشر الی السماء ممکن بالذات ہوا۔

دیگر یہ کہ صعود البشر الی السماء محالات عادیہ میں سے ہو گا۔ نہ کہ عقلیہ میں سے۔ اور محالات عادیہ کا ممکنات ذاتیہ میں سے ہونا ظاہر ہے لتعذر الاحاطۃ بقدرۃ الحق سبحانہٗ۔ پس جب صعود البشر الی السماء ممکن بالذات ٹھہرا۔ اور یہ امر عند الخصم بھی مسلم ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ممکن پر قادر ہے تو رفع مسیح علیہ السلام الی السماء بہر دو طریق

[1] اس مقام پر امکان و امتناع اور وقوع و لاوقوع کی بحث ایسی صفائی اور سہولت سے بیان کی گئی ہے کہ معقولات میں کچھ بھی دسترس رکھنے والا آسانی سے سمجھ کر شکر گذار ہو سکتا ہے لیکن ہمارے اکمل صاحب ایسے کوڑ مغز ہیں کہ آپ اس سے کچھ بھی حاصل نہیں کر سکے۔ چنانچہ آپ خیریت سے فرماتے ہیں آپ رفاک ہم نے صعود کو ممتنع بالغیر ثابت کیا ہے۔ بہت اچھا! اب آپ فرمائیے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ممتنع بالغیر کے لئے امکان وقوع نہیں ہوتا؟ (صفحہ ۲) اس کا جواب ہم سوائے اس کے اور کیا دیں کہ اکمل صاحب باوجود ادعائے اکملیت نہ تو ان مصطلحات سے واقف ہیں اور نہ شہادت القرآن کے اس مقام کو سمجھ سکتے ہیں ایسے اجہل اکمل سے کون کہے۔ کہ جب ممتنع بالغیر ہوا تو اس کا وقوع کیوں ممکن نہیں کیونکہ ممتنع بالغیر اسے کہتے ہیں جو اپنی ذات میں تو ممکن ہو لیکن موانع و عوائق کے سبب وجود میں نہ آیا ہو اور چونکہ ہر ممکن کا وجود وجود علت موجبہ اور رفع موانع و عوائق کے وقت واقع ہوتا ہے اس لئے ہر ممتنع بالغیر بھی وقوع میں آ سکتا ہے کیونکہ امکان ذاتی جامع و شامل ہوتا ہے وجوب بالغیر اور امتناع بالغیر کو جیسا کہ متن میں مدلل و مفصل بیان ہو چکا ہے۔ ہاں وقوع کی دلیل کا سوال باقی رہ جاتا ہے سو واضح رہے کہ ہم نے شرح تقریر میں صاف طور پر لکھ دیا ہے کہ اثبات وقوع صرف روایت و نقل یعنی مخبر صادق کی خبر و رویت یا شہادت سے متعلق ہے نہ کہ عقل سے اور وہ خبر و شہادت آیت بل رفعہ اللہ الیہ میں مذکور ہے جس کی

[illegible]

Marfat.com

تحت قدرت باری عزاسمہ ثابت ہوا یعنے اس نظر سے بھی کہ اللہ تعالٰے نے حضرت مسیح کی فطرت میں بنفخ روحِ قدسی مادہ ملکیت پیدا کیا تھا۔ اور حضرت عیسٰی علیہ السلام بلکہ کل بنی آدم کی فطرت میں مادہ ملکیت یا ان کو مثل ملائکہ پیدا کرلینا داخل قدرت باری عزاسمہ ہے۔ کیونکہ جب اُلوف اُلوف ملائکہ کو پیدا کرلیا۔ تو ان کی مثل پیدا کرلینے پر بھی قادر ہے۔ جیسا کہ ضمن ذکر مسیح ہی میں فرمایا:۔

وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ (زخرف پ۲۵) اگر ہم چاہتے تو تم میں سے[1] فرشتے پیدا کرتے جو زمین میں آباد ہوتے۔ (۴۳: ۶۰)

اور اس اعتبار سے بھی کہ افراد بنی آدم میں سے حضرت مسیح کو اپنی قدرت کاملہ کا نمونہ بنانے کے لئے مخصوص کیا۔ جیسا کہ فرمایا:۔

وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ (مریم پ۱۶) اور تاکہ ہم اس کو (اپنی قدرت کا) ایک نشان بنائیں۔" (۱۹: ۲۱)

نیز فرمایا:۔

اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (زخرف پ۲۵) "وہ تو ہمارا ایک بندہ ہی ہے جس پر ہم نے انعام کیا اور اس کو بنی اسرائیل کے لیے (اپنی قدرت) کا نمونہ بنایا۔ (۴۳: ۵۹)

---

[1] ہم نے لجعلنا منکم ملائکۃ کا ترجمہ کیا ہے ہم (چاہتے تو) تم میں سے فرشتے پیدا کرتے" اس پر جناب کمال محمد (دیکھے نہ پڑھے نام محمد فاضل) فرماتے ہیں "لجعلنا منکم کے معنی تمام معتبر تفسیروں میں بدلے منکم لکھے ہیں یہ تو نہیں کہ تم میں سے فرشتے پیدا ہونے لگ جائیں" جواب خدا جانے اکمل محمد بلا مطالعہ کتب و بلا استعداد اکمل کس طرح بن گئے۔ اوّل تو یہ کہ آپ تو میرے حوالجات تفسیری سے سخت شاکی ہیں اور اب تفاسیری کا حوالہ پیش کرتے اور حقیقت میں طلب کرتے ہیں، دوم یہ کہ لیجیے جناب عالی! ان تفاسیر کے نام سنتے جائیے جن میں اس کے معنی "تم سے فرشتے پیدا کردیں یا کردیتے" لکھے ہیں۔
تفسیر کشاف جو بلحاظ عربیت کے سب سے اول نمبر پہ ہے۔ اس میں بھی یہی معنی لکھے ہیں دیگر یہ کہ امام زمخشری کے بعد امام رازی قاضی بیضاوی امام خطیب شربینی۔ نواب صدیق حسن خان اور مخدوم علی مہائمی مفسرین نے بھی یہ معنے ذکر کیے ہیں بلکہ حضرت نواب صاحب نے امام سمعین سے اسی کو مشہور نقل کیا ہے سنیئے ابھی تسلی ہوئی یا نہیں یہ عذر نہ کرنا کہ یکتا میں میں نے دیکھی نہ تھیں کیونکہ

Marfat.com

اور اس نظر سے بھی کہ صعود الی السماء ممکن بالذات ہے اور ہر ممکن بالذات تحت قدرتِ باری تو ہے۔ چنانچہ اس کی تفصیل ص۱۴۱ سے ص۱۵۳ تک گزر چکی ہے۔

اگر سوال کیا جائے کہ باوجود قادر ہونے کے صرف مسیح ہی کو کیوں مثل ملائکہ[۱] کے پیدا کیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ قادرِ مختار ہے قادرِ مجبور نہیں، جیسا کہ آریوں کے خیال سے لازم آتا ہے۔ اور فاعل مختار فعل کی کسی خاص صورت کو اختیار کرلے تو اس پر کوئی اعتراض نہیں، خصوصاً جبکہ وہ علیم کل اور حکیم مطلق بھی ہو جیسا کہ فرمایا :-

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۔ الآیۃ (قصص پ۲۰) — اور تیرا رب جو کچھ چاہے پیدا کرے اور جو کچھ چاہے پسند کرے اس میں غیروں کا کوئی اختیار نہیں۔ (۲۸ : ۶۸)

اور نیز فرمایا :-

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُونَ (انبیاء پ۱۷) (۲۱ : ۲۳) — جو کچھ خدا کرے اس کی بابت اس سے کوئی پرسش نہیں اور دیگر سب کو پرسش ہے۔

---

[۱] اکمل صاحب حضرت عیسیٰ کو مثل ملائکہ کہنے پر سخت ناراض ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور خوب گستاخی سے فرماتے ہیں :-

" پھر عیسیٰ کس طرح فرشتے ہو سکتے ہیں جو عورت کے پیٹ میں حسب معمول نو ماہ خونِ حیض سے پرورش پاتے رہے؟ (ص۱۲۲) جواب سنئے۔ جناب خفگی معاف کیجئے۔ میں اکیلا حضرت روح اللہ کو مثل ملائکہ نہیں کہتا۔ بلکہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور ان سے پہلے مخدوم علی مہائمی بھی میرے ساتھ ہیں۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحب تو تاویل الاحادیث میں حضرت عیسیٰ کے حال میں فرماتے ہیں :-

کان عیسیٰ علیہ السلام کانہ ملک یمشی علی وجہ الارض (ص۵۹) یعنی عیسیٰ علیہ السلام گویا ایک فرشتہ تھے جو روئے زمین پر چلتے پھرتے تھے۔

اور مخدوم صاحبؒ تفسیر رحمانی میں فرماتے ہیں وکیف لا یکون ملکیۃ (وانہ لعلم للساعۃ) ای من اشراطھا ینزل بقربھا والبشر المحض لا یبقیٰ الی ھذہ المدۃ (سورہ زخرف پ۲۵) یعنی عیسیٰؑ میں ملکیت کس طرح نہ ہو کیونکہ وہ تو قیامت کا ایک نشان ہیں کہ اس کے قریب نازل ہوں گے اور بشر محض اتنی مدت تک زندہ نہیں رہتا۔ ۱۲ منہ سعادت الاقران۔

اور نیز اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ "بیشک تیرا رب کر لینے والا ہے اس امر کو
(ھود پ ۱۲ ر ۱۱ : ۱۰۷) جیسے وہ چاہے۔"

فلا اعتراض علیہ فی تخصیص بعض دون بعض (متیر) پس اس کے ایک کو چھوڑ کر دوسرے کو مخصوص کرنے پر کوئی اعتراض نہیں۔"

مرزا صاحب قادیانی نے اس مقام پر ایک اور غلطی کی ہے کہ اپنی کتاب ازالہ اوہام میں اس آیت وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا کے ذیل میں عزیز کا ترجمہ عزت والا یعنی آبرو والا کیا ہے بیشک اللہ تعالیٰ بڑی عزت والا ہے مگر اس کی صفت عزیز سے مراد غلبہ و قدرت ہے۔ چنانچہ علامہ فیومی مصباح میں فرماتے ہیں عز الرجل عزا بالکسر وعزازة بالفتح قوی وعز یعز من باب تعب لغة فهو عزیز جمعه اعزة والاسم العزة وتعزز قوی وعززته باخر تعدیه بالتثقیل والتخفیف من باب قتل انتهی مصباح کا سارا بیان قرآن شریف کے بالکل مطابق ہے چنانچہ سورہ یٰسین میں ہے فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ (یس پ ۲۲ ۱۴:۳۶) اور سورہ فتح میں اسی معنی میں اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ (فتح پ ۲۶ ۴۸ : ۲۹) فرمایا۔ اور مواضع متعددہ میں صفت عزیز کو صفت قوی کے ساتھ جمع کیا مثلاً حج، احزاب، شوریٰ اور مجادلہ میں اس بیان سے واضح ولائح ہو گیا کہ اسم الٰہی عزیز کے معنے اَلْغَالِبُ عَلٰى مَا يُرِيْدُ ہیں۔

سوال کی دوسری دونوں شقوں کے جواب میں اللہ سبحانہ نے اپنی صفت حکیما فرمائی۔ کیونکہ جب فعل رفع اللہ عزیز حکیم کی طرف منسوب ہوا تو اگرچہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ کو شر یہود سے محفوظ رکھ کر اسی سطح زمین پر زندہ رکھنے پر بھی قادر تھا۔ مگر بحکم فِعْلُ الْحَكِيْمِ لَا يَخْلُوْا عَنِ الْحِكْمَةِ ضرور ہے۔ کہ اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہ ہو کیونکہ صفات الٰہیہ میں سے ایک صفت حکیم بھی ہے

ف اکمل صاحب اس کا جواب دیتے ہیں۔ کہ جب عزت کے معنے غلبہ ہیں تو مرزا صاحب کی عبارت میں عزت کے معنے "آبرو والا" کیوں کئے جائیں۔ جواب۔ جناب اس لئے کہ اردو زبان میں عزت بمعنے غلبہ مستعمل نہیں ہے۔ اگر مرزا صاحب کے خیال شریف میں عزت کے معنے غلبہ تھے تو وہ خطوط ہلالی میں ظاہر کر دیتے۔ فافہم ۱۲ سعادت منہ۔

اور وہ ہر شے کو اس کے مقام مناسب پر رکھتا ہے۔ اور ہر شخص سے اس کے مادہ فطری کے موافق اور استعدادِ نفسِ ناطقہ[1] کے مطابق سلوک کرتا ہے۔ لہٰذا مقتضائے حکمت الٰہیہ یہی ہوا۔ کہ چونکہ حضرت روح اللہ علیہ السلام کی پیدائش پر اسبابِ ارضیہ منعقد نہیں ہوئے بلکہ آپ کی پیدائش نفخ روح القدس سے عالم الامر میں سے ہے۔ یعنی کلمہ کُن سے ہوئی ہے۔ پس آپ کو کمال تشبہ بالملائکہ ایک خاص طور پر حاصل ہے۔ لہٰذا آپ کو مرفوع الی السماء کر کے آسمان کو آپ کا مقر بنا دینا بمقابلہ آپ کے مادۂ فطری کے مقامِ تعجب و خلافِ حکمت نہیں ہے۔ اسی تاثیرِ جبرائیلی[2] سے معجزہ تکلم فی المہد ظاہر ہوا۔ اور یہی تاثیر روح القدسی احیاء موتیٰ اور دیگر معجزات کا

---

[1] اکمل قادیانی عبارت کو اُلٹا سمجھنے میں بہت کمال رکھتے ہیں۔ لکھتے ہیں۔

"اس عبارت سے یہ ثابت ہوا۔ کہ حضرت نبی کریم صلعم کا مادہ فطرتی اور استعداد نفس ناطقہ ایسی نہ تھی ورنہ وہ بھی مقربِ ملائکہ یعنی آسمان پر مرفوع ہوتے۔" (ص۲۳)

جواب۔ آنحضرت بھی آسمان پر مرفوع ہوئے۔ لیکن آپ اسے بھی نہیں مانتے۔ فَاَبَی الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا کُفُوْرًا شب معراج میں نبی کریم صلعم اپنے جسم پاک سے آسمانوں پر لیجائے گئے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقام سے بہت آگے گئے۔ جہاں پر رفیق راہ جبرئیل علیہ السلام بھی رہ گئے۔ شاید آپ نے بوستان تو پڑھی ہوگی۔ اس میں سعدی مرحوم فرماتے ہیں ؎ چناں گرم در تیہ قربت براند ۰ کہ در سدرہ جبرئیل ازو باز ماند۔ دیگر یہ کہ شہادت القرآن کی اگلی سطروں میں آپ نے حضرت مسیح علیہ السلام کی خصوصیت میں الفاظ "خاص طور پر" کی طرف نظر نہیں کی۔ حالانکہ آپ اپنی کتاب کے شروع میں لکھتے ہیں: "شہادت القرآن حصہ اول اس وقت میرے سامنے ہے۔ (ص۱) حَفِظْتَ شَیْئًا وَغَابَتْ عَنْکَ اَشْیَاءُ

اسی طرح ہم حضرت آدم علیہ السلام کے بھی آسمان پر رہنے کے قائل ہیں حدیث صحیح میں وارد ہے کہ قیامت کو لوگ آدم علیہ السلام کے پاس جا کر شفاعت کے لئے التجا کریں گے۔ تو آپ کی تعریف میں یہی کہینگے وَاَسْکَنَکَ جَنَّتَہٗ (مشکوٰۃ) یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے بہشت میں بسایا اور معلوم ہے کہ جنت آسمان پر ہے بدلیل عِنْدَ سِدْرَۃِ الْمُنْتَھٰی عِنْدَھَا جَنَّۃُ الْمَاْوٰی اور حدیث صحیح بخاری میں ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ ساتویں آسمان پر ہے ۱۲ سعادت؛ منہ

[2] اکمل صاحب کی استعداد و مطالعہ ناقص ہے اس لئے وہ اس تاثیر کا بھی انکار کرتے ہیں حالانکہ ان امورِ خارقہ کا ذکر قرآن شریف میں موجود ہے۔ یعنی صاحب شاید آپ اسے میری ایجاد جانیں اس لئے میں اپنے سے بہت بیشتر کے دو بڑے بڑے بزرگوں کے کلام

باعث ہوئی۔ اسی لئے قرآن شریف میں خبر سعادت اثر وَاَیَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ (پ البقرہ) (۲: ۸۷ و ۲۵۳) آپ ہی سے مخصوص ہے۔ اور یہی تائید جبرائیلی صعود الی السماء کے وقت آپ کے ہمرکاب تھی۔ جیسا کہ امام رازیؒ نے اسی آیت کے ذیل میں بیان کیا جو سابقاً گذر چکا۔

دوسری **حکمت** الٰہیہ حضرت روح اللہ کے زندہ رکھنے اور پھر دنیا میں نازل کرنے میں یہ ہے کہ نظر بر کمالاتِ انبیاء علیہم السلام چار وصف ایسے معلوم ہوتے ہیں۔ جن کا حصول بہ نسبت انبیاء اُولی العزم علیہم السلام کے ضروری ہے۔ گو ان میں سے کسی کی نسبت کوئی وصف بباعث عدم ضرورتِ ذکر قرآن شریف میں مذکور نہ ہو، یا بسبب موانع و عوائق خارجیہ مثل عدم ضرورتِ ظہور بالفعل ظاہر نہ ہوا۔ مگر بالقوہ وہ سب ان صفاتِ اربعہ سے متصف ہیں۔ اوّل مبشر بہ (بصیغہ اسم مفعول) اس اعتبار سے کہ اس پیغمبر کے ہونے کی بشارت پہلے دی جاتی ہے۔ جیسے حضرت روح اللہ علیہ السلام کی نسبت **علی لسان** الملائکہ حضرت مریم علیہا السلام کو بشارت دی گئی۔ یٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ (پ آل عمران) اے مریم خدا تجھ کو اپنے کلمہ کی جس کا نام مسیح عیسٰی بن مریم ہوگا۔ بشارت دیتا ہے (۳: ۴۴) اور نیز وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ (پ۳ آل عمران) اور رسول ہوگا بنی اسرائیل کی طرف۔" (۳: ۴۸)

(بقیہ حواشی صفحہ گذشتہ) ملاحظہ اگر اس پر بھی نہ سمجھے۔ تو پھر تم سے خدا سمجھے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب مرحوم تاویل الاحادیث میں فرماتے ہیں فحصلت فی جبلتہ ملکۃ راسخۃ شبیھۃ بجبریل وھذا معنے تائید اللہ لہ بروح القدس ۱۲ (ص ۵۹) یعنی حضرت جبریلؑ کے نفخ کی وجہ سے حضرت عیسٰی کی جبلت میں جبرئیلؑ کے مشابہ پختہ ملکہ پیدا ہوگیا۔ اور یہ ہی معنے خدا تعالیٰ کے آپ کی تائید روح القدس سے کرنے کے۔ اور حضرت شیخ اکبرؒ فصوص الحکم میں فرماتے ہیں وما کان فیہ من قوۃ الاحیاء والابراء فمن جھۃ نفخ جبریل علیہ السلام۔ ص ۲۵۵۔ مع شرح بالی افندی مطبوعہ مطبع عثمانیہ) یعنی حضرت عیسٰی علیہ السلام میں مردوں کو) زندہ کرنے اور (بیمار وں، اور کوڑھیوں اور اندھوں کو) چنگا کرنے کی قوت نفخ جبرئیلؑ کی جہت سے تھی۔ ۱۲ اسعاد کا قرا۔

پس حضرت مسیح مُبَشَّر بہ ہوئے دوم مصدق سوم مبشر ہر دو بصیغہ اسم فاعل مصدق اس نظر سے کہ وہ رسول اپنے سے پہلے رسولوں کی تصدیق کرتا ہے اور مبشر اس لحاظ سے کہ وہ رسول کسی دیگر رسول کے آنے کی بشارت سناتا ہے۔ جیسے حضرت عیسٰی روح اللہ اور موسیٰ کلیم اللہ اور محمد رسول اللہ حبیب اللہ صلوٰۃ اللہ علیہم وسلامہ کی نسبت حکایۃً عن روح اللہ علیہ السلام سورہ صف میں ذکر کیا۔

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ	
التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي	تصدیق کرنے والا توریت کی جو میرے
مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ (صف ۲۸ ۶:۶۱)	آگے ہے اور بشارت دینے والا ایک رسول
	کی جو میرے بعد آئیگا اور اس کا نام احمد ہوگا۔

اس آیت سے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے دونوں وصف یعنی مصدق و مُبَشِّر ہر دو بصیغہ اسم فاعل ثابت ہوئے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مصدق ہونا بصیغہ اسم مفعول، جو وصف چہارم ہے۔ کیونکہ تصدیق کتاب مستلزم ہے تصدیق رسول کی۔ اور آنحضرت سرورِ عالم صلعم کا مبشر بہ ہونا اور وصف چہارم جناب رسالتماب صلعم کی نسبت سورہ صافات میں فرمایا۔

بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِينَ	" بلکہ حق لے کر آیا ہے اور رسولوں کی
(صافات ۲۳ ۳۷:۳۷)	تصدیق کرتا ہے "

اس میں آپ صلعم کا وصف مصدق اسم فاعل مذکور ہوا۔ اور چونکہ حضرت روح اللہ علیہ السلام بھی زمرۂ مرسلین میں سے ہیں۔ اس لئے اُن کی صفت مصدَّق بصیغہ اسم مفعول ثابت ہوئی۔ پس اس سلسلہ میں حضرت روح اللہ علیہ السلام کے چاروں وصف ثابت ہوئے۔ اور آنحضرت صلعم کے صرف دو یعنے مبشر بہ بصیغہ اسم مفعول اور مصدق بصیغہ اسم فاعل۔ آنحضرت صلعم کے لئے بوجہ سیادت اور ختم رسالت ان اوصاف اربعہ کا ظہور بالفعل ضروری ہے۔ پس اگر آپ کے اوصاف کی تکمیل بالفعل کے لئے کوئی نیا رسول پیدا کیا جاتا۔ تو خاتم النبیین کا شرف باقی نہیں رہتا

اور بلحاظ ختم نبوت مجردہ کے تو اوصاف بلحاظ مبشر بصیغہ اسم فاعل اور مصدّق بصیغہ اسم مفعول کا ظہور نہیں ہوتا۔ جو شانِ سیادت کے شایان نہیں ہے۔ اس لئے اللہ حکیم کی حکمت بالغہ اس امر کی مقتضی ہوئی۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ رکھا جائے۔ جن کی آمد ثانی کی بشارت سے آپ کا لقب مُبَشِّر بصیغہ اسم فاعل ظاہر ہو جائے۔ اور حضرت مسیح دنیا میں آکر اس امر کی تصدیق کریں۔ کہ **محمد رسول اللہ صلعم حق ہے!!! حق ہے!!!** اور آپ صلعم کی صفت مصدّق بصیغہ اسم مفعول بالفعل ظاہر ہو جائے۔ پس اس طریق حکیمانہ سے ختم نبوت بھی قائم رہی۔ کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام آپ صلعم سے پہلے رسول بن چکے ہوئے ہیں۔ اور اسی نبوت سے پھر آئیں گے۔ اور نیز رسول اللہ صلعم کے اوصاف او بعہ بھی پورے ہو گئے۔ چنانچہ فتح الباری شرح صحیح بخاری میں باب نزول عیسیٰ بن مریم علیہما السلام میں تخریج طبرانی من حدیث عبد اللہ بن معقل مذکور ہے۔

یَنْزِلُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ مُصَدِّقًا بِمُحَمَّدٍ عَلٰی مِلَّتِہٖ (فتح الباری)	حضرت عیسیٰ بن مریم، محمد صلعم کی تصدیق کے لئے نازل ہوں گے اور آپ کی ملت پر ہوں گے "

اسی طرح تفسیر رحمانی میں اس آیت بل حکیماً کی تفسیر کے متعلق لکھا ہے۔

وفی حفظہ لتقویۃ دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم حین انتہائہ الی غایۃ الضعف لظہور الدجال نیقتلہ صد ۱۷۳	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع میں یہ حکمت ہے کہ خدا نے آپ کو دین محمدیؐ کی تقویت کے لئے محفوظ رکھا۔ جبکہ وہ (دین محمدی) دجال کے ظہور سے بہت ہی ضعف میں ہو جائے گا۔ تو آپ اس (دجال) کو قتل کریں گے "

ؐ حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری میں تصریح کی ہے کہ میں اس شرح میں جو حدیث لاؤں گا وہ صحیح ہوگی یا حسن (مقدمہ صد ٤) مطبوعہ دہلی ۱۲ سعادت، منہ

Marfat.com

حضرت مسیح علیہ السلام کو اس نعمۃ جزیلہ ومنحۃ جلیلہ کے لئے۔ اس واسطے مخصوص کیا گیا۔ کہ آپ کی نسبت حضرت مریم صفیۃ اللہ کو آپ کی ولادت سے پیشتر ہی بشارت سنائی گئی تھی۔

وَلِنَجْعَلَهٗ اٰيَةً لِّلنَّاسِ (پ مریم) تاکہ ہم اس کو لوگوں کے لئے (اپنی قدرت کا) ایک نشان بنائیں۔

لہذا آپ اس انعام کے زیادہ مستحق ہیں۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔

اَنَا اَوْلَى النَّاسِ بِعِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ۔ مجھے عیسیٰ بن مریم کے ساتھ سب لوگوں سے زیادہ نسبت ہے لہ (الحدیث) (رواہ البخاری وغیرہ)

الحمد للہ کہ اس کے فضل غیر متناہی اور حسن توفیق سے آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا کی تفسیر معقولاً ومنقولاً پوری ہوئی۔ اور بدلائل قاہرہ وقویہ وبراہین ظاہرہ باہرہ وحجج قاطعہ ساطعہ وبینات غیر محدودہ حضرت مسیح کا صعود الی السماء اور اب تک زندہ ہونا ثابت کردیا گیا۔

اب مختصراً دیگر آیات ودلائل مثبتہ رفع وحیات آسمانی بیان کی جاتی ہیں۔ اور ان میں سے جو مثبتہ نزول بھی ہیں۔ ان کا تفصیلی بیان رسالہ نزول المسیح من السماء ؎ میں کیا جائیگا انشاء اللہ العزیز۔

تیسری آیت جس سے حضرت روح اللہ علیہ السلام کی حیات الی الآن اور نزول عیسیٰ فی آخرالزمان ثابت ہوتا ہے یہ ہے۔ تیسری آیت

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ اور نہیں ہوگا کوئی اہل کتاب میں سے

لہ اس حدیث کی مزید توضیح وتشریح رسالہ "نزول المسیح من السماء" میں کی جائے گی انشاء اللہ اور نیز مخالفین جو جو ایرادات ومناقضات عیسیٰ علیہ السلام کے نزول عیسیٰ پر وارد کرتے ہیں، ان کے مفصل جواب دیئے جائیں گے ۱۲ منہ سعادت الاقران۔

؎ یہ رسالہ مدتوں سے لکھا پڑا ہے کثرت مشاغل کی وجہ سے نوبت چھپنے کی نہیں آئی اللہ توفیق دے۔

Marfat.com

بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا (پ ۶ نساء) مگر ایمان لے آئیگا اُس پر اس کی موت سے پہلے اور وہ قیامت کے دن اُن پر شاہد ہوگا۔ (۴:۱۵۹)

وجہ استدلال کی یہ ہے کہ لَيُؤْمِنَنَّ میں لام قسم کا اور نون تاکید کا ہے۔ اور متون و شروح کتب نحو میں مُصرّح ہے۔ کہ نون تاکید مضارع کو خالص استقبال کے لئے کر دیتا ہے اور ماضی اور حال کے لئے نونِ تاکید نہیں آتا۔ اس مسئلہ میں کسی نحوی کو خلاف نہیں۔ اور نہ کسی آیت قرآنی یا حدیث نبوی صلعم یا کلام عرب عرباء میں اس کے خلاف نون تاکید کا استعمال پایا گیا ہے۔ چنانچہ امام ابن ہشام نحوی مغنی میں تحریر کرتے ہیں۔

وَاَمَّا الْمُضَارِعُ فَاِنْ كَانَ حَالًا لَمْ يُؤَكَّدْ بِهِمَا وَاِنْ كَانَ مُسْتَقْبِلًا اُكِّدَ بِهِمَا وُجُوْبًا فِيْ نَحْوِ تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ انتہی (مغنی صـ۲۲ جلد ثانی) - اگر مضارع حال کے معنی میں ہو تو ان ہر دو (نون خفیفہ و ثقیلہ) سے اس کی تاکید نہیں کی جاتی اور اگر مستقبل کے معنے میں ہو تو اُس (مستقبل) کی تاکید آیت تاللہ لاکیدنّ کی مثل میں، یعنی جب فعل کے اول میں قسم کا کوئی حرف ہو، ان ہر دو (نون ثقیلہ یا خفیفہ) میں سے کسی کے ساتھ واجب ہوتی ہے"

اسی طرح علامہ رضی شرح کافیہ میں فرماتے ہیں:۔

وَاَمَّا فِي الْمُسْتَقْبَلِ الَّذِيْ هُوَ خَبَرٌ مَحْضٌ فَلَا يَدْخُلُ اِلَّا بَعْدَ اَنْ يَدْخُلَ عَلٰى اَوَّلِ الْفِعْلِ مَا يَدُلُّ عَلَى التَّوْكِيْدِ اَيْضًا كَلَامِ الْقَسَمِ انتہی - لیکن اس مستقبل میں جو محض خبری ہو نون تاکید (خفیفہ یا ثقیلہ) داخل نہیں ہوتا مگر اس صورت میں کہ فعل کے اول میں کوئی تاکید کا کلمہ بھی داخل ہو مثلاً لام قسم۔

بعد اس تمہید کے واضح ہو کہ چونکہ آیت ما نحن فیہا میں لَيُؤْمِنَنَّ مع لام قسم اور نون تاکید ثقیلہ کے ہے۔ پس حسب تصریحات بالا یہ خالص استقبال کا صیغہ ہے

اس لئے مراد الٰہی اس آیت مبارکہ سے یہ ہوئی کہ آئندہ ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے۔ جس میں سب اہل کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر آپ کے مرنے سے پہلے ضرور ایمان لے آئیں گے۔ اور آپ ان پر قیامت کے دن شاہد ہوں گے۔

موافق محاورہ کتاب و سنت و قواعد نحو و کلام عرب عرباء اس آیت کے صحیح معنے یہی ہیں اور جتنے معنے اس کے سوا ہیں وہ سب غلط اور باطل ہیں[1] پس چونکہ ابھی تک اتفاق اہل کتاب قاطبۃً[2] عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے پر محقق نہیں ہوا۔ لہٰذا آپ ابھی تک فوت نہیں ہوئے وھذا ھو المراد والحمد للہ علیٰ حسن توفیقہ

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ البتہ عنقریب تم میں (حضرت) ابن مریمؑ۔ صاحب عدل و انصاف حاکم ہو کر اتریں گے۔ پس صلیب کو توڑ دیں گے۔ اور خنزیروں کو قتل کروا دیں گے اور لڑائی (بوجہ غلبہ اسلام) موقوف کر دیں گے اور مال اس قدر کثرت سے ہو جائیگا کہ کوئی اس کو قبول نہ کریگا یہاں تک کہ ایک سجدہ ساری دنیا کے مال و متاع سے بہتر ہوگا۔ پھر حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا۔ اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو۔ وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ الخ

عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم والذی نفسی بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکما عدلا فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الحرب ویفیض المال حتی لا یقبلہ احد حتی تکون السجدۃ الواحدۃ خیرا من الدنیا ثم یقول ابو ھریرۃ واقرءوا ان شئتم وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یَکُوْنُ عَلَیْھِمْ شَہِیْدًا (صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب نزول عیسیٰ بن مریمؑ۔

ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں اس حدیث کے ذیل میں اس آیت کا مفہوم یوں ادا کیا گیا ہے۔

---

[1] اس کی نفیس بحث "شہادت القرآن حصہ دوم" میں ص۳۳ سے ص۴۶ تک علامہ طرزی پر نہایت تحقیق و تدقیق سے کی گئی ہے طالب تفصیل اس کا مطالعہ کرے ۱۲ منہ۔ سعادت الاقران۔ [2] سب کے سب وھبۃ القیوم میرا

ای ان من اھل الکتاب احد
الا لیؤمنن بعیسے قبل موت عیسے
وھم اھل الکتاب الذین یکونون
فی زمانہ فتکون الملۃ واحدۃ وھی
ملۃ الاسلام وبھذا جزم ابن عباس
فیما رواہ ابن جریر من طریق سعید
ابن جبیر عنہ باسناد صحیح
(ارشاد الساری شرح صحیح بخاری)

یعنی اہل کتاب میں سے کوئی بھی نہ ہوگا۔ مگر
حضرت عیسیٰؑ پر حضرت عیسےٰؑ کی موت سے
پہلے ایمان لے آئیگا۔ اور وہ وہ اہل کتاب
ہوں گے۔ جو اُن (حضرت عیسیٰؑ) کے زمانہ
(نزول) میں ہوں گے، پس صرف ایک ہی
ملت اسلام ہو جائیگی۔ اور حضرت ابن عباسؓ
نے اسی پر جزم کیا ہے۔ اس روایت کے مطابق
جو ابن جریرؒ نے اُن سے سعید بن جبیر کے طریق
سے صحیح اسناد کے ساتھ روایت کی،

اس آیت کو اپنے ماقبل سے دو ارتباط ہیں اول یہ کہ جب آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ میں مسیح علیہ السلام کا صعود الی السماء مذکور ہوا۔ تو سامع کے دل میں ایک سوال پیدا ہو سکتا تھا۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام آسمان سے کبھی نازل بھی ہوں گے یا نہیں؟ اللہ تعالے نے بطور استیناف بیانی (جواب سوال مقدر) فرمادیا کہ زمانہ[1] اخیر میں آپ نزول فرما ہوں گے۔ اور ان کے نزول کے وقت یہ ہوگا کہ اہل کتاب بالاتفاق آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ دوم یہ کہ چونکہ اس مضمون کا شروع یَسْئَلُكَ

[1] اکمل صاحب قادیانی نے اپنی بے کمالی کی وجہ سے اس مقام پر ایک سوال کیا ہے کہ یہ کس آیت کا ترجمہ ہے؟ (ص۶۶) جناب والا! فہم سخن نصیب اعداء۔ صحیحین کی احادیث نزول اور سیاق کلام کو ملحوظ رکھ کر مراد الٰہی سمجھائی گئی ہے۔ اسی لئے "استیناف بیانی" کا ذکر کیا گیا ہے جسے آپ غالباً نہیں جانتے۔ (ص ۱۲ دینہ) اکمل صاحب دریافت کرتے ہیں کہ "سب اہل کتاب کس طرح ایمان لائیں گے۔ جبکہ جنگ میں تقریباً سب کے سب ہلاک ہو چکیں گے"۔ جواب سب اہل کتاب کا جنگ میں ہلاک ہونا کسی آیت یا حدیث میں وارد نہیں ہوا ہاں سوائے ملت اسلام کے باقی سب ملتوں کی ہلاکت کا ذکر حدیث ابی داؤد میں آیا ہے۔ سو ملت کی ہلاکت دیگر امر ہے اور اہل ملت کی ہلاکت دیگر۔ دیکھئے! آنحضرت صلعم کے وقت کچھ کفار جنگوں میں مارے گئے۔ اور باقی سب اسلام لے آئے۔ پس حجاز سے (بقیہ حواشی برصفحہ آئندہ)

Marfat.com

اَهْلُ الْكِتَابِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا مِّنَ السَّمَاءِ الآية سے ہے اور اس میں اہل کتاب یہود کا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جناب میں اقتراحاً یہ سوال پیش کرنا مذکور ہے کہ ہم آپ پر تب ایمان لائیں گے۔ جب آپ ہم پر آسمان پر سے کتاب نازل کر دکھلائیں جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل میں بھی مذکور ہے وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَّقْرَؤُهٗ یعنی (یہ کفار کہتے ہیں کہ) ہم تیرے (آسمان پر) چڑھنے ہی کو تسلیم نہیں کریں گے۔ جبتک تو ہم پر کوئی کتاب نہ اُتارے جسے ہم خود پڑھ لیں" تو اللہ تبارک وتعالے نے اپنے حبیب صلعم کو اس سوال کے دو جواب تعلیم فرمائے۔ اوّل یہ ظاہر کیا۔ کہ ایسے ایسے مقترحات کا پیش کرنا ان کی موروثی اور جدّی عادت ہے۔ چنانچہ انہوں نے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھنے کے آپ سے اس سے بھی بھاری سوال کیا۔ یعنی کہا کہ ہم کو اللہ تعالے ظاہراً دکھا۔ اور اُنہوں نے فلاں شرارت کی اور وہ فلاں فعل قبیح اور خلق شنیع کے مرتکب ہوئے۔ اسی سلسلۂ ذکر شناعات یہود میں ان کا یہ قول بھی ذکر کیا کہ وہ

(بقیہ حواشی صفحہ ماضی) کفر مٹ گیا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول پر ہوگا۔ فافہم ۱۲ سعادت

۳؎ اکمل صاحب فرماتے ہیں کہ سب اہل کتاب کا ایمان لے آنا آیت وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ کے برخلاف ہے۔ (مکمل) جواب سخن شناس نہ اکملا خطا اینجا ست۔ جناب من! ایمان اور عداوت میں منافات نہیں ہے کہ دونوں یکجا جمع نہ ہو سکیں۔ نہ سمجھ سکیں تو قادیانی اور لاہوری پارٹی کے حالات سے سمجھ لیں۔ دیگر یہ کہ الی یوم القیمۃ سے مراد قرب یوم القیمۃ ہے کیونکہ فنائے عالم کے بہت عرصہ بعد قیامت ہوگی۔ پس جب کوئی آدمی ہی زندہ نہ ہوگا۔ تو دشمنی کس میں ہوگی؟ پس لامحالہ اس سے قرب یوم القیمۃ مراد لینی پڑے گی۔ اور جب قرب یوم القیمۃ مراد ہوئی تو اس سے مراد زمانہ نزول عیسیٰ علیہ السلام ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں وارد ہے۔ کہ عیسٰے علیہ السلام کے نزول پر بغض اور عداوتیں جاتی رہیں گی۔ پس آیت کے معنے یہ ہوئے۔ کہ یہودیوں میں آپس میں اور عیسائیوں میں آپس میں بغض رہیں گے۔ جبتک وہ یہودیت و نصرانیت پر رہیں گے۔ اور وہ اس حالت پر حضرت عیسٰے کے نزول تک رہیں گے۔ جب وہ نازل ہونگے۔ تو یہ سب ان پر ایمان لاکر مسلمان ہو جائیں گے۔ پس (عداوتیں بھی نہ رہیں گی۔ کیونکہ اس وقت وہ یہودی اور عیسائی نہ ہوں گے گویا یہ قضیہ مشروطہ ہے فافہم ۱۲ سعادت بنہ

Marfat.com

فخر سے یہ کہتے ہیں کہ ہم نے مسیح عیسے بن مریم رسول اللہ کو قتل کر ڈالا۔ حالانکہ مسیح علیہ السلام کو نہ تو انہوں نے قتل کیا اور نہ اُسے صلیب پر چڑھایا۔ ولیکن اس شخص کو سولی پر چڑھا کر قتل کیا۔ جس پر حضرت مسیح کی شکل و شباہت ڈالی گئی تھی۔ الیٰ قولہ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا۔

پس اس ذکر کے ضمن میں اول تو آیت مالہم فیھا میں اس طور پر تفریح و تبکیت یہود پائی گئی۔ کہ جس رسول کی نسبت یہود فخر سے بے باکانہ یہ اخبار بے سروپا اور افواہ بے بنیاد اڑا رہے ہیں۔ کسی زمانہ میں یہود اس نبی برحق روح اللہ علیہ السلام کے سامنے سخت پست اور ذلیل ہو کر ایمان لا ئینگے لہ

چنانچہ تفسیر رحمانی میں اسی آیت کے متعلق لکھا ہے۔

ثم اشار الی ان من کان یفتخر بقتلہ سیتذلل لہ قبل موتہ رحمانی صہ ۱۷۳

پھر خدا تعالےٰ نے اس امر کی طرف اشارہ کیا۔ کہ جو لوگ حضرت عیسےٰ کے قتل پر فخر کرتے ہیں وہ عنقریب اس کی موت سے پہلے اس کے تابع ہو کر اس کے سامنے عاجز و ذلیل ہوں گے۔

ثانیاً اس طور پر کہ جو کتاب ہم اپنے حبیب صلعم پر بواسطہ رسول امین یعنی جبرئیل

لہ ہر چند کہ ہم نے بال کی کھال اتار کر نہایت وضاحت سے ان آیات کا ربط مضمون سابق سے بیان کر دیا۔ اور تائید کے لئے تفسیر رحمانی کا حوالہ بھی دیدیا۔ جو ربط آیات میں لاثانی ہے لیکن ہمارے اکمل صاحب اس پر بھی راضی نہ ہو کر لکھتے ہیں" سوال تو یہ ہے کہ آسمان سے کوئی کتاب نازل ہو۔ اور جواب یہ کہ مسیح اُتر کر تمہاری خوب خبر لیگا۔ پھر وہ بھی ان کی نہیں کیونکہ وہ تو مر چکے ہوں گے۔ بلکہ ان کی اولاد کی کسی آخری پشت کی" جواب جناب! شاید ہمارے الفاظ تفریح و تبکیت پر آپ کی نظر نہیں پڑی۔ جناب من! قرآن شریف میں اس کی نظائر بکثرت ہیں، سیالکوٹ میں آکر ہم سے تفسیر جلالین پڑھیں ہم آپ کو اس طریق جواب کی تصریح دکھا دیں گے، ہاں یہ خوب کہا کہ ان کی اولاد کو ڈرا دو دیگی۔ ہاں جناب! یہ بھی قرآن میں بکثرت ہے دیکھئے یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا والے رکوع یہاں آکر پڑھیں، افسوس آپنے مولوی فضل الدین صاحب کو یہ بات نہ سمجھائی۔ ورنہ وہ مرزا صاحب کی پشت سے کسی لڑکے کا نکاح محمدی بیگم کے بطن سے کسی لڑکی کے ساتھ تجویز نہ کرتے۔ فافہم۔ سعادت، منہ۔

Marfat.com

علیہ السلام نازل کر رہے ہیں۔ وہ اسی طریق پر نازل ہوتی رہیگی۔ یہود کے اقتراح بیجا پر اس طریق تنزیل کو بدل نہیں دیں گے۔ ہاں ہم زمانہ اخیر میں مسیح ابن مریم علیہ السلام کو ان کی سرکوبی اور تذلیل کے لئے پھر نازل کریں گے۔ یہ تو جواب اوّل کی تقریر ختم ہوئی۔ حاصل یہ کہ یہود کے ایسے ناشایستہ و بے جا مقترحات سے دل تنگ نہیں ہونا چاہیے۔ یہ ان کی عادت متوارثہ ہے۔

جواب ثانی یہ تعلیم فرمایا:۔

اِنَّآ اَوۡحَیۡنَآ اِلَیۡکَ کَمَآ اَوۡحَیۡنَآ بیشک ہم نے تیری طرف ٹھیک اسی طرح اِلٰی نُوۡحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ (نسآء) وحی کی ہے جس طرح نوح کی طرف اور اس کے بعد کے پیغمبروں کی طرف کی تھی (۴: ۱۶۳)

یہ طریق جواب حسن الخطابات میں سے ہے واللہ الموفق والملہم۔

چوتھی آیت جس سے حضرت روح اللہ علیہ صلوات اللہ کی رفع اور نزول، اور حیات الی الآن ہر سہ امور ثابت ہیں آیت وَاِنَّہٗ لَعِلۡمٌ لِّلسَّاعَۃِ زخرف ع۶ یعنی حضرت عیسٰےؑ علیہ السلام کا نزول) علامات قیامت میں سے ہے" (۴۳: ۶۱)

انّہٗ جناب اکمل صاحب نے ہمارے اس ترجمہ پر کم علمی یا بیکمالی کی بنا پر چند سوالات کئے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں: کیوں جناب! "یہ عیسٰیؑ (ضمیر کے مرجع میں اختلاف ہے) اور پھر اس کا نزول کہاں سے نکالا اور پھر علمٌ بمعنے علامات کونسی لغات میں دیکھا۔ اور ساعت کے معنے عذاب کی گھڑی بھی موافق محاورہ قرآن مجید ہو سکتے ہیں، یقیناً قیامت کیونکر ہوئے؟" (صفحہ ۵۵) جوابات (۱) اس آیت سے پیشتر اور بعد حضرت عیسٰی علیہ السلام کا ذکر صریح الفاظ میں موجود ہے دیکھیے۔ وَلَمَّا ضُرِبَ ابۡنُ مَرۡیَمَ مَثَلًا (الی قولہ) وَلَمَّا جَآءَ عِیۡسٰی بِالۡبَیِّنٰتِ الاٰیۃ گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ٭ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ؟ (۲) اور قابل لحاظ وہ اختلاف ہوتا ہے جو ناشی از دلیل ہو اور اس میں فیصلہ کی قوی دلیل نہ ہو۔ ورنہ ہمیں ڈر ہے کہ کہیں آپ وجود باری تعالٰی اور نبوت محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے بھی اس بنا پر انکار نہ کر دیں۔ کہ ان میں بھی اختلاف ہے۔ محققین نے اس ضمیر کے مرجع کی نسبت صاف فیصلہ کر دیا ہے کہ سوائے عیسٰے علیہ السلام کے سب مرجع ضعیف اور بعید ہیں کیونکہ سابقاً ولاحقاً انہی کا ذکر ہے اور نقل حدیث ابن مسعود سے لیا ہے۔ آپ علم حدیث سے ناواقف ہیں۔ اس لئے آپ نے سوال کر دیا۔ اور یہاں علم بمعنے علامت لسان العرب میں مرقوم ہے (باقی بر صفحہ آئندہ)

Marfat.com

حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے سنن ابن ماجہ میں موقوفاً اور مسند امام احمد میں مرفوعاً مروی ہے کہ
عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَمَّا کَانَ لَیْلَۃَ اُسْرِیَ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ لَقِیَ اِبْرَاہِیْمَ جس رات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی اس رات آپ حضرات ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام سے ملے

(بقیہ صفحہ گذشتہ) دیکھیے ہر سہ امور بالا کی نسبت علامہ ابن منظور افریقی فرماتے ہیں۔ وفی التنزیل فی صفۃ عیسیٰ صلوٰت اللہ علیٰ نبینا وعلیہ وانہ لعلم للساعۃ وھی قرأۃ اکثر القراء وقرء بعضھم وانہ لَعَلَمٌ للساعۃ المعنی ان ظھور عیسیٰ ونزولہ الی الارض علامۃ تدل علی اقتراب الساعۃ (لسان العرب جلد ۱۵ صفحہ ۳۱۲) اسی طرح تفسیر کبیر میں مسطور ہے:۔ وانہ یعنی عیسیٰ لعلم للساعۃ ای شرط من اشراطھا تعلم بہ فسمی الشرط الدال علی الشیٔ علما لحصول العلم بہ وقرء ابن عباس لَعَلَمٌ وھو العلامۃ اور ایک دوسری حدیث میں جو حضرت حذیفہؓ سے تفسیر ابن جریر میں مذکور ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے حضرت عیسیٰؑ کے نزول کو آیات قیامت میں گنا یا ہے۔ ہاں! آپ نے یہ خوب کہا۔ کہ" چونکہ ساعۃ بمعنے عذاب کی گھڑی بھی قرآن مجید میں وارد ہے اس لئے اس کے معنے یقیناً قیامت نہیں ہو سکتے" جناب والا۔ جب مرزا صاحب آنجہانی نے اس مقام کی نسبت ساعۃ کے معنے میں یہ بحث نکالی تھی۔ تو ہمیں اس وقت سوجھا تھا کہ یہ انکار قیامت کی پیش بندی ہے کیونکہ جب قاعدہ یہ ٹھیرا۔ کہ جس لفظ مفرد سے چند ایک معنی مراد لئے جائیں تو کوئی معنے بھی کسی مقام پر بھی یقینی نہیں ہو سکتا تو جہاں جہاں پر قیامت مراد ہوگی۔ وہاں وہاں پر آپ کہہ سکیں گے۔ کہ چونکہ ساعۃ کے معنے عذاب کی گھڑی بھی ہیں۔ اس لئے یقیناً قیامت کیونکر ہوئے؟ العیاذ باللہ جب ایمان کمزور ہو جاتا ہے تو حجت باز طبیعت کوئی نہ کوئی وجہ تراش لیتی ہے، ۱۲۔ سعادت، منہ۔

لہ مرزا صاحب قادیانی نے ازالہ اوہام میں فرمایا ہے کہ آنحضرت صلعم نے دیگر انبیاءؑ کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی ملاقات کی" پس جس طرح دیگر انبیاء فوت ہو کر آسمان پر ہیں اسی طرح حضرت عیسیٰؑ بھی ہیں اس کا مفصل جواب شہادت القرآن حصہ دوم میں دیدیا گیا ہے۔ مختصراً یہ کہ ملاقات کی تین صورتیں ہیں دونوں طرف سے جسمانی دونوں طرف سے روحانی ایک طرف سے روحانی دوسری طرف سے جسمانی جیسا کہ حدیث صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے۔ کہ دو قبروں میں آپ نے عذاب ہوتے دیکھا۔ اس وقت صحابہ کے ساتھ آپ کی ملاقات ہر دو جانب سے جسمانی تھی۔ اور مُردوں کے ساتھ آپ کی طرف سے جسمانی اور ان کی طرف عالم برزخ کی۔ اسی طرح شب معراج میں حضرت مسیح عیسیٰ علیہ السلام سے آپ کی ملاقات ہر دو جانب سے جسمانی تھی۔ اور دیگر انبیاء سے آپ کی طرف سے جسمانی اور ان کی طرف

Marfat.com

موسیٰ وعیسیٰ فتذاکروا الساعة فبدؤا
بابراهیم فسألوه عنها فلم یکن عنده
منها علم ثم سألوا موسیٰ فلم یکن عنده
منها علم فرد الحدیث الی عیسیٰ بن مریم
فقال قد عهد الیّ فیما دون وجبتها
فاما وجبتها فلا یعلمها الا الله فذکر
خروج الدجال قال فانزل فاقتله
(الحدیث) واللفظ لابن ماجة (ص۳۰۹) باب
فتنة الدجال وخروج عیسیٰ بن مریمؑ)

تو قیامت کے متعلق تذکرہ ہوا۔ اور حضرت ابراہیم سے سوال شروع ہوا۔ تو ان کو قیامت کا کوئی علم نہ تھا۔ (کہ کب ہوگی) پھر موسیٰ علیہ السلام سے سوال ہوا، تو ان کو بھی اس کا کوئی علم نہ تھا۔ پس حضرت عیسیٰؑ کی نوبت آئی۔ تو آپ نے کہا۔ کہ قیامت کے وقوع کا علم تو سوائے خدا کے کسی کو نہیں۔ لیکن خدا تعالےٰ نے مجھ سے قیامت کے نزدیک کا عہد کیا ہوا ہے پس آپ نے دجال کا بھی ذکر کیا۔ اور کہا کہ میں نازل ہوں گا۔ اور اس کو قتل کروں گا۔ (الحدیث بطولہ)

اس آیت کی تفسیر میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کا قرب قیامت کی علامت ہونا۔ حضرات ابن عباسؓ۔ ابو مالکؒ۔ عوفؒ۔ مجاہدؒ۔ قتادہؒ۔ سدیؒ۔ ضحاکؒ اور ابن زیدؒ سے مروی ہے۔ (ابن جریر) چنانچہ ضحاک کے الفاظ یہ ہیں۔ خروج عیسیٰ بن مریم ونزوله من السماء قبل یوم القیامة (ابن جریر سورہ زخرف) یعنی قیامت سے پیشتر حضرت عیسیٰؑ کا آسمان سے نازل ہونا قیامت کی علامت ہے۔

جب اس آیت اور حدیث سے پیشتر حضرت عیسیٰؑ کا نزول ثابت ہو گیا۔ تو چونکہ نزول مستلزم صعود ہے۔ اذ لا یمکن ولا یتصور نزول البشر من السماء الا بعد صعوده الیها یعنے کیونکہ کسی بشر کا آسمان سے نازل ہونا ممکن و متصور نہیں مگر بعد اس کے کہ وہ اس سے پیشتر آسمان پر چڑھا ہو۔ اس لئے یہ آیت مثبت صعود (رفع) بھی ہے۔ اور چونکہ زمان ما قبل النزول میں حیات بھی ضروری ہے اس لئے یہ آیت مثبت حیات بھی ہے۔

پانچویں آیت جس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع الی السماء ثابت ہے آیت وَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ (پ۳ آل عمران) ۳: ۴۴) ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ صفت

مقرب قرآن شریف میں تین موقع پر وارد ہے اوّل اسی آیت میں مسیح علیہ السلام کی شان میں۔ دوم فرشتوں کے لئے آخر سورہ نساء میں ذکر رفع مسیح کے تھوڑا آگے فرمایا۔

لَنْ یَّسْتَنْکِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّکُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰہِ وَلَا الْمَلٰٓئِکَۃُ الْمُقَرَّبُوْنَ " تو مسیح خدا کا بندہ بننے کو عار سمجھتا ہے اور نہ ملائکہ مقرب ہیں۔

(پ ۶ نساء) (۴: ۱۷۲)

سوم:- جنتیوں کے لئے سورہ واقعہ میں فرمایا:-

اُولٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ (پ ۲۷ واقعہ) (۵۶: ۱۱، ۱۲) " نعمت کے باغوں میں وہی مقرب ہوں گے "

ان ہر سہ مقامات پر قرب جسمی۔ حسی۔ سماوی[1] ملحوظ ہے نہ فقط رتبی۔

---

[1] اکمل صاحب قادیانی اس پر فرماتے ہیں "قرب جسمی۔ حسی۔ سماوی کہاں سے نکالا؟ جواب! جناب والا۔ فرشتے اپنے اجسام سے آسمان پر ہیں۔ اور جنتی بھی اپنے اجسام سے جنت میں ہوں گے۔ اور جنت آسمان پر ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اپنے جسم سے آسمان پر ہیں۔ آپ اپنے دماغ سے اکملیت کا دھواں نکال دیں۔ تو یہ باتیں خود بخود سمجھ میں آجائیں گی۔ دیگر یہ کہ آپ نے شہادت القرآن کی عبارت ہی نہیں سمجھی۔ وہاں تو صاف لکھا ہے:" قرب جسمی حسی۔ سماوی ملحوظ ہے۔ نہ فقط رتبی "۔ لیکن جناب نے اس لفظ "ملحوظ" کا لحاظ بالکل نہیں کیا۔ اور نہ الفاظ " نفقط رتبی " کا خیال کیا۔ پھر یہ کہ تفہیم ناقصین کے لئے اس کے بعد معنی کنائی اور معنے حقیقی کا باہم جمع ہو سکنا بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔ ورنہ محصلین جن کی نظر حمداللہ وغیرہ معقولی کتب پر ہو۔ ان کے لئے الفاظ " ملحوظ ہے نہ فقط رتبی " ہی کافی تھے۔ ۱۲ سعادت منہ۔

اکمل صاحب نے ایک اور کمال دکھایا کہ قرب سماوی پر ایک اعتراضی حاشیہ بھی جڑ دیا چنانچہ فرماتے ہیں " اس سے مکانی ہونا اللہ کا لازم آتا ہے "۔ (حاشیہ نمبر ۳) جناب من! آپ نہ تو قرآن جانیں نہ حدیث، نہ فطرت اللہ کو سمجھ سکیں اور دعوے اکملیت کا کر دیں۔ تو اس شعر کے مصداق نہیں گے ؎

آنکس کہ نداند وبداند کہ بداند + درجہل مرکب ابد الدہر بماند۔ سنئے۔ مکانی ہونا تو لازم آئے۔ جب اُسے محصور و محاط مانا جائے اور اگر حد و احاطہ کے تصور کے بغیر فوق العرش اس کیفیت سے مانا جائے جو اس کی شان کے لائق ہے۔ تو اس سے مکانی ہونا لازم نہیں آتا۔ ورنہ معاذ اللہ تمام سلف صالحین کو مثبت مکان ماننا پڑیگا۔ کسی حافظ قرآن سے پوچھئے کہ آیت ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ کہاں ہے؟ اور کسی محدث جانے سے نفت ... ...

وَلَوْ اَرَدْنَا بِهٖ لَازِمَ مَعْنَاهُ فَلَا يَضُرُّنَا لِاَنَّ الْمَعْنَى الْحَقِيْقِيَّ لِلَّفْظِ يَجْتَمِعُ مَعَهٗ لَازِمُ مَعْنَاهُ وَهٰذَا الرَّسْمُ هُوَ الْمُصْطَلَحُ عِنْدَ عُلَمَاءِ الْبَيَانِ بِالْكِنَايَةِ كَمَا هُوَ مُصَرَّحٌ فِيْ كُتُبِ الْبَلَاغَةِ وَقَدْ مَرَّ ذٰلِكَ اٰنِفًا فَلَا فَائِدَةَ فِي الْاِعَادَةِ

اور اگر ہم اس (اقرب) سے لازمی معنے بھی مراد لیں۔ تو بھی ہمیں مضر نہیں کیونکہ لازمی معنے حقیقی معنوں کے ساتھ جمع ہو سکتے ہیں۔ اور اس رسم کا نام علمائے بیان کی اصطلاح میں کنایہ ہے۔ جیسا کہ کتب بلاغت میں مصرح ہے اور اس کا حوالہ ابھی گزر چکا ہے۔ پس مکرر ذکر کرنے میں کوئی زیادہ فائدہ نہیں۔

عیسٰی علیہ السلام کو جو بکلمہ تبعیض مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ فرمایا تو مراد ان مقربین سے ملائکہ مقربین ہیں جو آیت سورہ نساء میں بالتنصیص مذکور ہیں۔ چنانچہ وہ آیت اَلنِّسَاءِ والله

(بقیہ حواشی صفحہ۲) نے ایک لونڈی سے پوچھا تھا اَيْنَ اللّٰهُ یعنی خدا کہاں ہے؟ تو اس نے کہا تھا فِي السَّمَاءِ یعنی آسمان میں۔ اس پر آنحضرت صلعم نے فرمایا تھا۔ اِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ یعنی بیشک یہ لونڈی ایماندار ہے اور کسی باہوش دعاگو سے سوال کیجیے۔ کہ دعا کے وقت تمہاری توجہ اور خیال کدھر کو ہوتا ہے اور ساتھ ہی کسی قرآن داں سے معلوم کریں۔ کہ آنحضرت صلعم تحویل قبلہ کی آرزو میں آسمان کی طرف کیوں دیکھتے رہتے تھے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ اس کے بعد شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ علیہ الرحمۃ والتحیہ کی عبارت ذیل پڑھیں تو آپ کو حقیقت معلوم ہو جائیگی کہ خدا تعالےٰ کو اوپر ماننا علم جبلی و فطری ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

ان هذا الامر فطروا عليه وجبلوا عليه كما قال الشيخ ابو جعفر الهمدانی لبعض من اخذ ينكر الاستواء ويقول لو استوى على العرش لقامت به الحوادث فقال ابو جعفر معناه ان الاستواء علم بالسمع ولو لم يرد به لم نعرفه وانت قد اولته فدعنا من هذا واخبرنا عن هذه الضرورة التی نجدها فی قلوبنا فانه ما قال عارف قط يا الله الا وقبل ان ينطق لسانه يجد فی قلبه معنى يطلب العلو يلتفت يمنة ويسرة فهل عندك من حيلة فی دفع هذه الضرورة عن قلوبنا فلطم المتكلم وقال حيرنی الهمدانی۔"

اور اس کے تھوڑا آگے فرماتے ہیں۔ وايضا فمن المعلوم ان القرآن ينطق بالعلو فی مواضع كثيرة جدا حتى قد قيل انها الف موضع والسنن متواترة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمثل ذلك وكلام السلف المنقول عنهم بالنزول تقتضی انهم فهموا على ذلك (رسالۃ ... جلد اول صفحہ ۲۴۳) سعادت منہ

Marfat.com

ابھی مذکور ہوگی۔ اور یہ بات مسلّم ہے کہ فرشتوں کا مقر طبعی آسمان ہے۔ پس جب عیسٰے علیہ السلام ان میں سے ایک فرد ہوئے۔ تو آپ کا صعود ثابت ہوگیا۔ تفاسیر معتبرہ مثل تفسیر کبیر۔ ابی السعود۔ مدارک۔ خازن۔ بیضاوی۔ سراج منیر۔ کشاف اور فیضی ان سب تفاسیر میں اس آیت کے ذیل میں رفع الی السماء کو ذکر کیا ہے۔ چنانچہ تفسیر کشاف میں ہے۔

وَكَوْنُهٗ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ رَفْعُهٗ اِلَى السَّمَآءِ وَصُحْبَتُهٗ لِلْمَلٰٓئِكَةِ — مقربین میں سے ہونے کے معنے ہیں۔ آپ کا آسمان کی طرف اُٹھایا جانا اور فرشتوں کے ساتھ رہنا۔

اور تفسیر سواطع الالہام میں ہے۔

لِصُعُوْدِهٖ مَصَاعِدَ السَّمَآءِ وَاِدْرَاكِهٖ مَدَارِكَ الْمَلَكِ — کیونکہ آپ آسمان پر اُٹھائے گئے۔ اور آپ فرشتوں کے مقام پر پہنچے۔"

چھٹی آیت جو مثبت رفع روح اللہ ہے۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ — نہ تو مسیح خدا کا بندہ ہونے کو عار جانتا ہے اور نہ ملائکہ مقربین،

(پ ۶ ن ر) (۴ : ۱۷۲)

وجہ استدلال یہ ہے کہ مادہ شرک نصاریٰ تین امر ہیں اور انہیں کے سبب نصاریٰ کو وہم الوہیت مسیح پیدا ہوا۔ اوّل ولادت مسیح بلا پدر۔ دوم ظہور معجزات عجیبہ۔ سوم رفع الی السماء۔ اور ظاہر ہے کہ یہ ہر سہ امور یا تو صحیح ہیں۔ یا نہیں اگر صحیح نہیں تو قرآن شریف میں حسماً لمادۃ شرک النصاریٰ[2] ان سب کا

---

[1] مطلب یہ کہ فرشتوں کا مسکن طبعی آسمان ہے حضرت عیسٰی علیہ السلام بھی آسمان پر ہونے کی وجہ سے اس سکونت میں سکان آسمان یعنے جماعت ملائکہ کے ایک فرد ہیں۔ جناب اکمل صاحب اسے سمجھ نہیں سکے۔ تو اعتراض جمانے بیٹھ گئے۔ کہ سب رسول بشر تھے۔ تو حضرت عیسٰے فرشتے کس طرح ہوگئے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ ۱۲ سعادت منہ، [2] نصاریٰ کے شرک کے مادہ کو نابود کرنے کے لئے۔ عبدالقیوم تیسر۔

Marfat.com

ابطال و تردید چاہیئے اور اگر صحیح ہیں تو پھر یہ ثابت کرنا چاہیئے کہ یہ امور مقتضی الوہیت نہیں ہو سکتے۔ ناقدِ ممارس کتاب اللہ پر ظاہر ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے ان امور کو باطل نہیں کہا۔ بلکہ ان کو ثابت رکھ کر یہ ظاہر کیا ہے کہ یہ امور مقتضی الوہیت نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ **وجہ اوّل** یعنی ولادت بلا پدر کو آدمؑ کی پیدائش سے توڑا اور فرمایا

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (پ۳ اٰلِ عمران ۳ : ۵۸) عیسےٰؑ کی مثال تو خدا کے نزدیک آدمؑ کی طرح ہے۔ کہ اُسے خدا نے مٹی سے بنایا تو پھر اُسے کہا کہ ہو جا تو وہ ہو گیا۔

اور یہ من باب تمثیل الغریب بالاغرب ہے۔

وجہ دوم یعنی ظہورِ خوارق کی نسبت فرمایا :-

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ الآیہ (مائدہ پ۶) مسیح تو صرف ایک رسول ہیں۔ اس سے پیشتر کئی رسول ہو چکے ہیں، (۵ : ۷۵)

اس میں ظاہر کیا کہ ظہورِ خوارق دیگر انبیاءؑ کے ہاتھ پر بھی ہوا ہے۔ اس لئے یہ وجہ بھی مثبت لاہوتیت نہیں ہو سکتی۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ سے آپ کے عصا کا سانپ بن جانا عیسےٰؑ کے معجزہ احیاءِ موتیٰ سے اعجب ہے کیونکہ میّت وہ چیز ہے۔ جو کسی وقت زندہ ہو۔ اور پھر اس سے حیات منتزع ہو اور لکڑی ایسی چیز ہے

لہ مطلب بالکل صاف ہے۔ کہ اگر یہ تینوں امر نفس الامر میں خدا کے نزدیک غلط تھے تو چاہیئے تھا کہ خدا تعالےٰ صاف فرما دیتا کہ یہ امر غلط ہیں، افترا ہیں، لیکن خدا تعالےٰ نے بجائے ابطال و تردید کے ان کو ثابت کر دکھایا۔ اور نصاریٰ کی تردید اس طرح کہ یہ باتیں مثبت الوہیت نہیں ہو سکتیں اکمل صاحب شہادۃ القرآن کے ایسے صاف بیان کو بھی نہیں سمجھ سکے چنانچہ فرماتے ہیں " رفع جسمانی مسیح کا تو ضرور ابطال ہونا چاہیئے۔ کیونکہ یہی سب سے بڑا بھاری ثبوت ہے۔ نصاریٰ کے پاس الوہیت مسیح کا (صفحہ ۹) جناب من! قرآن نے رفع جسمانی کا ابطال نہیں کیا بلکہ نصاریٰ نے جو اسے وجہ الوہیت بنایا تھا۔ اس کا ابطال وَاِنَّ الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ سے کیا جیسا کہ اگلی سطروں میں مفصل و مدلل مذکور ہے فافہم ۱۲ سعادت ۱۲ منہ،

جس کی شان میں حیات نہیں ہے۔

وجہ سوم یعنی رفع الی السماء کو آیت لَنْ یَّسْتَنْکِفَ الْمَسِیْحُ الآیۃ نے توڑا اور ظاہر کیا کہ ملائکہ مقربین اور حاملینِ عرش رفع آسمانی میں حضرت روح اللہؑ سے ارفع ہیں۔ پس یہ وجہ بھی مقتضی لاہوتیت نہیں ہوسکتی۔

بادنیٰ تامل ظاہر ہوسکتا ہے۔ کہ اس پچھلی آیت میں ان ہر سہ وجوہ کا جواب ہے کیونکہ ملائکہ کی پیدائش بھی بغیر اسباب کے محض کلمہ کن سے ہے اور اظہارِ خوارق میں بھی وہ بشر سے زیادہ طاقت رکھتے ہیں۔ اور رفع سماوی میں بھی اکثر ان میں سے حضرت عیسیٰؑ سے زیادہ بلند ہیں۔ پس عیسیٰؑ کا رفع مع دیگر خوارق کے اسی ایک آیت سے بھی ثابت ہے۔ اس آیت کے ذیل میں رفع عیسیٰؑ کو ذکر کرنے میں بندہ منفرد نہیں ہے۔ بلکہ علامہ ابو السعود تفسیر ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم میں یہی لکھتے ہیں۔ ملاحظہ ہو عبارتِ ذیل :-

ان مناط کفر النصارٰی ورفعهم له علیه السلام عن رتبة العبودیة کما کان اختصاصه علیه السلام وامتیازه عن سائر البشر بالولادة من غیر اب وبالعلم بالمغیبات وبالرفع علی السماء عطف علی عدم استنکافه عن عبودیته تعالٰی عدم استنکاف من هو اعلٰی درجة منه فیما ذکر فان الملائکة مخلوقون من غیر اب وام وعالمون بما لا یعلمه البشر من المغیبات ومقارهم السمٰوٰت العلٰی ۱۲ (ابی السعود زیر آیت لن یستنکف الخ)

نصاریٰ کے کفر اور ان کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رتبہ عبودیت سے برتر جاننے کا مناط و مدار اس وجہ سے ہے کہ آپ بلا باپ پیدا ہونے اور (خدا کے جانے سے بعض) مغیبات کے جاننے اور آسمان پر چڑھائے جانے" میں دیگر بشروں سے ممتاز ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس بات پر کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی عبودیت سے عار نہیں ان لوگوں (فرشتوں) کے عدم استنکاف کو عطف کیا جو ان امور مذکورہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اعلیٰ و ارفع ہیں کیونکہ فرشتے بغیر باپ اور بغیر ماں کے پیدا شدہ ہیں اور وہ (خدا کے بتانے

کے جاننے سے ، ان مغیبات کو بھی جانتے ہیں ، جو انسان کے علم میں نہیں ہیں ، اور بلند آسمان ان کے رہنے کی جگہ ہے ۔

ساتویں آیت مثبت حیات روح اللہؑ یہ ہے ۔

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصَّالِحِينَ (آل عمران پ۳) "اور کلام کرے گا لوگوں سے گہوارے میں اور کہولت (کی عمر) میں بھی اور صالحین میں سے ہوگا۔" (۳ : ۴۵)

وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں حضرت مسیحؑ کو تکلم فی المھد اور تکلم فی الکھولۃ کی بخشش سے نوازنا ذکر کیا اور یہ دونوں اعجازی امر ہیں ۔ جیسا کہ سورۃ مائدہ کی آیات تذکیر انعامات[ل] سے واضح ہے

إِذْ أَيَّدتُّكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا (مائدہ) "اے عیسےٰؑ (وہ وقت یاد کر) جب میں نے تیری تائید روح القدس (جبریل فرشتے) سے کی ۔ کہ تو نے لوگوں سے اپنے گہوارے میں بھی اور کہولت (کی عمر) میں بھی کلام کیا۔" (۵ : ۱۱۰)

تکلم فی المھد یعنی گہوارے کی باتیں سورہ مریم میں مذکور ہیں ۔

جب یہود نے حضرت عیسےٰؑ کی ولادت پر حضرت مریمؑ کی عصمت میں شک کیا تو حضرت عیسےٰؑ بحکم خدا اپنی ماں کی گود سے بول اُٹھے ۔

إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا الخ (مریم پ۱۶) "میں خدا کا بندہ ہوں خدا نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا ۔ الخ" (۱۹ : ۳۰)

ل اکمل صاحب یوں کمال نمائی کرتے ہیں ۔ (اللہ تو نے) معمولی احسان تو یاد کرا دیے اور اصلی نعمت جو اس سے پہلے کسی نبی کو نہ دی گئی ۔ وہ نہ جتائی (مشکٰوۃ)" جواب ۔ جناب والا ! وَكَهْلًا میں اسی نعمت کی طرف اشارہ ہے الفقیہ تکفیہ الاشارۃ چونکہ حضرت عیسےٰؑ پر یہ نعمت (آسمان پہ اٹھا لینا) گزری ہوئی ہے ۔ اس لئے وہ تو اسی اشارہ سے سب کچھ سمجھ جائیں گے ۔ لیکن قادیانی اصحاب کچھ بھی نہیں سمجھیں گے ۔ والسفیہ لا تفیدہ العبارۃ کیونکہ وہ انکار کے درپے ہیں فما کانوا لیؤمنوا بما کذبوا من قبل کذلک یطبع اللہ علی قلوب الکافرین (اعراف پ۹) (۷ : ۱۰۱) "مگر یہ لوگ ایسے سرشت ہی کے نہ تھے کہ جس چیز کو پہلے جھٹلا چکے ہوں معجزے دیکھ کر اس پر ایمان لے آئیں ۔"

Marfat.com

پس جس طرح تکلم فی المہد امر اعجازی اور خلاف عادت ہے اسی طرح حضرت عیسےٰؑ کا تکلم فی الکہولۃ[1] بھی امر خارقِ عادت ہے۔ اگرچہ یہ بظاہر کوئی امر عجیب معلوم نہیں ہوتا کیونکہ کہولت کی عمر میں سب بولنے والے کلام کیا کرتے ہیں۔

پس اس معجزہ عیسویہ کی صورت یہ ہے۔ کہ رفع آسمانی کے بعد ایک زمانہ دراز تک بغیر خوراک معتاد کے زندہ رہنا اور اسی حالت میں بغیر کسی قسم کے تغیر و استحالہ

---

[1] اکمل قادیانی بات نہ سمجھنے اور خواہ بات بنے یا نہ بنے" پھر بھی جواب میں کچھ نہ کچھ کہہ ڈالنے میں بہت کمال ہیں۔ چنانچہ تکلم فی الکہولۃ کی نسبت فرماتے ہیں، اور تکلم النّاس سے تو یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ بعمر کہولت بھی لوگوں سے کلام کرتے رہے ہیں اور آپ رفاک رحمد ابیم میرسیالکوٹی) کے اعتقاد کے موافق ان پر کہولت کا زمانہ آسمان پر آیا ہے۔ وہاں کونسے انسانوں کے ساتھ کلام فرماتے ہیں" (مشکی جواب۔ ہاں جناب! ہم حضرت عیسےٰؑ کے تکلم فی الکہولۃ کو تو بلا ریب و شک مانتے ہیں۔ اور اسی امر کا یہاں بیان ہے۔ لیکن اس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ دائماً پایا جائے کہ آپ ان کے آسمان پر ہونے کے وقت کرنے کے لئے وہاں کئی ایک انسان یک کرا کر بھیجنے پڑیں، کیونکہ یہ قضیہ مطلقہ ہے۔ اور اطلاق میں اعتبار دوام کا ہوتا ہے، جیسا کہ جملہ کتب منطق میں مرقوم ہے اور فعلیہ نسبت سے ضرورۃِ نسبتہ یا دوام نسبتہ لازم نہیں آتا۔ بلکہ ثبوت کیلئے اس کا وجود بالفعل دنی الجملہ احد ازمنہ ثلثہ میں کافی ہوتا ہے۔ (قطبی یسلم۔ حمد اللہ) جس طرح کہ تکلم فی المہد میں دوام نہیں تھا۔ اسی طرح تکلم فی الکہولۃ میں بھی دوام ضروری نہیں۔ پس جب زمانہ نزول میں اس کیفیت سے جو متن میں مذکور ہے۔ اس کا تحقق و وقوع ہو جائیگا۔ تو پھر اس کے صدق میں کیا کلام؟ سچ سمجھئے۔ کہ قادیانیوں کے سامنے ایسی باتیں بیان کرنا بھینس کے آگے بین بجانا ہے۔ دیکھئے تفسیر ابن جریر میں ابن زیدؒ کا قول ہے قال قد کلمھم عیسےٰ فی المھد وسیکلمھم اذا قتل الدجال وھو یومئذٍ کھل (جلد ۳ صفحہ ۱۵۹)

اور تفسیر معالم میں ہے۔ قال الحسین بن الفضل (وکھلاً) بعد نزولہ من السماء (صفحہ ۱۵۹) دیکھئے! اب تو معقولاً و منقولاً ہر دو طریق سے مطلع صاف ہوگیا برائے خدا اب تو ضد چھوڑیئے اور آنکھیں کھولئے۔ اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ۔ سعادت القرآن ۱۲ منہ

مولے اللہ تو ہمیں حق کو حق دکھادے اور اس کی پیروی کی توفیق عطا کر (عبد العفور مترجم)

(حالت کے بدلنے) کے نازل ہونا امر خارق عادت ہے۔ ورنہ تخصیص مسیح کی کوئی وجہ نہیں۔ توضیح اس کی یوں ہے کہ آسمان پر حضرت عیسٰےؑ کا یہ زندگی بوجہ آسمان پر ہونے کے اور فرشتوں کی صحبت میں ہونے کے ذکر و عبادت ہے۔ چنانچہ تفسیر رحمانی کی یہ عبارت سابقاً گزر چکی ہے۔" (انی متوفیک) ای آخذ بکلیتک (و) لا ادع لک شھوۃ طعام ولا شراب فتحتاج الی مساکنۃ الارض لانی (رافعک الی) ای الی سمائی" (پ ۳ آل عمران) اور زمانہ رفع و نزول کے درمیان خواہ کتنی ہی مدت مدید وہ آسمان پر رہیں ان کے جسم میں کوئی بھی تغیر و استحالہ نہیں ہوگا۔ بلکہ جس حالت میں وہ آسمان پر اٹھائے گئے تھے۔ اُسی حالت پر نزول فرمائیں گے۔ کیونکہ آسمان محل تاثر و استحالہ نہیں جیسے جنتیوں کے اجسام میں باوجود مدتہائے دراز در دراز کے کوئی تغیر و استحالہ نہیں ہوگا"۔ فافہم۔

ل اکمل صاحب ثانی دیانی مذاق علمی سے منافات کرتے ہیں۔ بہت سی عبارت میں جو بے ضرورت مکرر سہ کرر ذکر کرکے لمبی کی گئی ہے فرماتے ہیں۔" مسیح کی فطرت جن حوائج کی مقتضی تھی۔ جب اس سے بوجہ رفع علی السماء کے بے نیازی ہوگئی۔ تو یہ مستلزم صمدیت و الوہیت ٹھہری۔ اس سے نصاریٰ ثبوت دے سکتے ہیں کہ ان کی فطرت میں ہی الوہیت تھی"۔ (ص ۱۴۳) جواب: بندۂ خدا! کبھی تو علم کی بات کیا کرو۔ آپ الفاظ" مسیح کی فطرت" قلم سے تو لکھتے جاتے ہیں لیکن دماغ سے نہیں سمجھتے کہ کہتے کیا ہیں؟ سنیئے جناب فطرۃ مصدر ہے اور یہاں مسیح کی طرف مضاف ہونے سے مصدر مجہول ہے پس اس کے معنے یہ ہوں گے۔ کہ "مسیح جس حالت پر مفطور ہوئے"۔ پس آپ ہی کے الفاظ سے ثابت ہوگیا۔ کہ حضرت مسیح صمد نہیں ہیں۔ کیونکہ صمد وہ ہے جو اپنے وجود و بقا میں کسی کا محتاج نہ ہو۔ اور دیگر سب اس کے محتاج ہوں ملاحظہ ہو عبارت ذیل آیت اَللّٰهُ الصَّمَدُ کے ذیل میں۔

(۱) ثم (ربیّن) صمدیتہ المقتضیۃ لاستغنائہ الذاتی عما سواہ وافتقار جمیع المخلوقات الیہ فی وجودھا وبقائھا وسائر احوالھا یعنی پھر صاف بیان کی اپنی بے نیازی جو اپنے ماسوا سے اپنے ذاتی استغنا اور تمام مخلوقات کے اپنے وجود اور اپنی بقا کے لئے اور تمام احوال میں اس کی طرف محتاج ہونے کی مقتضی ہے۔ (عبد القیوم میر) — دیگر یہ کہ اگر حضرت عیسٰیؑ اب آسمان پر بحکم خدا تعالیٰ بعض حوائج بشریہ (کھانا پینا) سے بے نیاز ہیں تو اس سے بھی خدا نہیں بن سکتے۔ کیونکہ موجب الوہیت وہ بے نیازی ہے جو ذاتی ہو اور جو خدا کی عطا سے ہو وہ موجب الوہیت نہیں، جیسے کہ معجزات جو حقیقت میں خدا کے افعال ہیں۔ لیکن خدا کے حکم سے نبی برحق کے ہاتھ پر ان کا ظہور ہوتا ہے۔ دیگر یہ کہ کانا یاکلان میں لفظ ماضی ذکر کیا جس میں اس امر پر دلالت ہو سکتی ہے کہ زمانہ گزشتہ میں وہ کھانا کھایا کرتے تھے۔ لیکن اب نہیں کھاتے۔ پس کھانے سے استغنا تو قرآن شریف سے ثابت ہوا۔ آپ اس کا انکار کس طرح کر سکتے ہیں (مزید توضیح حصہ دوم میں صفحہ ۴۵ سے ۵۱ تک دیکھئے ۱۲ سعادت منہ

Marfat.com

آٹھویں آیت مثبت حیات و رفع و نزول حضرت روح اللہ یہ ہے۔

وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (مائدہ پ۷)	اور میں ان پر شاہد رہا۔ جبتک میں اُن میں (موجود) رہا۔ پس جب تو نے مجھے اُٹھا لیا تو تو ہی ان پر نگران تھا اور تو ہر شئے پر شاہد ہے۔ (۵: ۱۱۷)

آیت اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ اور بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کی تفسیر میں سابقاً امور مندرجہ بہ بسط محقق ہو چکے ہیں۔

اوّل یہ کہ توفی کا مدلول (معنے) وضعی موت نہیں ہے۔ اس کے معنے ہیں اَخْذُ الشَّیْءِ وَافِیاً" یعنی کسی چیز کو تمام لے لینا"۔

دوم یہ کہ چونکہ اس اخذ و قبض کے انواع متعدد ہیں اس لئے تعیین یک نوع کے لئے وجود قرینہ ضروری ہے"۔

سوم یہ کہ آیت رَافِعُكَ اِلَیَّ اور بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ رفع الی السماء کیلئے نصوص قطعیہ ہیں کیونکہ رفع الی اللہ اور رفع الی السماء متصادق فی المعنی ہیں۔ جیسے کہ آیت اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ (پ۲۲ فاطر ۳۵: ۱۰) (اچھی اچھی باتیں اُسی کی جناب تک پہنچتی ہیں۔ اور (وہی) نیک عمل (کرنے والوں کے درجوں) کو بلند کرتا ہے (عبد القیوم مہرا) سے ثابت ہو چکا ہے۔ اور جناب مرزا صاحب نے ازالہ اوہام میں بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کی توضیح کے ضمن میں اِلَيْهِ سے اِلَى السَّمَاءِ مراد لی ہے۔ پس آیات رَافِعُكَ اِلَیَّ اور بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ مسیح کی توفی سے رفع آسمانی مراد لینے کے لئے قرائن قویہ ہیں۔ لہٰذا نظر بر آیات مثبتہ رفع فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ سے مراد فَلَمَّا رَفَعْتَنِيْ اِلَى السَّمَاءِ ہوگی نہ کچھ اور۔

چنانچہ تفاسیر معتبرہ مبسوط وغیرہ میں تَوَفَّيْتَنِيْ سے مراد رَفَعْتَنِيْ لکھا ہے سالک شاہراہ یقین کے لئے اس بیان میں کفایت ہے۔ مگر متعسف کجرو پر اتمام حجت کے لئے مزید توضیح حصہ دوم میں کی جائیگی لہ انشاء اللہ تعالٰے۔

لہ (اس نمبر کا حاشیہ صفحہ ۲۰۹ پر دیکھیں)

Marfat.com

مرزا صاحب قادیانی کا یہ مذہب ہے کہ حضرت مسیح نے معاذ اللہ اہانت صلیب برداشت کرنے کے بعد جو وجاہت کے منافی ہے۔ کشمیر کی طرف ہجرت کی اور وہاں ستاسی سال زندہ رہ کر فوت ہو گئے۔ یہ سراسر باطل اور دروغ بیفروغ ہے۔ کیونکہ کلمہ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي سوال اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ الآیہ کے جواب میں واقع ہے۔ پس اس جگہ توفّی سے مراد موت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اہلِ کشمیر نے الٰہ نہیں ٹھیرایا۔ بلکہ اہلِ شام اور اس کے قرب جوار کے اشخاص نے۔ پس اہلِ شام جنہوں نے حضرت عیسیٰ کو معبود بنایا تھا۔ ان کی خبر بموجب قول مرزا صاحب حضرت عیسیٰ سے بوجہ ہجرت الی الکشمیر آپ کی وفات سے ستاسی سال پیشتر منقطع ہو چکی ہے۔ اور اس ستاسی سال کی حیات مزعومہ مرزا صاحب

(حواشی صفحہ ۲۰۸) لہ اکمل صاحب غلط گوئی میں خاص کمال رکھتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں فلما توفیتنی کی تحقیق کو کسی اگلے حصے پر ٹالا ہے۔ (ملخص) جواب۔ بندۂ خدا کبھی تو درست لکھا کرو تحقیق تو ساری پوری کرکے یہاں اس کا خلاصہ بھی کر دیا گیا کہ کم علم لوگوں کو پچھلا پڑھا ہوا یاد آ جائے۔ اگلے حصے پر تو صرف مزید توضیح چھوڑی گئی تھی "کہ تحقیق" دیگر یہ کہ دوسرا حصہ بھی آپ کی تصنیف سے کئی سال پیشتر قادیاں میں پہنچ چکا تھا ذرا تکلیف اٹھا کر اسے بھی مطالعہ فرمایا ہوتا۔ اور دیکھا ہوتا کہ اس میں کیا مزید توضیح کی گئی ہے پھر دونوں حصوں کی توضیح کا مقابلہ کرکے نقل کی ہوتی کہ پہلے حصے میں امر مقصود (رفع عیسوی) کے متعلق کیا کسر باقی چھوڑ دی گئی ہے۔ اکمل صاحب کی یہ تم ظریفی دیکھیے کہ عجب ناز و ادا سے لکھتے ہیں "کسی اگلے حصے پر" جناب! "یہ کسی" تنکیر کا کلمہ کیا؟ جناب مرزا صاحب آنجہانی کی وفات سے پیشتر ڈھائی سال اور آپ (اکمل صاحب) کی تصنیف سے سوا تین سال پیشتر دوسرا حصہ قادیاں میں پہنچ چکا تھا۔ اور ملک میں شائع ہو چکا تھا۔ اس پر بھی آپ کلمہ تنکیر "کسی" فرما رہے ہیں۔ گویا کہ آپ کو اس کا نہ علم ہے نہ علم کی ضرورت ہے۔

دیگر یہ کہ لکھتے ہیں "ٹالا ہے" جناب! جس کے پاس قرآن و حدیث صحیح اور قواعد زبانِ عرب ہوں وہ ٹالے کیوں ؟ ٹالے تو وہ جسے ان ہر سہ سے واسطہ نہ ہو یا ان کا علم نہ ہو۔ سعادت۔ منہ

لہ عدم اطلاع کا عذر مرزا صاحب کے قول کے مطابق ذکر کیا گیا، چنانچہ شہادت القرآن حصہ دوم کے صفحہ ۱۲ و صفحہ ۱۳ (طبع دوم) پر بھی بنا بر عدم اطلاع کا عذر ذکر کیا گیا، ورنہ ہماری تحقیق میں اس سے مراد اظہار براءت

[illegible]

میں عیسےٰؑ کو اہل شام کے تغیر عقائد کی کوئی خبر نہیں کہ پیچھے انہوں نے کیا بنا لیا۔ پس سوال ءَاَنۡتَ قُلۡتَ لِلنَّاسِ کے جواب میں عذر موت صحیح نہیں ہے۔ بلکہ عذر خروج الی الکثیر چاہیے[1]۔ جب بدیں صورت ایک پیغمبر برحق تعلیم کردہ حضرت حق جلّ و علا کے جواب میں قدح واقع ہوتی ہے۔ تو بالضرور معلوم ہوا۔ کہ یہاں توفی سے مراد موت نہیں ہے۔ اور چونکہ حضرت عیسےٰؑ کا مرفوع الی السماء ہو کر اقوال نصارےٰ سے بے خبر ہو جانا **جواب باصواب**[2] ہے۔ اور یہ ثابت بھی ہو چکا ہے کہ عیسےٰ علیہ السلام کی توفی بالرفع الی السماء ہوئی ہے۔ تو اس لئے تَوَفَّيۡتَنِىۡ کے معنے رَفَعۡتَنِىۡ اِلَى السَّمَآءِ ہیں نہ کچھ اور۔ چنانچہ تفسیر **سواطع الالہام** میں ہے (فَلَمَّا تَوَفَّيۡتَنِىۡ) اراد اعلاءہٗ مصاعد السَّمَآءِ خدا تعالےٰ نے اس سے آسمان کی بلندیوں پر اٹھا لینا مراد رکھا ہے۔

اور تفسیر کبیر اور خازن میں ہے۔ (فَلَمَّا تَوَفَّيۡتَنِىۡ) یعنی فَلَمَّا رَفَعۡتَنِىۡ اِلَى السَّمَآءِ

---

[1] اکمل صاحب قادیانی فرماتے ہیں۔ نہیں بتایا کہ عذر موت کن وجوہات سے باطل ہے ۱۲ (ص۱۸۴) جواب جناب بتا تو دیا لیکن ع گر نہ بیند بروز شپرہ چشم۔ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ ۱۲ سعادت

[2] اکمل صاحب قادیانی سوال کرتے ہیں کہ "وہ جب دنیا میں آئیں گے تو یہ لاعلمی کیسی؟ (ص۱۸۶) جواب: اکمل صاحب نے اس سوال میں کوئی کمال نہیں دکھایا۔ یہ سوال تو میں نے (حصہ دوم کے ص۱۳ پر) از خود کر کے اس کا کافی و وافی جواب دیدیا ہے۔ جو اکمل صاحب کی تصنیف سے سوا تین سال پیشتر قادیان میں پہنچ چکا تھا۔ لیکن اکمل صاحب اس سے چشم نمائی کریں تو کسی کا کیا قصور؟ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عیسےٰؑ کیلئے نصاریٰ وغیرہ کے اقوال و افعال پر مطلع ہونے کے دو موقع ہیں۔ اول آسمان پر اٹھائے جانے سے پیشتر یعنی تبلیغ رسالت کے وقت دوم آسمان سے نازل ہونے کے بعد اور یہ مسلّم ہے کہ نصاریٰ کے عقائد ان دونوں زمانوں کے درمیان یعنے زمانہ رفع میں بگڑے سو آپ کا قول وَكُنۡتُ عَلَيۡهِمۡ شَهِيۡدًا مَّا دُمۡتُ فِيۡهِمۡ۔ ان دونوں زمانوں پر شامل ہے۔ چنانچہ آیت نزول میں فرمایا وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يَكُوۡنُ عَلَيۡهِمۡ شَهِيۡدًا (نساء ۱۵۹:۴) فَلَمَّا تَوَفَّيۡتَنِىۡ كُنۡتَ اَنۡتَ الرَّقِيۡبَ عَلَيۡهِمۡ سے زمانہ مرفوعیت مراد ہے جو دونوں زمانوں کے درمیان ہے (جَمۡعًا بَيۡنَ الۡاَدِلَّةِ) اور حضرت عیسیٰؑ کی مراد اس سے اظہار برأت ہے چنانچہ شہادۃ القرآن حصہ دوم کے ص۱۳ پر تصریح کر دی گئی ہے ۱۲ سعادت منہ

Marfat.com

یعنے جب تو نے مجھے آسمان پر اُٹھا لیا، اسی طرح دیگر تفاسیر میں بھی ہے۔

نویں آیت مثبت رفع الی السماء وَجَعَلَنِیْ مُبَارَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ (پ۱۶ مریم) اور خدا نے مجھ کو برکت والا بنایا ہے جہاں کہیں میں ہوں) (۱۹: ۳۱)

وجہ استدلال یہ ہے کہ برکت خیر کثیر اور علو کو کہتے ہیں۔ جیسے آیت لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (پ۹ اعراف ۷: ۹۶) میں برکت سے مراد خیر کثیر اور زیادت نعمت ہے۔ اور آیات صفات مثل فَتَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ (پ۸ اعراف) اور فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ (پ۱۸ مومنون) اور تَبَارَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ (پ۲۹ ملک) اور تَبَارَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ (پ۱۸ فرقان) اور بُوْرِكَ مَنْ فِی النَّارِ[1] (پ۱۹ نمل) میں مراد علو ہے۔ اور واضح ہو کہ حضرت روح اللہ علیہ السلام میں یہ ہر دو امر باحسن وجہ پائے جاتے ہیں۔ خیر کثیر[2] مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو چنگا کرنے اور مردوں کو زندہ کرنے اور نزول مائدہ کی دعا کے قبول ہونے سے ظاہر ہے (قرآن مجید)

---

[1] اس آخری آیت میں اگر مَنْ سے مراد ذات حق سبحانہ ہو جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے تو برکت سے مراد علو ہو گا۔ اور اگر موسیٰ یا ملائکہ ہوں تو دوسرے معنے یعنی خیر کثیر مراد ہیں۔ اکمل صاحب اس پر کہتے ہیں کہ بُوْرِكَ مَنْ فِی النَّارِ کے آگے وَمَنْ حَوْلَهَا بھی آیا ہے مدارک میں لکھا ہے۔ وَمَنْ حَوْلَ مَكَانِهَا اَیْ مُوسٰی، تو کیا موسیٰ بھی آسمان پر چڑھے تھے (رشتہ) جواب: موسیٰ تو آسمان پر نہیں چڑھے لیکن آپ سمجھ نہیں سکے۔ اگلی سطروں میں صاف لکھا ہے کہ معنے ثانی یعنی علو بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ میں منحصر ہے ۱۲۔

[2] اکمل قادیانی مذاق علمی خصوصاً علم معقول سے کامل طور پر بے بہرہ ہیں ان معجزات پر فرماتے ہیں اگر خیر کثیر سے مراد کوڑھیوں کا ہی چنگا کرنا ہے تو آسمان پر کونسے مردوں کو زندہ کر رہے اور کونسے اندھوں کو آنکھیں دے رہے ہیں (رشتہ) جواب: بندۂ خدا! قضیہ مطلقہ میں اعتبار دوام کا ہوتا ہے جیسا کہ حواشی سابقہ میں گزر چکا۔ اور اس کا ثبوت بالفعل وفی الجملہ احد ازمنہ ثلثہ میں کافی ہوتا ہے نبی صادق عیسیٰ علیہ السلام تبلیغ رسالت کے وقت دلیل صداقت میں یہ امور واقعات کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اصدق القائلین اپنے کلام میں نقل کرتا ہے اور قیامت کے دن بھی ناقہ ثنہ کی صورت میں بطور امتنان حضرت عیسیٰؑ کو جتایا جائیگا۔ پس اس کے ثبوت میں کیا شک رہا۔ لیکن چونکہ مرزا صاحب قادیانی ان معجزات کے قائل نہیں تھے وہ انہیں مسمریزم اور عمل الترب جانتے تھے (ازالہ اوہام جلد اول)

Marfat.com

اور وہ برکات و خیرات جو آپ کے نزول پر ہونگی مثلاً دشمنی اور بغض اور حسد کا دُور ہوجانا اور مال کا کثرت سے ہوجانا اور لوگوں میں دنیا کی نسبت عاقبت کی طرف رغبت کا زیادہ ہونا اور پھلوں اور دودھ کا معمول سے بہت زیادہ ہوجانا اور شیر اور بکری کا امن سے باہم چرنا وغیرہ ذالک (صحیح مسلم و دیگر کتب حدیث)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۱) اس لئے آپ ان کی تصدیق نہیں کرسکتے وَمَنْ يَتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ اور سنیے جناب مرزا صاحب نے بھی ان معجزات عیسویہ سے بنا بر علم و تحقیق انکار نہیں کیا بلکہ ایک مشکل سے بچنے کے لئے حیلہ نکالا ہے۔ چنانچہ وہ اس کی سرخی اس مضمون کی باندھتے ہیں کہ مسیح بن مریمؑ نے مردوں کو زندہ کیا۔ کوڑھیوں کو چنگا کیا اس کے مقابلہ میں مثیل مسیح نے کیا کیا؟ (شروع ازالہ اوہام صفحہ ۳) پھر اس کے ضمن میں ان معجزات کا انکار کیا ہے۔ پس مرزا صاحب کا یہ انکار اس شعر کا مصداق ہے ؎

ناخن نداشت تاب وصالِ پری رخاں ۔ کنجے گرفت و خوف خدا را بہانہ ساخت۔

ہاں یہ بھی سن لیجئے کہ جناب مرزا صاحب ان معجزات کی نسبت یہ رائے بھی رکھتے تھے "اگر میں ان عملیات کو مکروہ و قابل نفرت نہ سمجھتا۔ تو ان اعجوبہ نمائیوں میں مسیح بن مریمؑ سے کم نہ رہتا (ازالہ صفحہ) پھر بھلا آپ ان معجزات کی حقیقت پر کس طرح ایمان رکھ سکتے ہیں ؎ ما مریداں روبسوئے کعبہ چوں آریم چوں ۔ رو بسوئے خانہ خمار دارد پیر ما ۱۲ (ت)

۵ گستاخی و بے ادبی کی روح خصوصاً حضرت عیسٰی علیہ السلام کے حق میں شوخی و بے ادبی کی روح تمام مرزائیوں میں حلول کئے ہوئے ہے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی ہتک و بے ادبی اگر مرزا صاحب کی غذا تھی تو مرزائیوں کا مایۂ حیات ہے۔ چنانچہ اکمل صاحب نہایت شوخی سے لکھتے ہیں "وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا میں آسمان کا رفع کس طرح ثابت ہو۔ جبکہ آپ ہی کے ہم خیالوں کی طرف سے آواز آرہی ہے۔ آپ عمر بھر میں نصاب کے مالک نہیں ہوئے۔ پس دنیاوی برکات کا حصہ مال و اولاد کے سوا اور کیا ہے اور یہاں تو اولاد تو درکنار خیر سے آپ کی عورت ہی کوئی نہ تھی۔ نہ صاحب نصاب نہ رہنے کو مکان " (صفحہ ۴۸)

جواب (۱) جناب عقل کے پیچھے لٹھ لیکر کیوں پڑے ہیں۔ بھلا رفع آسمانی کے انکار سے ان امور کا کیا تعلق؟ (۲) جناب والا ہمارے ہم خیال یہ امور اس طریق پر بیان نہیں کرتے یہ طریق قادیانیوں ہی کو مبارک ہو از خدا خواہیم توفیق ادب ۔ بے ادب محروم ماند از فضل رب ۔ اور جو اس طریق پر بیان کرے وہ ہمارا ہم خیال نہیں ہے۔ (۳) نبی صادق کے مناسب حال تقلیل یا ترک اہل و اولاد و زہد و درویشی ہے اکمل صاحب کو زہد و درویشی منجملہ معائب و نقائص کے نظر آتے ہیں کیونکہ ان کے نبی و رسول قادیان کے ہاں لذائذ کا استعمال کثرت سے تھا لیکن اہل اللہ کے لئے زہد و درویشی و فقر مناسب حال ہی نہیں بلکہ ان کو آں (باقی صفحہ ۲۱۳)

اور معنے علو آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ میں مصرح ہے وہ بھی آپ کو حاصل ہے پس جَعَلَنِيْ مُبَارَكًا اَيْنَمَا كُنْتُ احوال ثلثہ یعنی قبل رفع اور زمانہ رفع (عہد مرفوعیت) اور بعد نزول ہر سہ سے متعلق ہے اسی لئے اَيْنَمَا كُنْتُ فرمایا جس کا مفاد تسلسل ہے فافہم وتدبر۔

(بقیہ حواشی صفحہ ۲۱۲) کتاب فضائل میں بہت مدد ملتی ہے اور سلوک الی اللہ میں سہولتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اور وہ ماسوی اللہ کے شغل سے چھوٹے رہتے ہیں فتفکر فَاِنَّهٗ لَطِيْفٌ جِدًّا پس اگر یہ اسباب دنیا حضرت عیسےٰ کے پاس نہ تھے۔ تو اس میں آپ کی منقبت ہے۔ نہ کہ منقصت (۴) اہل اللہ اور انبیاء اللہ کے مبارک ہونے کی یہ صورت نہیں ہوتی کہ خود ان کے پاس حطام دنیوی کے انبار لگے رہیں، بلکہ ان کی برکت کا اثر لوگوں پر پڑتا ہے۔ اور بعض تفاسیر سے جو آپ نے مبارک کے معنے نَفَّاعًا لِلْخَيْرِ نقل کئے ہیں اس کے یہی معنے ہیں لیکن آپ اس کو سمجھتے نہیں۔ حدیث میں ہے خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَّنْفَعُ النَّاسَ (مشکوٰۃ) (۵) نفا ہے کے مالک تو آنحضرت صلعم بھی نہیں ہوئے۔ اب سنئیے کیا ارشاد ہے فرعون نے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہی طعن کیا تھا کہ وہ مالدار نہیں فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ (زخرف ۵ع) اور آنحضرت صلعم پر بھی مکہ کے مشرکوں نے یہی اعتراض کیا تھا (زخرف۔ فرقان۔ بنی اسرائیل۔ ہود) یہی حال چال قادیانیوں کی ہے اَتَوَاصَوْا بِهٖ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۱۲ سعادت لاکلام۔ (۶) اکمل صاحب بھی سمجھ میں خوب کامل ہیں جو کھانے سے بھی نہ بچے وہ اکمل کیوں بنے؟ آپ فرماتے ہیں: یہ لفظ برکت حضرت عیسیٰؑ ہی سے خاص نہیں دیکھو حضرت اسحٰقؑ اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے لئے وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ یعنی دونوں نبی مبارک تھے کیا یہ بھی آسمان پر اٹھائے گئے تھے؟ پھر فرماتے ہیں حضرت! یہ لفظ تو اکثر مقامات کے بارے میں بھی آیا ہے الارض الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا الخ (مسئلہ) جواب۔ ہاں حضرت! لفظ برکت حضرت عیسےٰؑ سے خاص نہیں بلکہ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ تو ان سے خاص ہے۔ آپ شہادۃ القرآن کے اس مقام کو مطلق نہیں سمجھے جناب! میں نے تو بالتصریح لکھ دیا تھا۔ کہ معنے ثانی یعنے علو آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں مصرح ہے۔ اس پر بھی آپ نہ سمجھیں تو کوئی کیا کرے علمی بات کریں۔ تو اور اگر بالتصریح کھول کر بیان کریں۔ تو، آپ کچھ سمجھتے ذہین نہیں پھر آپ کو سمجھائیں کس طرح؟ اچھا ایک دفعہ اور کوشش کرتے ہیں۔ شاید آپ سمجھ جائیں۔ سنیئے! شہادت القرآن کے اس مقام کا حل یوں ہے کہ برکت کے معنے ہیں خیر کثیر اور علو۔ یہ دونوں باتیں حضرت عیسیٰؑ کو حاصل تھیں خیر کثیر کی تفصیل میں قرآن و حدیث میں فلاں فلاں امور مذکور ہیں۔ اور علو کا ذکر آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں ہے گویا یہ سب مقامات قرآنیہ و حدیثیہ آیت جَعَلَنِيْ مُبَارَكًا کے اجمال کی تفصیل ہیں پس اس کی تفسیر قرآن و حدیث میں مذکور ہے اسکے بعد یہ پڑھ لیجئے۔ (باقی بر صفحہ ۲۱۴)

اس آیت کے ذیل میں رفع الی السماء کی تصریح تفسیر کبیر - اور تفسیر سراج منیر میں موجود ہے

دلیل کی دوسری قسم مثبتہ حیاتِ مسیح

دوسری قسم

دوسری قسم دلیل کی جس سے ہر سہ امور یعنی صعود الی السماء اور حیات الی الآن اور نزول فی آخرالزمان ثابت ہیں۔ احادیث مرفوعہ صحیحہ، صریحہ، ہیں جو بموجب آیات مندرجہ ذیل واجب القبول ہیں۔

(۱) وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ (شوریٰ پ ۲۵)

اور کوئی بشر اس لائق نہیں کہ خدا اس سے (بالمشافہ) ہمکلام ہو - مگر وحی کے طور پر (ہمکلام ہوتا ہے) یا از پس پردہ - یا وہ کوئی فرشتہ بھیجتا ہے جو اس کے حکم سے جو کچھ کہ وہ (خدا) چاہتا ہے وحی کرتا ہے بیشک وہ اللہ

اس آیت میں نبی برحق کے پاس فرشتے اور آواز غیبی کے سوا بھی وحی (پیغام الٰہی) پہنچنے کا ذکر ہے جو الہام قلبی کی صورت میں ہوتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کوئی امر جو اُسے بتانا منظور ہو نبی برحق کے دل پر القا کر دیتا ہے۔

(بقیہ حواشی صفحہ ۲۱۳) اور چونکہ یہ سب باتیں تین حالات میں پوری ہوتی ہیں۔ اور ان کے مواقع مختلف ہیں اس لئے اینما کنت جو مفید استغراق ہے فرمایا گیا۔ اب سنائیے اب بھی سمجھے یا نہیں؟ اگر اس پر بھی نہ تم سمجھے تو پھر تم سے خدا سمجھے اور چونکہ حضرت ابراہیم اور اسحٰق علیہما السلام کے لئے قرآن و حدیث میں علو کی یہ صورت مذکور نہیں اس لئے ان کی برکت کی بھی یہ صورت نہیں ہوگی۔ فافہم وتدبر بعلک ترشد ۱۲ سعادت الاقران -

لے ہمارے اکمل صاحب جس طرح بات کے نہ سمجھنے میں خوب کامل ہیں۔ اسی طرح نقصان مطالعہ میں بھی بہت کامل ہیں - اس آیت میں رفع الی السماء کے ذکر کی تصریح کے لئے تفسیر کبیر اور تفسیر سراج منیر کے نام لکھے ہیں - اس پر بھی اکمل صاحب فرماتے ہیں "برکت میں علو اور علو بھی جسمانی کا ثابت کرنا ایجاد بندہ سے کم نہیں۔ (ص ۲۱)

جواب - سبحان اللہ اس بے مائگی پر اکملیت کا دعویٰ!!!

ہمت کریں آرزو خدائی کی شان تیری ہے کبریائی کی

جناب والا - ہیں نے تو دو تفسیروں کے نام لکھدیئے تھے - پھر ایجاد بندہ کے الزام کے کیا معنے؟ ۱۲ - سعادت، منہ -

Marfat.com

(۲) وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى (النجم پ۲۷) اور یہ (ہمارا رسول) اپنی خواہش سے نہیں بولتا (امردین میں) جو کچھ بھی بولتا ہے۔
وہ (خدا کی) وحی ہوتی ہے۔ جو اس کی طرف کی جاتی ہے۔" (۵۳:۴)

اس آیت میں آنحضرت صلعم کے دینی نطق کو وحی کہا ہے۔

(۳) وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (حشر پ۲۸) اور جو کچھ تم کو ہمارا رسول دے۔ وہ لے لو اور جس سے روکے اس سے باز رہو۔ اور (اس کی مخالفت کی صورت میں) خدا سے
ڈرو بیشک اللہ سخت عذاب والا ہے (۵۹:۷)

اس آیت میں آنحضرت صلعم کی خلاف ورزی کو موجب عذاب گردانا ہے۔

(۴) ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ (القیمہ پ۲۹) پھر (تم کو اے ہمارے رسول) اس (قرآن) کا
بیان (تفسیر سمجھانا) بھی ہمارا ہی ذمہ ہے۔ (۷۵:۱۹)

اس آیت میں فرمایا کہ ہم اپنے رسول کو اپنے کلام کی تفسیر بھی خود ہی سمجھائیں گے۔

(۵) وَمَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ (نحل پ۱۴) (۱۶:۶۴) اور (اے پیغمبر) ہم نے (خاص) تم پر (یہ) کتاب صرف اس لئے نازل کی ہے۔ کہ تم دیگر لوگوں کو وہ باتیں واضح کرکے سمجھا دو۔
جن میں انہوں نے اختلاف کیا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا۔ کہ اختلاف کے وقت حق اس طرف ہوگا جس طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان ہوگا۔

(۶) وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (نحل پ۱۴) (۱۶:۴۴) اور (اے پیغمبر) ہم نے تمہاری طرف نصیحت نامہ اس لئے نازل کیا ہے۔ کہ تم لوگوں کو وہ (حکم) جو ان کے لئے اتارا گیا خوب واضح کرکے
سمجھا دو۔

اس آیت سے ثابت ہوا۔ کہ حدیث نبوی آیت قرآنی کی تفسیر ہوتی ہے اور مُراد

Marfat.com

الٰہی کی مبیّن - پس اگر کوئی شخص کسی آیت قرآنی کی ایسی تفسیر کرے - جو کسی حدیث نبوی کے خلاف ہو تو اس کی وہ تفسیر غلط اور نا قابل اعتبار ہوگی -

پس ان آیات کے رُو سے احادیث ذیل میں اس امر کا فیصلہ ہے کہ نازل ہونے والا مسیح وہ ہے جو ابن مریم رسول اللہ ہے - جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے - اور کہ وہ آسمان سے نازل ہوگا - اور نزول کے کئی سال بعد فوت ہوگا اور مدینہ طیبہ داخل حجرہ نبویہ علیٰ صاحبہا السلام والتحیہ مدفون ہوگا -

حدیث اوّل

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفسی بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکماً عدلاً فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الحرب ویفیض المال حتی لا یقبلہ احد حتی تکون السجدۃ الواحدۃ خیراً من الدنیا وما فیھا ثم یقول ابو ھریرۃ واقرءوا ان شئتم وان من اھل الکتاب الا لیومنن بہ قبل موتہ ویوم القیٰمۃ یکون علیھم شھیداً (صحیح بخاری باب نزول عیسیٰ)

ابو ہریرہ رض سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم عنقریب ابن مریم (علیہ السلام) تم میں اُتریں گے حاکم عادل ہو کر پھر وہ (عیسائیوں کے معبود) صلیب کو توڑ دیں گے - اور خنزیر کو قتل کرا دیں گے اور (بوجہ غلبہ اسلام) جہاد موقوف کر دیں گے - اور مال اتنا فراواں ہو جائیگا کہ کوئی شخص قبول نہ کریگا - یہاں تک کہ ایک سجدہ ساری دنیا کی نعمتوں سے بہتر ہوگا - پھر ابو ہریرہ رض نے کہا - تم اس کی تصدیق چاہتے ہو تو پڑھ لو یہ آیت کہ "ہر ایک اہل کتاب حضرت عیسٰے کے مرنے سے پہلے ان پر ایمان لائیگا اور دن قیامت کے ان پر گواہ ہوگا"

اس حدیث اور اس کے بعد کی احادیث کا جس قدر تعلق مسئلہ نزول مسیح سے ہے اُسے ہم کسی اور رسالہ کے لئے چھوڑتے ہیں - یہاں پر صرف حیات و رفع سماوی کا اثبات مقصود ہے - اس لئے صرف انہی کا ذکر کیا جاتا ہے -

واضح ہو کہ حضرت ابو ہریرہ رض نے جو اس حدیث کی تصدیق میں یہ آیت پڑھی

Marfat.com

اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ حضرت ابوہریرہ رضؓ کے نزدیک اس حدیث میں اس مسیح کے نزول کی خبر ہے۔ جس کا ذکر آیت وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ الخ میں ہے اور یہ مسلّم فریقین ہے۔ کہ اس آیت میں حضرت عیسےٰ بن مریم نبی اللہ علیہ السلام کا ذکر ہے۔ پس اس حدیث میں بھی اُسی عیسیٰ بن مریم نبی اللہ علیہ السلام کے نازل ہونے کی خبر ثابت ہوئی۔ اور چونکہ زمانِ قبل النزول میں حیات ضروری ہے، اس لئے ثابت ہوگیا کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام اس وقت تک زندہ ہیں۔ وھذا ھو المقصود۔

دیگر یہ کہ حضرت ابوہریرہ رضؓ کے نزدیک اس آیت میں قَبۡلَ مَوۡتِهٖ کی ضمیر حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے لئے ہے۔ چنانچہ امام نوویؒ شرح صحیح مسلم میں اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں۔

نفیہ دلالۃ ظاہرۃ علیٰ مذھب ابی ھریرۃ فی الآیۃ ان الضمیر فی موتہ یعود علی عیسٰی علیہ السلام (ص ۸۷ جلد اوّل باب نزول عیسےٰ)	اس میں حضرت ابوہریرہؓ کے مذہب کی صریح دلیل ہے کہ اس آیت میں مَوۡتِهٖ کی ضمیر عیسےٰ علیہ السلام کی طرف جاتی ہے۔

اسی طرح حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں :۔

وھذا مصیر من ابی ھریرۃ الی ان الضمیر فی قولہ لیؤمنن بہ وکذٰلک فی قولہ قبل موتہ یعود علی عیسٰی ای لیومنن بعیسٰی قبل موت عیسٰی وبھذا جزم ابن عباس فیما رواہ ابن جریر من طریق سعید بن جبیر عنہ باسناد صحیح ومن طریق ابی رجاء عن الحسن قال قبل موت عیسٰی واللہ انہ الآن لحیّ ولکن اذا نزل امنوا بہ اجمعون (فتح الباری مطبوعہ دھلی جزء ۱۲ ص ۳۵۸)	(اس سے ظاہر ہے کہ) حضرت ابوہریرہؓ کا مذہب یہ ہے کہ قول الٰہی لیومنن بہ میں اور اسی طرح قول الٰہی قبل موتہ میں ضمیر (کا) حضرت عیسیٰؑ کی طرف پھرتی ہے۔ پس معنی اس آیت کے یہ ہوئے کہ (سب اہل کتاب) حضرت عیسیٰؑ پر حضرت عیسیٰؑ کی موت سے پیشتر ایمان لے آئیں گے اور اسی بات پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جزم کیا ہے مطابق اس کے جو امام ابن جریر نے آپ سے بطریق سعید بن جبیر باسناد صحیح روایت کیا ہے اور نیز بطریق ابی رجاء حضرت حسن بصری سے روایت کیا کہ انہوں

Marfat.com

نے (اس کے متعلق) کہا کہ حضرت عیسٰیؑ کی موت سے پہلے (ایمان لے آئینگے) خدا کی قسم آپ اس وقت بالضرور زندہ ہیں۔ جب آپ نازل ہونگے تو سب (اہل کتاب) آپ پر ایمان لے آئیں گے۔"

چونکہ حضرت ابو ہریرہ رضؓ اِقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ جمع کے صیغوں سے کہتے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ مجمع عام میں پکار کر یہ آیت پڑھا کرتے تھے اور کسی روایت میں مذکور نہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ کے سامنے کسی نے بھی انکار کیا ہو۔ اس لئے سب جماعت صحابہ و تابعین کا یہی مذہب سمجھا جائے گا۔ کہ یہ ضمیر حضرت عیسٰیؑ کی طرف پھرتی ہے اور کہ وہ زندہ ہیں اور زمانۂ اخیر میں نازل ہونگے۔ اور یہ بھی اجماع سکوتی کی ایک صورت ہے۔

(۲) اگرچہ حضرت ابو ہریرہؓ کے اس آیت کے پڑھنے سے صاف کھل جاتا ہے[1] کہ اس حدیث میں جس مسیح کے آنے کی خبر دی گئی ہے وہ وہی مسیح ہے جس کا ذکر اس آیت وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ الخ میں ہے۔ لیکن ہم اس کے علاوہ ایک اور حدیث بھی ذکر کرتے ہیں۔ جس سے علاوہ حیات مسیح کے ثبوت کے یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔ کہ آنیوالا مسیح وہی نبی اللہ ہے جو عیسٰی بن مریمؑ ہے۔ نہ کہ ان کا کوئی مثیل

دوسری حدیث

(۲) عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال لیس بینی وبینه یعنی عیسٰی علیه السلام نبی وانه نازل فاذا رأیتموه فاعرفوه رجل مربوع الی الحمرة والبیاض بین ممصّرتین کان راسه یقطر وان لم یصبه بلل فیقاتل الناس علی الاسلام فیدق الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الجزیة ویهلك الله فی زمانه الملل کلها الا الاسلام ویهلك المسیح الدجال فیمکث فی الارض

حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میرے اور عیسٰیؑ کے درمیان کوئی نبی نہیں اور تحقیق وہی اترنے والے ہیں۔ پس جب تم ان کو دیکھو تو (یوں) پہچان لینا کہ ان کا چہرہ سرخی سفیدی لئے ہوگا۔ درمیان دو رنگدار چادر دل کے (ان کا سر چمکتا) قطرے گرتا معلوم ہوگا اگرچہ اسے تری نہ پہنچی ہو۔ پھر وہ یہ کام کرینگے کہ اسلام کی حمایت میں (دیگر) لوگوں سے قتال کرینگے۔ پس صلیب پاش پاش کر دینگے۔ اور خنزیروں کو قتل کروا دینگے اور جزیہ موقوف کر دیں گے اور اللہ تعالےٰ ان کے زمانہ میں

[1] حضرت ابو ہریرہؓ نے نزول عیسٰیؑ کے متعلق جو یہ آیت پڑھی اس کی مزید تشریح شہادت القرآن حصہ دوم میں دیکھو۔ منہ

Marfat.com

اربعین سنة ثم یتوفی فیصلی علیه المسلمون (ابوداؤد جلد ۲ ص۲۳۸)

اسلام کے سوا سب مذاہب (باطلہ) کو تباہ کردیگا اور آپ (کانے) دجال کو قتل کرینگے۔ پھر چالیس سال تک زمین پر (باحکومت) رہیں گے۔ پھر **فوت ہونگے** اور مسلمان ان کا جنازہ پڑھیں گے"۔

اس حدیث سے بھی صاف ظاہر ہے۔ کہ آنیوالا مسیحؑ وہی نبی اللہ ہے جس کے بعد آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نبی ہوئے ہیں۔ اور یہ بھی مصرّح ہے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام نازل ہونے کے بعد فوت ہوں گے۔

فائدہ۔ یہ حدیث مسند امام احمدؒ میں بھی موجود ہے۔ اور اس کے سب راوی ثقہ اور مقبول ہیں۔ اور حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس کی اسناد کو صحیح لکھا ہے۔

(۳) عن عبدالله بن عمرو (بن العاص) قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ینزل عیسی بن مریم الی الارض فیتزوج ویولد له ویمکث خمسا واربعین سنة ثم یموت فیدفن معی فی قبری فاقوم انا وعیسی بن مریم فی قبر واحد بین ابی بکر وعمر (رواه ابن الجوزی فی کتاب الوفاء) (مشکوٰة باب نزول عیسی بن مریم ص۴۸۰)

"عمرو بن عاصؓ (فاتح مصر) کے بیٹے عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ کہ عیسٰی بن مریمؑ زمین پر اُتریں گے۔ پس نکاح کریں گے اور ان کی اولاد ہوگی۔ اور پینتالیس سال تک رہینگے۔ پھر **فوت** ہونگے اور میرے پاس میرے مقبرےلہ میں دفن ہونگے پھر میں اور عیسٰی بن مریمؑ ایک ہی مقبرے سے اٹھینگے۔ ابوبکرؓ اور عمرؓ کے درمیان سے"۔

اس حدیث میں بھی صاف طور پر مذکور ہے۔ کہ حضرت عیسٰےؑ زمین پر نازل ہونے کے بعد فوت ہوں گے۔ اور آنحضرتؐ صلعم کے روضہ اطہر میں مدفون ہوں گے۔

لہ اس حدیث میں میعاد پینتالیس سال اور حدیث نمبر۲ میں چالیس اور بعض دیگر میں ان سے کم مذکور ہے۔ اس خلاف کی وجہ اختلاف لحاظات و اضافات ہے۔ حضرت عیسٰےؑ کے نزول پر بہت سے واقعات عظیمہ واقع ہوں گے۔ پس کسی واقعہ کے بعد مدت کتنی ہوگی۔ اور کسی کے بعد کتنی ہے، هذا دقیق فخذ به۔ سعادت مند۔ (بقیہ حاشی صفحہ آئندہ پر دیکھیں۔)

Marfat.com

نکتہ علاوہ بریں اس حدیث[لے] میں ایک نہایت لطیف نکتہ بھی ہے - جس سے بلا ریب ثابت ہو جاتا ہے - کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام ابھی تک فوت نہیں ہوئے۔

(بقیہ حواشی متعلقہ صفحہ ۲۱۹ - ۵۲) اس جگہ قبر بمعنے مقبرہ ہے - یعنی مصدر بمعنی اسم ظرف - (مرقاۃ - اشعۃ اللمعات) اور مصدر کا اپنے مشتقات کے معنوں میں آنا مسلّم کل ہے جیسے" زیدٌ عدلٌ" اور قاموس میں نہر کے معنے لکھے ہیں - مجری الماء (یعنی پانی کے جاری ہونے کی جگہ - یعنی مصدر بمعنی اسم ظرف ہے -

۵۳ روضہ اطہر میں قبور ثلثہ (آنحضرت صلعم کی اور حضرت ابوبکرؓ کی اور عمرؓ کی قبروں کے درمیان ایک قبر کی جگہ خالی پڑی ہے اور مشکوٰۃ شریف میں حضرت ابو مودود مدنی تابعی سے مروی ہے کہ روضۂ اطہر میں ایک قبر کی جگہ باقی پڑی ہے (جہاں حضرت عیسیٰؑ دفن ہوں گے - ۱۲ سعادت منہ -

۵۴ حضرت عیسیٰؑ کی قبر کے متعلق ہمارا ایک رسالہ الخبر الصحیح عن قبر المسیح مدت سے شائع ہے - ۱۲ منہ -

---

حاشیہ نمبر ا متعلقہ صفحہ ہذا[لے] تصحیح حدیث :- اس حدیث کی صحت پر مرزا صاحب قادیانی کے بھی دستخط ہیں - وہ اس طرح کہ مرزا صاحب نے کہیں دیکھ لیا یا سن لیا - کہ اس حدیث میں حضرت عیسےؑ کے نکاح اور ان کے ہاں اولاد ہونے کا بھی ذکر ہے - ادھر مرزا صاحب نے محمدی بیگم . . . . . . کے متعلق الہام شائع کر رکھا تھا - کہ یہ میرے نکاح میں آئے گی - جس کے انتظار میں دن رات باچشم گریاں و دل بریاں گذرتے تھے - اور تحصیل مطلب کے لئے کئی قسم کے اندرونی اور بیرونی ڈورے بھی ڈال رکھے تھے - آپ موقع شناس تو تھے ہی، جھٹ لکھ مارا کہ اس پیشگوئی یا نکاح کی تصدیق خود آنحضرت صلعم نے بھی کردی ہوئی ہے - اور اس نکاح کو مسیح موعودؑ کی صداقت کی علامت قرار دیا (حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم ص۵۳ و شہادت القرآن - ہر دو مصنفہ مرزا صاحب قادیانی) اگرچہ زندگی بھر مرزا صاحب کی یہ آرزو بر نہ آئی - اور محمدی بیگم کا نکاح مرزا صاحب کی وفات سے سالہا پیشتر دوسرے شخص سے ہو گیا - جسے مرزا صاحب نے اپنے حق میں "ایک تدارک" قرار دیا - لیکن اس پیشگوئی سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ مرزا صاحب نے اس حدیث کی صحت پر مہر لگادی - کیونکہ

(باقی حاشیہ ص۲۲۱ پر)

Marfat.com

وہ یہ کہ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فَیُدْفَنُ مَعِی یعنی حضرت ابن مریمؑ فوت ہونے کے بعد میرے پاس (میرے پہلو میں) دفن کئے جائینگے۔ اس سے صاف معلوم ہوگیا۔ کہ حضرت عیسیٰؑ کی وفات آنحضرت صلعم کی وفات سے متاخر ہوگی کیونکہ مقام لحوق پر ملحق یا لاحق ملحق بہ سے متاخر ہوتا ہے۔ یعنی پیچھے سے ملنے والا پہلے سے مؤخر ہوتا ہے۔ پس جب زمانہ نبی کریم صلعم تک حضرت عیسےٰؑ کی وفات واقع نہیں ہوئی۔ اور آپؐ کے بعد بھی ابھی تک نہیں ہوئی تو اب ہم اس حدیث کے برخلاف کس کے کہنے سے مان لیں کہ وہ (مسیح) آنحضرت صلعم سے پہلے فوت ہوچکے ہیں۔ تَشَکَّرْ وَخُذْ بِہٖ فَاِنَّہٗ لَطِیْفٌ جِدًّا۔

(۴) عن ابی ھریرۃ انہ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْیَمَ مِنَ السَّمَآءِ فِیْکُمْ وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ (کتاب الاسماء والصفات للامام البیہقی ص ۲۰۳)	"حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کیسے (اچھے حال میں) ہوگے جب تم میں عیسےٰ بن مریمؑ آسمان سے اتریں گے اور اس وقت تمہارا امام (سلطان وقت) تم ہی میں سے ایک ہوگا۔"

اس حدیث میں آسمان سے نازل ہونے کی تصریح خود آنحضرت صلعم کے الفاظ طیبہ میں موجود ہے۔

(۵) عن ابن عباسؓ فی حدیثٍ طویلٍ فَعِنْدَ ذَالِکَ یَنْزِلُ اَخِیْ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ مِنَ السَّمَآءِ مختصر	ایک لمبی حدیث میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب یہ باتیں واقع ہونگی تو اس وقت میرا بھائی عیسیٰ

بقیہ حاشیہ متعلقہ صفحہ ۲۲۰ - مرزا صاحب نے اس حدیث کو اپنی پیشگوئی کی تصدیق کے لئے بطور دلیل گذارا ۔ اور استدلال مقام احتجاج میں وہ دلیل پیش کیا کرتا ہے ۔ جو اس کے نزدیک صحیح ہو پس یہ حدیث مرزا صاحب کے نزدیک صحیح ٹھہری ۔ اس لئے مولوی غلام رسول صاحب آف راجیکے مبلغ قادیانی نے اپنی کتاب "تنقید" میں اگرچہ اس حدیث کی تاویلات فاسدہ سے زمین و آسمان کے قلابے ملانے چاہے ہیں لیکن اس کی صحت کو کان دبا کر تسلیم کر گئے ۔ فَتَشَکَّرْ ۔ سعادت منہ ۔

Marfat.com

کنز العمال برحاشیہ مسند احمد

بن مریم آسمان سے نازل ہوگا"

اس حدیث میں بھی آسمان [1] سے نازل ہونے کی صراحت ہے۔

---

[1] بہت افسوس ہے کہ اکمل صاحب قادیانی کا ان احادیث پر آکر بالکل دم ٹوٹ گیا۔ اور ان کے متعلق غلط یا صحیح "روایتہً" یا "درایتہً" کوئی بھی اعتراض نہ لکھ سکے۔ اس نیم تسلیم پر ہم ان کو مبارک باد کہتے ہیں۔ لیکن زیادہ تعجب وافسوس کے قابل مرزا صاحب کی دلیری ہے کہ بلا دیکھے بھالے اور علم حدیث پڑھے بغیر اپنی کتاب "چشمہ معرفت" میں نہایت بے خوف ہو کر لکھتے ہیں کہ کسی ضعیف حدیث میں بھی مذکور نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام **آسمان** سے نازل ہوں گے۔ ملخصاً)

مولوی غلام رسول صاحب قادیانی کی جرأت قابلِ ستائش ہے کہ اصالۃً تو اس حدیث نمبر۷ کا انکار نہیں کر سکے۔ لیکن اس کو صحیح ماننے سے انکار کر دیا۔ حالانکہ بحیثیت ایک احمدی (امتِ مرزا غلام احمد قادیانی) ہونے کے مرزا صاحب کی تحریر کے خلاف وہ صحت کا مطالبہ نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ مرزا صاحب سلب کلی کر رہے ہیں۔ یعنی صحیح وضعیف ہر طرح کی ایسی حدیث سے انکار کر رہے ہیں جن میں حضرت عیسیٰؑ کا آسمان سے اُترنا مذکور ہو۔ اور مولوی غلام رسول صاحب ان کے برخلاف سلب جزئی کرتے ہیں جس سے طرفِ مقابل میں ایجاب جزئی بھی پایا جاتا ہے۔ یعنی صرف صحیح حدیث میں وارد ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ اور ضعیف حدیث کا انکار نہیں کرتے۔ لیکن حدیث نمبر۷ جو امام بیہقی کی روایت سے ہے۔ وہ ایسی ہے۔ جس میں مولوی غلام رسول صاحب کا بھی مطالبہ پورا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ بالکل صحیح ہے۔ کیونکہ امام بیہقیؒ نے اسے بطریق امام بخاریؒ روایت کیا ہے۔ اور امام بخاریؒ سے اوپر وہی راوی ہیں جو صحیح بخاری میں ہیں۔ مولوی غلام رسول صاحب اس حدیث کی صحت میں یہ عذر کرتے ہیں کہ امام بیہقیؒ نے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد لکھا ہے "رواہ البخاری" حالانکہ صحیح بخاری کے کسی نسخہ میں من السماء کے الفاظ موجود نہیں ہیں۔

[2] سو اس کا جواب یہ ہے کہ مولوی غلام رسول صاحب نے علم حدیث کسی (بقیہ حاشیہ ص۲۲۳)

تیسری قسم:۔ دلیل کی اجماعِ اُمت ہے۔ ذیل کی آیت اور حدیث میں اس کی شہادت ہے۔

---

۵۷ قاضی اکمل صاحب قادیانی کمال درجہ کے دلیر ہیں، لکھتے ہیں۔

"ہم اجماعِ امت کے قائل ہیں۔ چنانچہ صحابہ کرام نے سب سے پہلے وفاتِ مسیح پر ہی اجماع کیا تھا" (صفحہ ۹)

الجواب:۔ یہ محض کذب و افترا ہے۔ ایک صحابی سے بھی وفاتِ مسیح قبل النزول منقول نہیں۔ اس کی کچھ حقیقت سابقاً اس حصہ شہادت القرآن میں اور کچھ حصہ دوم میں آیت قد خلت من قبلہ الرسل (آل عمران پ ۴) کے ضمن میں مذکور ہو چکی ہے۔ ۱۲ منہ۔ سعادت للاقران۔

بقیہ حاشیہ متعلقہ صفحہ ۲۲۲۔ ماہر اُستادِ حدیث سے نہیں پڑھا۔ اور یہ بات ہم ان کی خدمت میں بارہا مناظروں میں عرض کر چکے ہیں۔ حقیقت الامر یہ ہے کہ امام بیہقیؒ نے اس حدیث کو بالاستقلال اپنی روایت سے ذکر کیا ہے۔ اور وہ فنِ روایت کے مستقل صاحبِ روایت ہیں۔ امام بخاریؒ تک پہنچکر اوپر کے سب شیوخ وہی ہیں۔ جو امام بخاریؒ کے ہیں۔ گو امام بخاریؒ کی روایت میں من السماء کے الفاظ نہ ہوں۔ لیکن امام بیہقیؒ کی روایت میں موجود ہیں۔ اور محدثین کے نزدیک حافظ و ثقہ راوی کی زیادت مسلّم و مقبول ہے۔ (کتب اصول حدیث) چونکہ امام بیہقیؒ کے سب شیوخ ضابط و ثقہ ہیں۔ اس لئے ان کی من السماء کی تصریح جو بخاری سے زائد ہے۔ وہ مقبول و مسلّم ہوگی۔

اور امام بخاریؒ کی طرف اس روایت کو اس لئے منسوب کیا۔ کہ اصل اس کی صحیح بخاری میں بھی ہے۔ اور امام بخاریؒ کے بعد کے محدثین کا دستور رہا ہے کہ وہ کسی ایسی روایت کی توثیق و تصحیح کے لئے جس کا اصل مضمون صحیح بخاری میں موجود ہو کہہ دیا کرتے ہیں اصلہ فی البخاری۔ یا اسی طرح کے اور الفاظ۔ اگرچہ الفاظ میں کمی بیشی ہو۔

دیگر یہ کہ بعض وقت احادیث میں تطابق معنوی طور پر دیا جاتا ہے۔ اور مضمون مشترک کے لحاظ سے حوالہ کسی ایک کتاب کا دیدیا جاتا ہے۔ حالانکہ الفاظ میں کمی بیشی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۴ پر)

Marfat.com

قال الله تعالیٰ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران پ ۴) "تم بہترین اُمت ہو جو لوگوں کے لئے (نمونہ) بنائے گئے ہو" (۳ : ۱۰۹)

وقال النبی صلعم لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَۃِ (مشکوٰۃ) "میری اُمت گمراہی پر اجماع نہیں کرے گی یعنی جس امر پر میری اُمت کا اجماع ہوگا وہ امر ضلالت نہیں ہوگا"

حجیت اجماع کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ اجماعی امر قرآن و حدیث سے ثابت ہو

چنانچہ حضرت حجۃ الہند حجۃ اللہ میں فرماتے ہیں :۔

فانھم اتفقوا علی القول بالاجماع الذی مستندہ الکتاب والسنۃ او الاستنباط من احدھما (ج ۱ ص ۱۲ مطبوعہ مصر) علماء (اہلسنت) کا اس اجماع پر اتفاق ہے جس کی سند اصالۃً قرآن و حدیث میں موجود ہو۔ یا ان دونوں میں سے کسی ایک سے مستنبط ہو۔

(بقیہ حاشیہ از صفحہ ۲۲۳) یا تقدم و تاخر ہوتا ہے۔ اگر مولوی غلام رسول صاحب کتاب مشکوٰۃ المصابیح بھی کسی ماہر محدث سے پڑھتے تو اس کی قریباً ہر فصل اول میں ان کو کئی ایک احادیث ایسی ملتیں جن میں حوالہ متفق علیہ کا ہے۔ لیکن الفاظ ان میں سے ایک کے ہیں۔ اسی طرح الفاظ "کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْیَمَ فِیْکُمْ" جو صحیح بخاری میں ہیں اور الفاظ "کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْیَمَ مِنَ السَّمَاءِ فِیْکُمْ" جو امام بیہقیؒ کے ہیں۔ ان میں از روے معنے کوئی فرق نہیں۔ اور مضمون مشترک دونوں میں ایک ہی ہے ورنہ جائیے خاتمۃ الحفاظ حضرت حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں باب نزول عیسیٰ بن مریمؑ کی شرح میں وہ حدیث جو ہم نے متن میں نمبر ۵ پر بروایت امام ابوداؤدؒ لکھی ہے، بروایت احمد وابی داؤد نقل کرتے ہیں، اور حدیث کو جن الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔ وہ الفاظ امام احمدؒ کی روایت میں موجود ہیں، اور ابوداؤد کی روایت میں پورے نہیں ہیں۔

امام احمدؒ کی روایت میں مضمون زیادہ ہے۔ اور امام ابوداؤدؒ کی روایت میں مختصر ہے لیکن حافظ صاحبؒ حوالہ دونوں کتابوں کا دیتے ہیں۔ اسی طرح امام بیہقیؒ کی روایت میں الفاظ زیادہ ہیں۔ اور امام بخاریؒ کی روایت مختصر ہے۔ پس امام بیہقیؒ نے اصل مضمون کے لحاظ سے اپنی روایت کے بعد امام بخاریؒ کی روایت کا بھی حوالہ دیدیا کہ اس کی تصحیح (بقیہ حاشیہ ص ۲۲۵)

ہم سابقاً نہایت تفصیل سے آیات قرآنیہ اور احادیث مرفوعہ سے ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام آسمان پر زندہ اُٹھائے گئے ۔ اور آپ قرب قیامت میں آسمان سے نازل ہوں گے ۔ اور چونکہ جمیع صحابہؓ اور جمیع ائمہ اہلبیتؑ اور جمیع ائمہ اہلسنتؒ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے **نزولِ عیسٰی** کے قائل ہیں ۔ اور کوئی بھی ان میں کا **نزولِ مثالی و بروزی** کا قائل نہیں ۔ اس لئے یہ عقیدہ قطعاً حق اور پسندیدہ خدا و رسولؐ

حاشیہ بقیہ از صفحہ ۲۲۴ : وثوق میں کسی جاننے والے کو کلام نہ رہے ۔ اور اگر کوئی محدثین کے طریق روایت کو نہ جانتا ہو ۔ اور وہ انکار کرے تو بلاسے ؎ فخذ بہ وتشکر ولا تکن من القاصرین ۔ سعادت منہ ۔

ف (حاشیہ متعلقہ صفحہ ہذا) مولوی محمد علی صاحب لاہوری احمدی اپنی کتاب "عیسویت کا آخری سہارا" میں سلسلہ ذکر میں فرماتے ہیں ۔

"مجمع البحار میں لفظ حکم کی بحث میں نقل کیا ہے ۔ قال مالک مات یعنی حضرت امام مالکؒ قائل تھے ۔ کہ حضرت عیسٰیؑ مر گئے ۔ اور بہت سے لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ تھوڑی دیر کے لئے حضرت عیسٰی علیہ السلام وفات پا گئے تھے ۔ مثلاً ایک قول ہے ۔ کہ تین گھنٹے آپ مرے رہے ۔ اور ایک قول ہے ۔ کہ تین دن تک مرے رہے اور یہ سب اقوال تفاسیر میں موجود ہیں ۔" (ص۹)

الجواب ۔ ہم مولوی محمد علی صاحب کی زحمت ورق گردانی کی قدر کرتے ہیں ۔ لیکن چونکہ وہ علوم عربیہ سے ناواقف ہیں ۔ اور تقلید مرزا کی آفت اُن پر سوار ہے ۔ اس لئے وہ صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچ سکے ۔ سچ ہے " نکتہ داں نشود کرم گر کتاب خورد ۔" اس تحریر میں جو انہوں نے تفاسیر کے حوالے سے لکھی ہے ۔ کئی ایک دھوکے دئے یا بوجہ کم علمی کے کھائے ۔ سو پہلے ہم ان اقوال کی حقیقت واضح کرتے ہیں ۔ اس کے بعد امام مالکؒ کے قول کی حقیقت سمجھنی آسان ہو جائیگی ۔

قولہ " بہت سے لوگ الخ ۔ اقول :۔ یہ محض دھوکا ہے ۔ ان " بہت سے " لوگوں میں دس بیس کے نام تو گنائے ہوتے ۔ (۲) **قولہ** " ایک قول ہے کہ تین گھنٹے الخ " اور بر صفحہ دیگر

Marfat.com

ہے اور اس میں کسی طرح کی گمراہی کا شائبہ نہیں ۔ چنانچہ تفسیر وجیز میں ہے ۔

وَالْاِجْمَاعُ عَلٰی اَنَّہٗ حَیٌّ فِی السَّمَآءِ یَنْزِلُ وَیَقْتُلُ الدَّجَّالَ وَیُؤَیِّدُ الدِّیْنَ رحاشیہ جامع البیان متعلق آیت یٰعیسیٰ انی متوفیک الخ

اس بات پر اجماع ہے کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان پر زندہ ہیں جو نازل ہوں گے ۔ اور دجال کو قتل کریں گے اور دین (اسلام) کی مدد کریں گے ۔"

اور حضرت نواب صاحب مرحوم امام شوکانیؒ سے نقل کرکے لکھتے ہیں :-

---

حاشیہ بقیہ از صفحہ ۲۲۵: **اقول** : اوّل تو یہ کہ اس روایت کے راویوں میں سے ایک راوی کا نام معلوم نہیں (ابن جریر) پس یہ روایت درجۂ صحت سے گر گئی ۔ ثانیاً یہ کہ اس کے اخیر میں یہ بھی مذکور ہے ثُمَّ اَحْیَاہُ ثُمَّ رَفَعَہٗ اِلَیْہِ (خازن ومعالم) یعنی پھر خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو زندہ کیا ۔ پھر اپنی طرف اُوپر اٹھالیا ۔ مولوی صاحب نے یہ عبارت نقل کیوں نہیں کی؟ اس لئے "کہ یہ اپنے مطلب کے خلاف ہے ۔ ۱۲ **قولہ** "ایک قول ہے کہ سات گھنٹے الخ"

اقول : اس روایت کے نقل کرنے میں تو مولوی محمد علی صاحب نے یہودیوں کے بھی کان کتر دیئے ۔ اور ثنائی المرزا کا پورا ثبوت دیدیا ۔ کیونکہ تفاسیر میں تو صاف لکھا ہے کہ یہ قول نصاریٰ کا ہے ۔ پس اس نسبت کو چھوڑ دینا اور کسی مسلمان امام کا قول جتانا سخت دھوکا ہے جو کسی مومن کا کام نہیں ۔ **دوم** یہ کہ اس کے آگے بھی صاف لکھا ہے ثُمَّ اَحْیَاہُ وَرَفَعَہٗ اِلَیْہِ (خازن ومعالم) یعنی پھر خدا نے آپ کو زندہ کیا اور اپنی طرف اُوپر کو اٹھالیا ۔"

اس تفصیل سے صاف معلوم ہوگیا ۔ کہ ائمہ اہلسنت کی طرف یہ نسبت کرنا کہ حضرت عیسیٰؑ فوت ہوچکے ہیں ضعیف ہے ۔ اور اس میں بھی زندہ آسمان پر اٹھائے جانے کا ذکر ہے ۔ جو مرزا صاحب اور ان کی اُمت کے دعوے اور عقیدے کے بالکل خلاف ہے ۔ کیونکہ جب تک ائمہ اہلسنت سے نزولِ عیسیٰ کا انکار ثابت نہ ہو ۔ تب تک مرزا صاحب کو ان روایتوں سے کچھ بھی فائدہ نہیں ۔ یہی حال امام مالکؒ کی طرف منسوب کرنے کا ہے ۔ کہ اس کی کوئی سند نہیں ۔ وَمَنِ ادَّعٰی فَعَلَیْہِ الْاِتْیَانُ بِہٖ ۔ اور نہ اُن سے نزولِ عیسیٰ کا انکار مروی ہے ۔ اسی طرح علمائے مالکیہ سے بھی کوئی بھی حیات سماوی اور نزولِ عیسیٰ کا منکر نہیں ۔ ۱۲ سعادت ۔ منہ ۔

فهذه تسعة وعشرون حديثا تنضم اليها احاديث اخر كثيرة في نزول عيسى منها ما هو مذكور في احاديث الدجال ومنها ما هو مذكور في احاديث المنتظر وتنضم الى ذلك ايضا الآثار الواردة عن الصحابة فلها حكم الرفع اذ لا مجال للاجتهاد في ذلك ـــــ وجميع ما سقناه بالغ حد التواتر كما لا يخفى على من له فضل اطلاع فتقرر بجميع ما سقناه في هذا ان الاحاديث الواردة في المهدي المنتظر متواترة والاحاديث الواردة في الدجال متواترة والاحاديث الواردة في نزول عيسى متواترة وفي هذا المقدار كفاية لمن له هداية (حجج الکرامہ ص۴۳۲)

"پس یہ اُنتیس ۲۹ حدیثیں ہیں۔ جن کے ساتھ دیگر حدیثیں بھی جن میں نزولِ عیسیٰؑ کا ذکر ہے ملائی جاسکتی ہیں ان میں سے بعض احادیث دجال میں اور بعض احادیث مہدی منتظر میں مذکور ہیں اور اسی طرح وہ آثار بھی ضم کئے جا سکتے ہیں جو صحابہؓ سے مروی ہیں وہ بھی حکماً مرفوع ہیں۔ کیونکہ اس امر میں اجتہاد کا دخل نہیں (بلکہ یہ صرف آنحضرت صلعم سے سننے پر موقوف ہے) ـــــ اور جو کچھ ہم نے بترتیب بیان کیا۔ وہ حد تواتر تک پہنچ چکا ہے۔ جیسا کہ اس شخص پر جسے روایات پر کافی عبور ہے۔ مخفی نہیں۔ پس اس سے جو ہم نے بیان کیا متقرر ثابت ہوگیا۔ کہ جو احادیث امام مہدی منتظر کے بارے میں وارد ہیں وہ بھی متواتر ہیں۔ اور جو احادیث دجال کے خروج میں مروی ہیں وہ بھی متواتر ہیں اور جو احادیث نزول عیسیٰ علیہ السلام میں وارد ہیں وہ بھی متواتر ہیں۔ اور اس مقدار میں اس شخص کے لئے جسے (خدا کے فضل سے) ہدایت حاصل ہے کفایت ہے۔"

اسی طرح مولانا عبدالحکیم صاحب سیالکوٹی حاشیہ خیالی میں فرماتے ہیں۔ "اور شارح التفتازانی نے صرف حضرت عیسیٰؑ کے ذکر پر اکتفا کی کہ ان کی حیات اور ان کا زمین پر نازل ہونا اور پھر زمین پر آپ کا رہنا صحیح حدیثوں سے ثابت ہو چکا ہے اس بارے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہ گیا۔ اور اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں ص۲۵۱ مطبوعہ" اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ حیات مسیح کا مسئلہ بموجب آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ واجماع امت محمدیہ ثابت ہے۔ اور مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے جو کچھ اس کے برخلاف وفات مسیح کے متعلق لکھا ہے وہ محض شبہات و مغالطات ہیں جو قواعد علمیہ کے بھی برخلاف ہیں۔

تمت والحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد مع اکرم التحیات وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ المطہرات وانا خادم دین النبی [illegible] ابو [illegible] حکیم [illegible] مطابق ۲۴ شوال ۱۳۴۴ھ مطابق ۸ اپریل ۱۹۲۶ء۔

تقریظ جناب حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی بر طبع اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: الحمد للہ خالق الحب والنوی، الخالق لکل فرعون موسٰے۔ والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین صاحب الشفاعۃ الکبریٰ وآلہٖ وصحبہٖ اھل التقی والنقی۔

امّا بعد رسالہ مؤلفہ جناب مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی کا نظرِ فیض سے گزرا جس نے اہلِ اسلام کو الحاد اور تحریف سے بچانے کی وجہ سے ممنون و مامون فرمایا۔ لَا رَیْبَ فَهُمٌ أُعْطِيَهٗ رَجُلٌ مُسْلِمٌ کے زیور کی سجاوٹ اور بھبن سے بہ نسبت زمانہ حال کی تالیفات کے جدا گانہ جھلک دکھاتا ہے۔ فللّٰہ درّ المؤلف حیث اری الناظر کل کلمۃ من الکلمات القرآنیۃ سلطان دارھا وکل آیۃ من الآیات الفرقانیہ برھان جارھا وانّ ما توھم فیھا من التکرار فمن رمد الابصار۔ اللّٰھم ایّد الاسلام والمسلمین واخذل الملاحدۃ والمبتدعین بطول حیاتہ واعف عن سیئاتہ وضاعف حسناتہ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین

العبد الملتجی الی اللہ المدعو بمہر علی شاہ عفی عنہ از گولڑہ

احقر عبد الحق کاتب) ـــــــ ـــــــ مصحح عبد القیوم مبشرؔ

شہادۃ القرآن

حصہ دوم

محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی انزل علی عبدہ الکتٰب ولم یجعل لہ عوجا ؕ قال افلا یتدبرون القراٰن ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا فما احکم مرادہ وما اتقن بیانہ بتصریف الاٰیات وتکریر الکلمات وقال ولا یاتونک بمثل الا جئناک بالحق واحسن تفسیرا و اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ ارسلہ اللہ کافۃ للناس بشیرا ونذیرا وصلی اللہ علیہ وعلیٰ اٰلہ الاطھار واصحابہ الاخیار وسلم تسلیما کثیرا کثیرا

سبب تالیف

اما بعد! حضرات انصاف پسند حق نیوش پر واضح ہو۔ کہ رسالہ شہادۃ القرآن کا پہلا حصہ عرصہ کئی سال سے طبع ہو چکا ہے۔ موافقین میں اس کی قبولیت اور مخالفین پر اس کی اتمام حجت اس کے مطالعہ کرنے والوں پر ظاہر ہے۔ اب اس کا دوسرا حصہ مطبوع ہو کر ہدیہ ناظرین ہوتا ہے۔

اس میں ان تیس آیتوں کا جواب ہے۔ جو مرزا صاحب نے اپنے رسالہ ازالہ اوہام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات قبل النزول

کے ثبوت میں پیش کی ہیں۔ اس حصہ کے لکھنے کی ضرورت اس لئے ہوئی۔ کہ پہلے باب میں اپنا عقیدہ حیات و رفع عیسوی کو قرآن شریف سے ثابت کیا گیا ہے۔ اور چونکہ مرزا صاحب نے رسالہ ازالہ اوہام میں بہت زور سے کہا ہے کہ قرآن کریم سے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی وفات ثابت ہے۔ اور اس سے قرآن شریف کے مضامین میں اختلاف و تعارض پایا جاتا ہے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ اپنے عقیدے کی تائید کے لئے مخالف کے دلائل کو توڑا جائے۔ اور ضعیف بلکہ باطل اور غلط ثابت کیا جائے۔ وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ وَعَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ

وَاَنَا الْعَبْدُ الْمُفْتَقِرُ

اِلَی اللّٰہِ الْکَرِیْمِ مُحَمَّدُ اِبْرَاھِیْمُ مِیْر السیالکوٹی

دیباچہ طبع ثانی

از مصنف

سُبْحَانَ مَنْ لَا یُعَقِّبُ حُکْمَہٗ وَلَا یُرَدُّ قَضَاءُہٗ وَاُصَلِّیْ وَاُسَلِّمُ عَلٰی مَنْ شَھِدَتْ لَہٗ اَرْضُہٗ وَسَمَاءُہٗ - صَلٰوۃً دَائِمَۃً بَاقِیَۃً یَوْمَ یُجْزٰی بِھَا جَزَاءَہٗ -

شہادۃ القرآن کا یہ دوسرا حصہ بھی پہلے حصہ کی طرح مرزا صاحب قادیانی کی زندگی میں رمضان ۱۳۲۳ھ میں طبع ہوا۔

زندگی بھر نہ اُن کو اس کے جواب کی ہمت پڑی۔ اور نہ اب تک اِن کے مریدوں کو اس کی جرأت ہوئی۔ حتیٰ کہ طبع اوّل کے (...) نسخے ہاتھوں ہاتھ نکل گئے۔ اور جلد ہی طبع ثانی کی ضرورت پڑی۔ لیکن متواتر کچھ ایسے امور درپیش رہے۔ کہ طبع ثانی کا ارادہ تسویف و تعویق میں پڑا رہا۔ ملک کے ہر گوشہ سے بکثرت سفارشیں اور فرمائشیں آتی رہیں۔ اور مخلص احباب اپنی آرزومندی کی تقریروں اور کمال اشتیاق کی تحریروں سے اپنی طرح مجھے بھی بیقرار کرتے رہے۔ لیکن میں روز بروز ایسے حالات میں محصور ہوتا گیا۔ کہ دائرہ عمل بالکل تنگ ہو گیا۔ آخر سردار اہلحدیث جناب مولانا مولوی ابوالوفاء ثناء اللہ صاحب متعنا اللہ بطول بقائہ نے اس کی طباعت کا اہتمام اپنے ذمہ لیا۔ اور اب وہ آنجناب کے حسنِ انتظام سے آپ کے سامنے ہے۔

خاکسار: ابراہیم میر سیالکوٹی مصنف رسالہ ہذا۔

Marfat.com

شہادۃ القرآن

حصہ ثانی

در ازالۂ اوہام قادیانی و دفع وساوس شیطانی

مرزا صاحب نے اپنے ازالہ تقطیع خورد جلد ۲ کے صفحہ ۵۹۸ سے صفحہ ۶۲۷ تک وہ تیس آیتیں ذکر کی ہیں۔ جن سے ان کا مقصود برخلاف مراد الٰہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت قبل النزول ثابت کرنے کا ہے۔ سو واضح ہو کہ وہ بیان کردہ آیات تین قسم کی ہیں۔ اوّل وہ آیات جن میں خاص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔ دوم۔ وہ آیات جو دیگر انبیاء علیہم السلام کی وفات پر دلالت کرتی ہیں، اور مرزا صاحب نے اس خیال سے کہ مسیح علیہ السلام بھی ایک پیغمبر تھے۔ ان آیتوں سے آپ کی وفات ثابت کرنی چاہی ہے۔ سوم وہ آیتیں جن میں نہ تو حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات کا خاص طور پر ذکر ہے۔ اور نہ ضمن عموم میں۔ بلکہ مرزا صاحب نے صرف اپنی اختراع سے ان سے تمسک کیا ہے۔ ان سب کا جواب حسب ترتیب تقسیم بیان کیا جاتا ہے۔ ناظرین دونوں کو بغور ملاحظہ کریں۔ اور انصاف کریں کہ موافق کتاب اللہ و ملاحمہ بیان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کس کی دلیل ہے۔ اور

Marfat.com

قرآن شریف کی صحیح مراد کو کون پہنچا ہے فَاَقُوْلُ بِحَوْلِ اللّٰہِ وَقُوَّتِہٖ

قسم اوّل میں سے پہلی آیت یہ ہے:-

یٰعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ وَمُطَہِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ الآیۃ (پ۳ ع ۱۴، آل عمران: ۳: ۵۴)۔

(ترجمہ مندرجہ ازالہ مرزا صاحب، یعنی اے عیسیٰ میں تجھے وفات دینے والا ہوں اور پھر عزت کے ساتھ اپنی طرف اٹھانے والا اور کافروں کی تہمتوں سے پاک کرنے والا ہوں اور تیرے متبعین کو تیرے منکروں پر قیامت تک غلبہ دینے والا ہوں۔" انتہیٰ۔

مرزا صاحب کا یہ ترجمہ اور اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت قبل النزول پر استدلال از روئے آیاتِ قرآن شریف و لغت عرب کئی وجہ سے بالکل غلط ہے۔

وجہ اوّل اس آیت اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ کے متعلق حصہ اول طبع اوّل میں صـ۷۵ سے ۹۳ تک کافی تحریر ہو چکی ہے۔ جس میں بدلائل ثابت کیا گیا ہے۔ کہ توفی کا اصل وفا ہے۔ اور اس کے اصلی اور وضعی معنی اخذ الشئی وافیاً یعنی کسی چیز کو پورا پورا پکڑ لینا ہیں اور رفع یعنے اُوپر کو اٹھالینا اور نیند اور موت اور تعداد اور وصولی قرض سب اس کی انواع ہیں۔ اور یہ امر مسلّم ہے۔ کہ مختلف انواع میں سے ایک نوع معیّن کرنے کے لئے قرینے کا ہونا ضروری ہے پس جہاں توفّی کے ساتھ موت اور اس کے لوازمات کا ذکر ہوگا۔ اس جگہ توفّی سے مراد موت ہوگی۔ اور جہاں نیند اور اس کے مقتضیات مذکور ہوں گے وہاں نیند مراد ہوگی۔ قُلْ یَتَوَفّٰکُمْ مَّلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ (الم سجدہ پ۲۱) (۳۲: ۱۱) یعنی اے پیغمبرؐ ان سے کہہ دو۔ کہ تم کو ملک الموت جو تم پر مقرر کیا گیا ہے۔ پورا پورا پکڑ لے گا۔ اور نیز آیت اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِہَا (زمر پ۲۴) (۳۹: ۴۲) یعنی اللہ (ہی) جانوں کو ان کی موت

لـه طبع دوم صـ۹ طبع سوم و چہارم صـ۱۰۲ سے صـ۱۲۶ تک۔

کے وقت قبض کرتا ہے اور جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا۔ اُن کو ان کی نیند میں قبض کرتا ہے، اور نیز آیۃ وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ (انعام پ) یعنے اللہ تم کو رات کے وقت قبض کرلیتا ہے۔ (۶ : ۶۰) اور نیز شعر فَلَمَّا تَوَفَّاهُ رسولُ الکرٰے الخ یعنے جب اس کو نیند کے ایلچی نے پورا پورا پکڑ لیا۔"

ان مثالوں میں ملک الموت اور موت توفی سے موت مراد لینے کے قرینے ہیں۔ اور منام اور لیل اور کرٰے (نیند) اس سے نیند مراد لینے کے۔ اسی طرح اس آیت مذکورہ زیر بحث میں اگر توفی کے متصل موت کا ذکر ہے۔ تو اس سے مراد موت ہوگی۔ اور اگر نیند کا ذکر ہے تو پھر نیند مراد ہوگی۔ اور اگر رافع یعنے اُوپر اُٹھانے کا ذکر ہے۔ تو پھر اس توفی سے مراد رفع یعنے اوپر کو اُٹھانا ہوگی۔ پس چونکہ اس آیت میں توفی کے ساتھ سوائے رفع کے ذکر کے اور کچھ مذکور نہیں۔ لہٰذا اس جگہ توفی سے سوائے رفع کے اور کچھ مراد نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ حصہ اوّل طبع دوم[عہ] کے صفحہ ۱۲ میں بحوالہ تفسیر کبیر گذر چکا ہے کہ قول الٰہی

قولہ اِنِّیْ متوفیک یدل علی، اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ صرف توفی کے حاصل ہونے پر

حصول التوفی وهو جنس تحته	دلالت کرتا ہے۔ اور توفی جنس ہے جس
انواع بعضها بالموت وبعضها	کی کئی انواع ہیں۔ بعض موت کے ساتھ
بالاصعاد الی السماء فلما قال بعده	اور بعض آسمان پر اُٹھائے جانے سے۔
ورافعک الیّ کان هذا تعیینا للنوع	پس جب اس کے بعد رَافِعُکَ اِلَیَّ
ولو یکن تکرارا۔ (تفسیر کبیر جلد ۲)	کہا۔ تو یہ تعیین نوع کے لئے قرینہ ہوا۔

اور تکرار نہ ہوا۔"

مفسرین علیہم الرحمۃ کا اس امر پہ اتفاق اور اجماع ہے۔ کہ یہ آیت حضرت عیسٰی علیہ السلام کے آسمان پر اُٹھائے جانے کی دلیل ہے۔

اس جگہ انواع توفی (رفع۔ موت۔ نیند) میں سے توفی کو خواہ کسی نوع میں

عہ طبع اول صفحہ ۱۲

Marfat.com

معیّن کریں رفع جسمی ثابت ہی رہے گا۔ تفصیل اس اجمال کی اس طرح ہے۔ کہ اگر توفی کو نوعِ موت میں معین کریں۔ تو بموجب مذہب حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آیت میں تقدیم و تاخیر ہوگی۔ جیسے کہ حصہ اول طبع دوم[۵] ص۱۱ میں درمنثور سے گذر چکا ہے کہ حضرت ابن عباس رافعک ثم متوفیک فی آخر الزمان (درمنثور) فرماتے ہیں کہ میں پہلے تجھے اوپر اٹھا لوں گا۔ پھر بعد مدت کے (دنیا میں نازل کرکے) آخر زمانے میں ماروں گا"

اور نیز تفسیر معالم میں ضحاکؒ شاگرد ابن عباسؓ سے اس کی تصریح موجود

ان فی الآیۃ تقدیما وتاخیرا معناہ انی رافعک الی ومطہرک من الذین کفروا ومتوفیک بعد انزالک من السماء (تفسیر معالم)

ہے کہ اس آیت میں تقدیم و تاخیر ہے اور معنے اس کے یہ ہیں۔ کہ میں تجھ کو اپنی طرف اوپر اُٹھاؤں گا اور کفار سے تجھے صاف بچا لوں گا۔ اور پھر آسمان سے اتارنے کے بعد ماروں گا"

اور اگر اس آیت میں توفی کو اس کی دوسری نوع نیند میں معین کیا جائے۔ تو بھی اس سے عیسیٰ علیہ السلام کی موت قبل النزول ثابت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ پھر آیت کے معنے یہ ہوں گے کہ اے عیسیٰ! میں تجھ کو سلا دوں گا (اور اسی نیند کی حالت میں) تجھ کو اپنی طرف اوپر اُٹھا لوں گا۔ جیسا کہ تفسیر خازن۔ ابن کثیر۔ درمنثور۔ فتح البیان۔ معالم۔ کبیر وغیرہ میں ہے کہ۔

(الثانی) المراد بالتوفی النوم ومنہ قولہ اللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِہَا فجعل النوم وفاۃ کان عیسیٰ قد نام فرفعہ اللہ وھو نائم لئلا یلحقہ خوف (تفسیر خازن)

اس آیت کے دوسرے معنے یہ ہیں کہ توفی سے مراد نیند ہے۔ جیسا کہ اس آیت اللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ الآیۃ میں مستعمل ہے۔ پس اس سے یہ مراد ہوئی کہ عیسیٰ علیہ السلام سو گئے تھے اور پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو سوتے ہوتے اوپر اُٹھایا تاکہ آپ کو خوف لاحق نہ ہو"

۵ طبع سوم و چہارم ص۱۵۷

Marfat.com

(۳) اور اگر اس آیت میں توفی سے اس کی تیسری نوع رفع مراد لی جائے۔ جو بالکل حق اور مطابق واقع ہے۔ اور جو جمہور مفسرین کا قول ہے تو اس سے رفع جسمی بالکل ظاہر ہے۔

غرض اس جگہ توفی کو اس کی انواع رفع۔ نیند۔ موت میں سے جو قرآن مجید میں آچکی ہیں۔ جس نوع میں معین کیا جائے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع جسمی ثابت ہی رہتا ہے۔ اور اس امر پر علمائے سلف وخلف مفسرین ومحدثین وفقہاء ومجتہدین رحمہم اللہ سب کا اتفاق واجماع ہے۔

دوسری وجہ مرزا صاحب نے اس آیت میں واؤ کا ترجمہ پھر کیا ہے۔ اس میں انہوں نے لغت۔ بلاغت۔ نحو۔ اصول جملہ علوم کا خلاف کیا ہے۔ خواہ دیدہ دانستہ خواہ غلطی وسہو سے۔ اس کی تفصیل حصہ اول طبع دوم کے صفحہ ۱۵۲ پر گذر چکی ہے۔ خلاصہ مطلب یہ کہ واؤ حرف عطف مطلق جمع کے لئے موضوع ہے۔ اس میں ترتیب نہیں ہوتی۔ چنانچہ کافیہ میں ہے الواوُ لِلجمعِ المُطلَقِ لا ترتیبَ فیھا یعنی واؤ مطلق جمع کے لئے ہے۔ اس میں ترتیب نہیں ہوتی" اور اسی طرح دیگر کتب نحو میں ہے۔

امام فخر الدین رازیؒ نے اس آیت کے ذیل میں اس امر کی تصریح کی ہے

ان الواو فی قوله اِنِّی مُتَوَفِّیکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ لَا تُفِیدُ الترتیب فالآیۃُ تدل علی انه تعالیٰ یفعل به هذه الافعال فاما کیف یفعل ومتی یفعل فالامر فیه موقوف علی الدلیل وقد ثبت بالدلیل انه حی وورد الخبر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه سینزل ویقتل الدجال ثم انه

واو ترتیب کا فائدہ نہیں دیتی۔ یہ آیت صرف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالےٰ عیسےٰ علیہ السلام کے ساتھ یہ معاملات کریگا۔ مگر یہ بات کہ کس طرح کرے گا اور کب کریگا؟ سو یہ دلیل پر موقوف ہے اور بیشک یہ بات دلیل سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰؑ زندہ ہیں، اور اس بارے میں نبی صلعم سے حدیث بھی آچکی ہے کہ آپ ضرور اتریں گے اور دجال کو

Marfat.com

تعالیٰ یتوفاہ بعد ذالک | کو قتل کریں گے۔ اور پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ
(تفسیر کبیر ج ۲ - | آپ کو فوت کرے گا۔

تیسری وجہ مرزا صاحب نے اس آیت میں رَافِعُكَ اِلَیَّ کا ترجمہ "عزت کے ساتھ اپنی طرف اٹھانے والا ہوں" کیا ہے اور اس سے عزت کی موت مُراد لی ہے۔ یہ بھی اُن کی سخت غلطی ہے۔ اوّل اس لئے کہ اس آیت کے معنے میں عزت کا لفظ از خود بڑھا دیا ہے۔ حالانکہ قرآن شریف میں اس کے لئے کوئی لفظ نہیں ہے۔ اور اگر مفہوم رَفع سے سمجھ کر لکھا ہے تو بھی اس سے موت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ رفع جسمی اور اعزاز میں مخالفت نہیں بلکہ کبھی جمع ہو سکتے ہیں۔ جیسے آیت وَرَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَى الْعَرْشِ میں ہے۔ یعنی یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو (عزت کے ساتھ) تخت کے اُوپر بٹھایا۔" پس اس آیت کے یہ معنے ہوں گے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عزت کے ساتھ آسمان پر اُٹھا لیا۔ دیگر یہ کہ "عزت کے ساتھ اٹھا لینا" سے موت مراد لینی نہ تو لغت کی کسی کتاب سے ثابت ہے۔ اور نہ محاورۂ زبان اس کی تائید کرتا ہے۔ اور نہ قرآن شریف میں اس کی شہادت ہے۔ یہ صرف مرزا صاحب کی اپنی منگھڑت بات ہے۔ حصہ اوّل ص۹۹ میں اس آیت کی تفسیر میں اس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

چوتھی وجہ مرزا صاحب نے مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سے تہمت سے پاک کرنا مراد بتائی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی برارت تو بیشک مسلم و ثابت ہے۔ مگر اس آیت میں اس تَطْهِیْر سے مراد نہیں۔ بلکہ کفار کے مکروں سے پیغمبر برحق کو محفوظ و پاک رکھنا مراد ہے۔ اس کی تفصیل بھی حصہ اوّل کے ص۱۰۲ میں اس آیت کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔

اس بیان و تفصیل سے ثابت و روشن ہو گیا کہ مرزا صاحب نے اس آیت کے جو معنے کئے تھے۔ اور جو مراد بتائی تھی۔ وہ باطل و غلط ہے پس اس آیت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات قبل النزول ثابت نہ ہوئی۔

(حاشیہ: ... جلد دوم ص۱۲۱ ...)

Marfat.com

قسم اوّل میں سے دوسری آیت

وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ (مائدہ رکوع اخیر پ۷ ۵: ۱۱۷)

حصہ اول طبع سوم[عہ] کے ص۹۰ میں آیت إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ اور آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ کی تفسیر میں امور مندرجہ ذیل بڑے بسط اور تفصیل کے ساتھ محقق طور پر بیان ہو چکے ہیں۔

(۱) توفی کے حقیقی اور وضعی معنے موت نہیں بلکہ اس کے معنے اخذ الشئے وافیا یعنے کسی چیز کو پورا پورا قبض کر لینا اور لے لینا ہیں۔

(۲) چونکہ اس پورا پورا لے لینے کی کئی کیفیتیں اور نوعیں ہیں اس لئے توفی کو ایک نوع میں معین کرنے کے لئے قرینہ کا ہونا ضروری ہے۔

(۳) آیات رَافِعُكَ إِلَيَّ اور بَلْ رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ قطعی طور پر عیسٰی علیہ السلام کے رفع جسمی پر دلالت کرتی ہیں۔ اور نیز یہ کہ رَفْعٌ إِلَى اللهِ اور رَفْعٌ إِلَى السَّمَاءِ کے ایک ہی معنے ہیں۔ جیسا کہ آیت إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ (پ۲۲ فاطر- ۳۵: ۱۰) سے ثابت ہے۔

پس قرآن شریف میں جو توفی حضرت عیسٰی علیہ السلام کے حق میں وارد ہے اس کو اس کی نوع رافع میں معین کرنے کے لئے رَافِعُكَ إِلَيَّ اور بَلْ رَّفَعَهُ اللَّهُ صریح قرینے ہیں۔ پس جب ثابت ہو چکا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی توفی لرفع آسمانی سے ہوئی۔ تو اب آیت زیر بحث یعنی فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي میں بھی توفی سے مراد رفع آسمانی ہی ہے۔ نہ کچھ اور۔ کیونکہ یہ اسی قاعدہ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ کے تحقق و وقوع کی حکایت ہے۔

منصف مزاج ہوشمندوں کے لئے تو اتنا بیان ہی کافی ہے مگر کمزور طبیعت کو سمجھانے اور بجرد مخالف پر حجت پوری کرنے کے لئے اس کی خوب بسط سے تفصیل کی جاتی ہے۔ سو واضح ہو کہ مرزا صاحب کا یہ قول ہے کہ حضرت مسیح

عہ طبع سوم و چہارم ص۱۰۲

Marfat.com

علیہ السلام نے (معاذ اللہ الف لعنت) صلیب کے بعد (جو وجاہت کے بالکل منافی ہے) کشمیر کی طرف ہجرت کی اور یہاں ستاسی سال زندہ رہ کر فوت ہوگئے۔ اور شہر سری نگر کے محلہ خان یار میں دفن کئے گئے۔ جہاں ابھی تک ان کی قبر شہزادہ یوز آسف کی قبر کے نام سے مشہور ہے[۱]۔ اس بیان سے مرزا صاحب نے اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑا مارا۔ اور اپنے برخلاف حجت پوری کرائی۔ اس اجمال کا بیان اس طرح ہے۔ کہ کلمۂ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي سوال الٰہی أَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ کے جواب میں واقع ہے۔ پس اس جگہ توفی سے مراد موت نہیں لے سکتے۔ کیونکہ آپ علیہ السلام کو اہلِ کشمیر نے خدا اور خدا کا بیٹا قرار نہیں دیا۔ بلکہ اہلِ شام اور اس کے قرب و جوار کے لوگوں نے۔ پس بموجب قول مرزا صاحب اہلِ شام (جنہوں نے حضرت عیسٰے علیہ السلام کو خدا کے سوائے معبود جانا) کی خبر حضرت عیسٰے علیہ السلام سے آپ کی وفات سے ستاسی سال پیشتر منقطع ہو چکی تھی۔ اور اس عرصہ ستاسی سال کی حیات (مزعومہ مرزا صاحب) میں آپ علیہ السلام کو اہلِ شام کے عقائدِ باطلہ کی کوئی خبر نہیں کہ پیچھے انہوں نے کیا بنا لیا۔ پس سوال أَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ کے جواب میں عذرِ موت صحیح نہیں۔ بلکہ ہجرت کشمیر کا عذر کرنا چاہیے۔ جب اس صورت میں ایک خدائے تعالےٰ کے سکھائے ہوئے پیغمبرِ برحق کے جواب میں تدرج ضعف واقع ہے۔ تو بالضرور معلوم ہوا۔ کہ اس جگہ توفی سے مراد موت نہیں۔ اور چونکہ حضرت مسیح علیہ السلام کا بوجہ آسمان پر اُٹھائے جانے کے نصاریٰ کے باطل اعتقادوں سے بے خبر ہو جانا ایک صحیح عذر اور باصواب جواب ہے۔ اور یہ ثابت بھی ہو چکا ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام کی توفی آسمان پر اُٹھائے جانے سے ہوئی۔ تو اب تَوَفَّيْتَنِي کے معنے رَفَعْتَنِي ہونگے یعنے آیت کے معنے یہ ہونگے۔ کہ اے الٰہی! جب تو نے مجھے آسمان پر اُٹھا لیا تو

[۱] شائقین حضرت عیسٰی علیہ السلام کی قبر کی بابت رسالہ الخبر الصحیح عن قبر المسیح ملاحظہ فرمائیں۔

Marfat.com

اس عرصہ مرفوعیت میں مجھے ان کے عقائد کی کچھ خبر نہیں تھی۔ جملہ تفاسیر معتبرہ میں اس مقام پر تَوَفَّيْتَنِي سے مراد رَفَعْتَنِي لکھا ہے۔ اس سے کسی کو خلاف نہیں ہم بہت خوشی سے قبول کریں گے۔ اگر مرزا صاحب کسی صحابی سے تَوَفَّيْتَنِي سے سوائے رَفَعْتَنِي کے کچھ اور مراد نقل کرکے دکھائیں گے۔ اب ذیل میں چند معتبر تفاسیر کی عبارتیں نقل کی جاتی ہیں جن میں تَوَفَّيْتَنِي کے معنی جو اس آیت میں ہے رَفَعْتَنِي لکھے ہیں:-

(۱) (فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي) بالرفع الی السمآء کما فی قولہ تعالیٰ اِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ فان التوفی اخذ الشیٔ وافیاً والموت نوع منہ قال تعالیٰ اللہ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حين موتها والتي لم تمت في منامها انتہیٰ (تفسیر علامہ ابی السعود) یہی عبارت تفسیر بیضاوی و سراج منیر میں ہے (۲) (فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي) بالرفع الی السمآء والتوفی اخذ الشیٔ وافیاً (تفسیر جامع البیان) (۳) (فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي) اراد اعلائہ مصاعد السمآء انتہیٰ (تفسیر نسفی) (۴) فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي یعنی فلما رفعتنی الی السماء فالمراد بہ وفاۃ الرفع لا الموت (تفسیر خازن) (۵) فلما توفیتنی والمراد منہ وفاۃ الرفع الی السماء من قولہ تعالیٰ اِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ ۱۲ (تفسیر کبیر) (۶) (فلما توفیتنی) قبضتنی وَرَفَعْتَنِي اِلَيْكَ (تفسیر معالم)

ان سب عبارات کا حاصل مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں توفّی سے مراد آسمان کی طرف اٹھا لینا ہے۔ موت نہیں۔ کیونکہ توفی کے معنے کسی چیز کو پورا پورا لے لینا ہے۔ اور موت اس کی نوع ہے۔ اور چونکہ آیت اِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ سے ثابت ہو چکا ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام کی توفّی سے مراد اُن کا آسمان پر اٹھایا جانا ہے۔ تو اب اس آیت کے معنی بھی وہی ہونگے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ "جب عیسیٰ علیہ السلام بموجب عقیدہ اہل سنت دوسری دفعہ نزول فرما ہوں گے تو نصاریٰ کے افتراؤں اور بُرے اعتقادوں سے باخبر ہو جائیں گے۔ اور اہل سُنت کے نزدیک

یہ سوال وجواب بھی قیامت کو ہوں گے۔ تو پھر اس صورت میں قول کُنتُ عَلَیۡھِمۡ شَھِیۡدًا مَّا دُمۡتُ فِیۡھِمۡ سے عدم اطلاع کا عذر صحیح نہیں ہے لہٰذا ماننا پڑیگا کہ حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ دنیا میں نہیں آئیں گے۔ اور نیز یہ کہ یہ سوال وجواب قیامت کو نہیں ہوگا۔ بلکہ عالم برزخ میں ہو چکا ہے۔ اور عیسیٰ علیہ السلام اپنی وفات کا اقرار کر چکے ہیں" تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے نصاریٰ وغیرہ بندوں کے اقوال وافعال پر مطلع ہونے کے دو موقع ہیں۔ اور دونوں قرآن وحدیث سے ثابت ہیں۔ اوّل آسمان پر اٹھائے جانے سے پیشتر تبلیغ رسالت کے وقت۔ دوم آسمان سے نازل ہونے کے بعد۔ اور یہ امر ظاہر ومسلّم ہے۔ کہ نصاریٰ کے اعتقاد ان دونوں زمانوں کی درمیانی مدت میں بگڑے ہوئے ہیں۔ سو آپ کا قول وَكُنتُ عَلَيۡهِمۡ شَهِيۡدًا مَّا دُمۡتُ فِيۡهِمۡ یا الٰہی جب تک میں ان میں رہا۔ ان کے اقوال وافعال کو دیکھتا سنتا رہا۔ ان دونوں زمانوں پر شامل ہے۔ اور فَلَمَّا تَوَفَّيۡتَنِيۡ كُنتَ اَنۡتَ الرَّقِيۡبَ عَلَيۡهِمۡ (یعنی جب تو نے مجھے آسمان پر اٹھالیا۔ تو پھر تو ہی ان کا نگہبان رہا۔ یعنی اس عرصہ کی بابت مجھے کچھ علم نہیں) سے درمیانی زمانہ یعنے پہلی اور دوسری بار کی درمیانی مدت رفع میں نصاریٰ کے اقوال وافعال سے واقف نہ ہونے کا اظہار مقصود ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور نزولِ ثانی اور اس کے بعد قیامت کو یہود ونصاریٰ پر آپ کی شہادت کے لئے یہ آیت قرآن شریف میں موجود ہے۔

وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يَكُوۡنُ عَلَيۡهِمۡ شَهِيۡدًا ۔	اور اہل کتاب میں سے کوئی نہیں ہوگا۔ مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر آپ کی موت سے پیشتر ایمان لے آئیگا۔ اور آپ قیامت کے دن اُن پر شاہد ہوں گے"
(نساء پ ۶ ع ۲) (۴: ۱۵۹) ۔	

صحیح بخاری باب نزول عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) میں اسی آیت کو دلیل

نزولِ ثانی ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ حدیث یہ ہے :۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَیُوْشِکَنَّ اَنْ یَّنْزِلَ فِیْکُمْ ابْنُ مَرْیَمَ حَکَمًا عَدْلًا فَیَکْسِرُ الصَّلِیْبَ وَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ وَیَضَعُ الْجِزْیَۃَ وَیَفِیْضُ الْمَالُ حَتّٰی لَا یَقْبَلَہٗ اَحَدٌ حَتّٰی تَکُوْنَ السَّجْدَۃُ الْوَاحِدَۃُ خَیْرًا مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا ثُمَّ یَقُوْلُ اَبُوْ ھُرَیْرَۃَ فَاقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ[له] وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یَکُوْنُ عَلَیْھِمْ شَھِیْدًا (صحیح بخاری مسلم)

"ابوہریرہؓ کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے مجھے قسم ہے اللہ تعالیٰ کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ وقت قریب آتا ہے کہ عیسےٰ بن مریمؑ تم میں ضرور ضرور اُترینگے۔ فیصلہ کرنے والے ہوکر۔ منصف ہوکر۔ پس صلیب کو توڑ دیں گے۔ اور خنزیروں کو قتل کرائیں گے اور جزیہ موقوف کردیں گے۔ اور مال و دولت اس کثرت سے ہوجائیگی۔ کہ اس کو کوئی قبول بھی نہ کریگا۔ حتی کہ ایک سجدہ دنیا کی سب چیزوں سے بہتر خیال کیا جائے گا۔ پھر ابوہریرہ رضؓ کہتے ہیں، اگر تم چاہو تو اس حدیث کی تصدیق کے لئے یہ آیت پڑھ لو۔ وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ ؕ

اس آیت وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ کو نزولِ عیسیٰ علیہ السلام سے بدیں وجہ تعلق

[له] **قولہ فَاقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ** ناظرین نے ملاحظہ فرمالیا۔ کہ حضرت ابوہریرہؓ نے جو حدیث روایت کی ہے۔ اس کے مضمون کی تصدیق کے لئے وہی آیت قرآنی پیش کرتے ہیں اس سے صاف ثابت ہوا کہ **مسیح موعود** وہی ہے۔ جس کا ذکر اس آیت میں ہے نہ کہ کوئی دیگر مثیل۔ پس چونکہ اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی اللہ کا ذکر ہے۔ اس لئے مرزا صاحب مسیح موعود نہیں ہوسکتے۔

مرزا صاحب حضرت ابوہریرہ رضؓ کے اس استدلال کے قبول کرنے میں دو عذر پیش کرتے ہیں۔ اوّل یہ کہ حضرت ابوہریرہ رضؓ کا اپنا فہم ہے۔ اور صحابی کا فہم حجت نہیں ہوتا۔ دوم یہ کہ حضرت ابوہریرہؓ اِنْ شِئْتُمْ کہتے ہیں۔ اور کلمہ اِنْ شرطیہ شک کے لئے ہوتا ہے۔

Marfat.com

ہے کہ آیت وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ یعنی میں اُن کے

بقیہ حاشیہ: عذر اول کا **جواب** یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کا اس حدیث کی تصدیق کے لئے اس آیت کو پیش کرنا دو حال سے خالی نہیں - یا تو آنحضرت صلعم سے سن کر کہا ہے - اور یا اپنے فہم و اجتہاد سے - پہلی صورت میں تو مرزا صاحب کو انکار کی مجال نہیں - ہاں دوسری صورت میں وہ کچھ گنجائش سمجھتے ہیں - سو اس کا بیان اس طرح ہے کہ قرآن شریف میں سے حدیث نبوی کا اخذ بیان کرنا اور ان میں آپس میں تطبیق و توفیق دینا ایک موہوبی اور خداداد ملکہ ہے - جو عارفان کتاب اللہ و واقفان حدیث رسول اللہ صلعم سے مخفی نہیں - اور علم دینی کا کمال اور طبیعت کی ذہانت اسی وصف سے ہے چنانچہ امام ابن قیم جو اسی مذاق کے ہیں - اپنی کتاب زاد المعاد میں فرماتے ہیں :-

وَكَانَ الصَّحَابَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ أَحْرَصَ شَيْءٍ عَلَى اِسْتِنْبَاطِ أَحَادِيثِ رَسُولِ اللّٰهِ صلعم مِنَ الْقُرْآنِ وَمَنْ أَلْزَمَ نَفْسَهُ ذَالِكَ وَقَرَعَ بَابَهُ وَوَجَّهَ قَلْبَهُ اِلَيْهِ وَاعْتَنٰى بِهِ بِفِطْرَةٍ سَلِيمَةٍ وَقَلْبٍ ذَكِيٍّ رَأَى السُّنَّةَ كُلَّهَا تَفْصِيلًا لِلْقُرْآنِ وَتَبْيِينًا لِدَلَالَتِهِ وَبَيَانًا لِمُرَادِ اللّٰهِ مِنْهُ وَهٰذَا أَعْلٰى مَرَاتِبِ الْعِلْمِ فَمَنْ ظَفَرَ بِهِ فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ وَمَنْ فَاتَهُ فَلَا يَلُومَنَّ اِلَّا نَفْسَهُ وَهِمَّتَهُ وَعَجْزَهُ -

زاد المعاد جلد ۲ - ص ۱۷۵

"اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اس امر کے بہت حریص تھے - کہ رسول اللہ صلعم کی احادیث کا قرآن شریف سے استنباط کیا کریں - اور جو کوئی اس کو لازم پکڑے - اور اس کا دروازہ کھٹکھٹائے - اور اپنے دل کو اس طرف متوجہ کرے - اور فطرت سلیمہ اور پاکیزہ دل کو اس کی تلاش میں لگائے تو جان لیگا کہ سنت نبویہ صلعم ساری کی ساری قرآن کی تفصیل ہے اور اس کے معنے اور مراد دل کا بیان ہے یہ امر علم کے مراتب میں سے اعلیٰ مرتبہ کا ہے پس جو اس سے کامیاب ہوا اُسے چاہیے کہ خدا کا شکر کرے - اور جسے ہاتھ نہ لگے - وہ اپنے نفس اور ہمت اور کمزوری کے سوائے کسی اور کو ملامت نہ کرے۔

Marfat.com

اعمال و اقوال کو دیکھا سُننا رہا۔ جبتک اُن کے بیچ رہا) سے صاف ثابت ہے

بقیہ حاشیہ واقفانِ حدیث نبوی پر مخفی نہیں۔ کہ آنحضرتؐ بسا اوقات کوئی مسئلہ بیان فرما کر اس کے موافق قرآن شریف کی آیت پڑھ دیا کرتے تھے۔ اسی طرح صحابہؓ کی بھی عادت تھی۔ کہ اس حدیث کو مع اس آیت کے حوالہ کے روایت کیا کرتے تھے اور یہ بات چنداں نظر کی محتاج نہیں۔ کیونکہ یہ امر کہ نبی صلعم کسی مسئلہ کی تصدیق کے لئے آیت قرآنی پڑھا کرتے تھے۔ تب ہی معلوم ہوا۔ کہ صحابہؓ نے وہی حدیث روایت کی۔ فافہم۔

اسی طرح ماہرینِ حدیث پر یہ بھی پوشیدہ نہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضؓ جس طرح روایت کے روسے سب سے اوّل نمبر پر ہیں۔ اسی طرح اس وصف یعنے تصدیق حدیث کے لئے آیت کے بیان کرنے میں بھی آپ ایک خاص مذاق رکھتے تھے۔ آپ کی روایات میں اکثر جگہ قرآن شریف کی آیت سے استدلال کرنا پایا جاتا ہے۔ کسی جگہ تو اس آیت کا حوالہ رسول اللہ صلعم کی طرف نسبت کر دیتے ہیں۔ اور کسی جگہ آیت کے حوالہ پر بس کرتے ہیں اور اسے رسولؐ کی طرف منسوب نہیں کرتے۔ ان دونوں طریقوں پر غور و فکر کرنے سے ایک سوچنے والا ہوشمند آدمی نتیجہ نکال سکتا ہے۔ کہ جس طرح حضرت ابو ہریرہؓ حدیث کو خاص پیغمبر صلعم سے بالمشافہ روایت کرتے ہیں اسی طرح روایت کا حوالہ بھی نبی صلعم کی زبان مبارک سے روایت کرتے ہیں۔ چاہے اس کی تصریح کر دیں چاہے نہ کریں۔ کیونکہ غیر مصرح بھی اسی کے قریب ہے۔ کہ انہوں نے نبی صلعم سے سُنکر کہا کیونکہ صحابہؓ بغیر نبی صلعم سے سُننے کے کچھ بات اپنی طرف سے کرنے سے بہت پرہیز کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ کتب حدیث کے مطالعہ کرنے والوں پر واضح ہے۔ خصوصاً ایسے امور میں جن میں رائے محض اور اجتہاد و قیاس کو دخل نہیں۔ مثلاً پیشین گوئی وغیرہ۔ ان میں تو صحابی کا قول حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے۔ پس اس حدیث نزول عیسےٰ ابن مریم علیہ السلام کی تصدیق کے لئے حضرت ابو ہریرہ رضؓ کا آیت قرآن وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ سے استدلال کرنا علاوہ بہت باریک نکتہ ہونے کے نبی صلعم کے پاک ارشاد سے باہر نہیں۔

اب ذیل میں چند احادیث بطور نمونہ ذکر کی جاتی ہیں۔ جن سے ثابت ہوگا کہ تصدیق حدیث کے لئے آیت قرآنی کا حوالہ دینا حضرت ابو ہریرہؓ کے خاص مذاق میں تھا اور نیز یہ کہ

Marfat.com

کہ شاہد کا اس جماعت میں ہونا ضروری ہے۔ جس پر اس نے شہادت دینی ہو بلکہ

بقیہ حاشیہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کبھی حدیث میں اس حوالہ آیت کو نبی صلعم کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ اور کبھی صرف حوالے ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔

حدیث اوّل

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا فَاِذَا طَلَعَتْ وَرَاٰهَا النَّاسُ اٰمَنَ مَنْ عَلَيْهَا فَذٰلِكَ حِيْنَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ۝

(مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۲۳۱)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلعم کو یہ کہتے سُنا کہ قیامت قائم نہ ہوگی۔ جب تک آفتاب مغرب سے نہ چڑھے۔ پس جب چڑھے گا اور لوگ اس کو دیکھ لیں گے۔ تو سب لوگ ایمان لائیں گے پس یہ وہ وقت ہوگا۔ کہ کسی نفس کو اس کا ایمان نفع نہیں دے گا۔ جو پہلے ایمان نہ لایا تھا۔ یا جس نے اپنے ایمان میں نیکی نہ کی تھی۔

حدیث دوم

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ اِلَّا نَخَسَهُ الشَّيْطٰنُ فَيَسْتَهِلُّ صَارِخًا مِنْ نَخْسَةِ الشَّيْطَانِ اِلَّا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ ثُمَّ قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ اِقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ اِنِّيْ اُعِيْذُهَا بِكَ وَ ذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ۝

(مسند احمد جلد ۲ - صفحہ ۲۳۳)

حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو کوئی پیدا ہوتا ہے۔ شیطان پیدائش کے وقت اس کو ایذا دیتا ہے۔ پس وہ چیختا ہے مگر ابن مریم اور اس کی ماں کو شیطان یہ ایذا نہیں دے سکا۔ پھر حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا۔ کہ اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو اِنِّیْ اُعِیْذُهَا بِكَ الآیۃ

حدیث سوم

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

Marfat.com

جب آیت وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتَابِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ

بقیہ حاشیہ

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ تَفْضُلُ الصَّلٰوۃُ فِی الْجَمِیْعِ عَلٰی صَلٰوۃِ الرَّجُلِ وَحْدَہٗ خَمْسًا وَّعِشْرِیْنَ وَیَجْتَمِعُ مَلَائِکَۃُ اللَّیْلِ وَمَلَائِکَۃُ النَّھَارِ فِیْ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ ثُمَّ یَقُوْلُ اَبُوْھُرَیْرَۃَ اِقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْھُوْدًا ۔ (مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۲۳۳)

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا باجماعت نماز اکیلے شخص کی نماز سے پچیس درجے بڑھ کر ہے اور فجر کی نماز میں دن اور رات کے فرشتے اکٹھے ہوتے ہیں۔ پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اگر چاہو تو قرآن شریف کی یہ آیت پڑھ لو وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ الخ

حدیث چہارم

فِیْ حَدِیْثٍ طَوِیْلٍ رَوَاہُ اَبُوْھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ سُئِلَ عَنِ الْحُمُرِ فَقَالَ مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیَّ فِیْھَا اِلَّا الْاٰیَۃَ الْفَاذَّۃَ الْجَامِعَۃَ مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ ۔ (مسند امام احمد ج۲ ص۲۳۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلعم سے گدھے کی بابت پوچھا گیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ مجھ پر اس بارے میں کوئی خاص حکم نازل نہیں ہوا۔ مگر یہی ایک جامع آیت فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ الخ

حدیث پنجم

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ الْخَلْقَ حَتّٰی اِذَا فَرَغَ مِنْ خَلْقِہٖ قَالَتِ الرَّحِمُ ھٰذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِکَ مِنَ الْقَطِیْعَۃِ قَالَ نَعَمْ اَمَا تَرْضَیْنَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (تمثیلی طور پر) فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا تو رحم (رشتے داری کے ساتھ پیوند رکھنے کے علاقہ) نے کہا۔ کہ الٰہی میں تیرے ساتھ رشتہ

Marfat.com

يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا (یعنی نہیں ہوگا کوئی اہل کتاب میں سے مگر ایمان لے آئیگا

بقیہ حاشیہ

اَنْ اَصِلَ مَنْ وَصَلَكِ وَ اَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ قَالَتْ بَلٰى يَا رَبِّ قَالَ فَهُوَ لَكِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاقْرَؤُا اِنْ شِئْتُمْ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا اَرْحَامَكُمْ

(صحیح بخاری کتاب الادب باب مَنْ وصل وصلہ اللہ۔

قطع کرنے والوں سے پناہ مانگنے والا حاضر ہوں۔ اللہ نے نے فرمایا کہ تو اس پر راضی نہیں۔ کہ میں اپنی رضا اس پر رکھوں۔ جو تیرے پیوند کو قایم رکھے اور جو تجھے قطع کرے۔ میں بھی اس سے قطع کر دوں؟ کہا ہاں اے میرے رب۔ فرمایا پس یہ ہو چکا۔ پھر رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ اگر چاہو تو آیت قرآنی پڑھ لو۔ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ الآیۃ

ناظرین! خود غور فرمالیں کہ ان احادیث سے یہ سب امور جو ہم نے اوپر بیان کئے ہیں۔ ثابت ہوتے ہیں یا نہیں؟

باقی رہا دوسرا عذر یعنی اِنْ شرطیہ شک کے لئے آتا ہے۔ لہٰذا یہ استدلال شکی ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر حضرت ابوہریرہؓ کے کلمہ اِنْ شِئْتُمْ کہنے سے اس استدلال کو شک کی طرف نسبت کرسکتے ہیں تو یہی کلمہ اِنْ شِئْتُمْ اسی طرح تصدیق حدیث کے لئے آیت قرآنی کا حوالہ دیتے وقت خاص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بھی منقول ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت سے اوپر کی حدیثوں میں سے پانچویں حدیث صدر رقم میں گذر چکا ہے۔ پس اس نظر سے تو معاذ اللہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ناطق بالوحی کے استدلال کو بھی شک کی طرف نسبت کرسکنا منع نہ ہوگا (هَلْ هٰذِهٖ اِلَّا جُرْاَةٌ عَظِيْمَةٌ وَفِرْيَةٌ فَخِيْمَةٌ) اصل بات یہ ہے کہ ایسے موقع پر کلمہ اِنْ شِئْتُمْ اس بات کے لئے نہیں ہوتا کہ متکلم کو اپنے کلام کی تصدیق میں شک وتردد ہے۔ بلکہ مخاطبین کے حال کی نسبت یہ خیال کرکے کہ وہ زیادہ علم اور دلیل کے طالب ہیں۔ ان کی مزید اطمینان کے لئے آیت قرآنی کو پیش کیا۔

عیسیٰ پر پیشتر حضرت عیسیٰؑ کی موت کے اور حضرت عیسیٰ قیامت کے دن ان پر شاہد ہونگے) سے ان اہل کتاب پر جو زمانہ اخیر میں ہوں گے۔ اور حضرت عیسیٰ پر سچا ایمان لے آئینگے۔ بروز قیامت عیسیٰ علیہ السلام کی شہادت سے ثابت ہے تو معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اخیر زمانہ کے لوگوں میں آئینگے فالحمد للہ علی ھذا التوفیق انشاء اللہ اس آیت کی پوری تفسیر باب نزول المسیح میں کی جائے گی۔

اب اس سوال کی دوسری شق یعنے اللہ تعالیٰ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سوال أأنت قلت للناس قیامت کے روز کرنے کی مزید تفصیل بیان کی جاتی ہے

اوّل ۔ اذ اور اذا دو کلمے ظروف زمانیہ میں سے ہیں۔ اذ ماضی کے لئے آتا ہے اور کبھی بمعنے مستقبل بھی مستعمل ہوتا ہے۔ جیساکہ اذا مستقبل کے لئے اور کبھی ماضی کے لئے بھی آتا ہے۔ چنانچہ مغنی میں بحث اذا میں لکھا ہے :-

احدھما ان تجیٔ للماضی کما تجیٔ اذ للمستقبل مثال اذا بمعنٰی اذ آیت وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَائِمًا (پ جمعہ) ترجمہ اور جس وقت انہوں نے تجارت یا کھیل کا سامان دیکھا تو اس کی طرف اٹھ گئے اور تجھے کھڑے چھوڑ دیا۔ (۶۲ : ۱۱)

بقیہ حاشیہ گی ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کے سوال میں وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ یعنے یا الٰہی اس لئے نہیں پوچھتا کہ مجھے مُردوں کے زندہ ہوجانے میں کچھ شک ہے۔ نہیں زیادہ اطمینان اور تسلی دل کے لئے پوچھتا ہوں ؟

جو لوگ علوم میں گہری نگاہ رکھتے ہیں۔ اور مذاق صحیح اور فطرت سلیم والے ہیں۔ وہ اس مسئلہ کو خوب پہچانتے ہیں۔ اور اس سے لطف اٹھاتے ہیں۔ لیکن جن لوگوں کی سلامتی اپنے حال پر نہیں رہی۔ اور کجروی اور تعصب سے ان کا مذاق صحیح جاتا رہا ہے۔ ان کی سمجھ میں نہ آنے سے یہ بات غلط نہیں ہوسکتی ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ ؟ ۱۲ المصنف

Marfat.com

اور نیز آیت حَتّٰی اِذَا ضَاقَتْ عَلَیْھِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَیْھِمْ اَنْفُسُھُمْ (توبہ پ۱۱) ترجمہ: حتی کہ جس وقت زمین اُن پر باوجود فراخ ہونے کے تنگ ہوگئی۔ اور ان کی جانیں بھی ان کو گراں معلوم ہوئیں (۹: ۱۱۸) **مثال** اذ بمعنے اذا یعنے مستقبل آیت فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْٓ اَعْنَاقِھِمْ (مومن پ۲۴) ترجمہ: پس یہ لوگ اس وقت ضرور جان لیں گے۔ جب ان کی گردنوں میں طوق پڑیں گے۔ (۴۰: ۷۰) کیونکہ سوف جو خاص استقبال کے لئے موضوع ہے قرینہ موجود ہے۔

مثال دوم ؎ اِذْ مَا دَخَلْتَ عَلَی الرَّسُوْلِ فَقُلْ لَهٗ
حَقًّا عَلَیْکَ اِذَا اطْمَاَنَّ الْمَجْلِسُ (مفصل زمخشری)

کیونکہ صیغہ امر اس بات کا قرینہ موجود ہے کہ اذ بمعنے اذا ہے۔

مثال سوم ؎ ثُمَّ جَزَاكَ اللّٰهُ عَنِّیْ اِذْ جَزٰی ٭ جَنّٰتِ عَدْنٍ فِی السَّمٰوٰتِ الْعُلٰی

ترجمہ: جب خدا تعالےٰ جزا دینگے۔ تو تجھ کو میری طرف سے اونچے آسمانوں میں جنتیں عطا کرے۔ اس جگہ بھی اذ بمعنے اذا مستعمل ہوا ہے۔ بقرینہ جنّٰتِ عدنٍ۔ کیونکہ یہ سب قیامت کو ہوگا۔ اور قیامت زمان مستقبل میں ہوگی۔ نہ زمانہ ماضی میں ہو چکی ہے۔ (تفسیر خازن وقسطلانی شرح صحیح بخاری)

اسی طرح قرآن وحدیث وکتب لغت میں اس کی بہت مثالیں ہیں کہ اذ بمعنے اذا مستعمل ہوتا ہے۔ اور اذا بمعنے اذ۔ کتب نحو بھی اس کی تائید سے بھری پڑی ہیں۔ طالب تفصیل شرح مُلّا جامی۔ رضی شرح کافیہ۔ تکملہ مولنا ونحو نامولوی صاحب یا لکوٹی کا مطالعہ کرے۔

وجہ دوم | مضمون آیت وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰھَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عطف ہے۔ مضمون آیت اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ اذْکُرْ نِعْمَتِیْ عَلَیْکَ الآیۃ پر۔ اور اس سے پہلے جہاں سے یہ ذکر شروع ہوتا ہے یہ ہے یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ (مائدہ)

یعنی جس دن اللہ تعالیٰ کل رسولوں کو جمع کریگا۔ اور اُن سے پوچھے گا کہ لوگوں نے تم کو کیسے قبول کیا۔ اور کیا کچھ کہا تو وہ کہینگے کہ الٰہی ہم کو لوگوں کی نیتوں کی حقیقت اور اُن کے دلوں کے رازوں کا) کوئی علم نہیں۔ ہر بات کی حقیقت و راز سے واقف ہونا تیرا ہی خاصہ ہے" (۵:۱۰۹) پھر اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کو خاص طور پر خطاب کر کے کہیگا کہ اے مریم کے بیٹے عیسیٰ میری وہ خاص نعمتیں یاد کر جو میں نے تجھ پر اور تیری والدہ پر انعام کیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے وہ سب نعمتیں ذکر کی ہیں۔ اور نعمتوں کے ذکر کے بعد اصل مقصود کا بیان فرمایا۔ کہ اے مریمؑ کے بیٹے عیسیٰ! کیا لوگوں کو تو نے کہا تھا۔ کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوائے معبود مقرر کر لو۔ (۵:۱۱۶)

اب یَوۡمَ یَجۡمَعُ اللّٰہُ الرُّسُلَ سے تو صاف معلوم ہو گیا کہ یہ سارا معاملہ اس دن ہوگا جس دن اللہ تعالیٰ کل رسولوں کو جمع کریگا۔ اور وہ دن سوائے قیامت کے کونسا دن ہو سکتا ہے۔ اس کے نظائر قرآن شریف میں بکثرت ہیں مثلاً فَلَنَسۡـَٔلَنَّ الَّذِیۡنَ اُرۡسِلَ اِلَیۡهِمۡ وَلَنَسۡـَٔلَنَّ الۡمُرۡسَلِیۡنَ (اعراف ۱) یعنے جن لوگوں کی طرف ہم نے رسول بھیجے ہیں۔ ان کو اور خود رسولوں کو بھی ہم ضرور ضرور پوچھیں گے (۷:۶) اور یَوۡمَ نَدۡعُوۡا کُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمۡ (بنی اسرائیل ۸) یعنی جس دن ہم لوگوں کو ان کے امام (نبی وقت) سمیت بلائیں گے" (۱۷:۷۱) اور یَوۡمَ یَحۡشُرُهُمۡ وَمَا یَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ فَیَقُوۡلُ ءَاَنۡتُمۡ اَضۡلَلۡتُمۡ عِبَادِیۡ هٰۤؤُلَآءِ اَمۡ هُمۡ ضَلُّوا السَّبِیۡلَ (فرقان ۲) یعنی جس دن اللہ تعالیٰ ان مشرکین کو اور جن کی وہ اللہ تعالیٰ کے سوائے عبادت کرتے ہیں، ان سب کو جمع کریگا۔ تو ان سے کہیگا۔ کہ کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا وہ خود گمراہ ہو گئے تھے (۲۵:۱۷)

اور یَوۡمَ یَحۡشُرُهُمۡ جَمِیۡعًا ثُمَّ یَقُوۡلُ لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اَهٰۤؤُلَآءِ اِیَّاكُمۡ كَانُوۡا یَعۡبُدُوۡنَ (سبا ۵) یعنی جس دن اللہ تعالیٰ ان مشرکین کو جمع کرے گا۔ تو فرشتوں سے مخاطب ہو کر کہیگا۔ کہ کیا یہ لوگ تمہاری ہی عبادت کیا کرتے تھے؟ (۳۴:۴۰)

یہ سب آیتیں اس امر کی شاہد ہیں کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے سوائے معبود بنائے گئے ہیں، ان کو یہ سوال قیامت کو پوچھا جائیگا۔ اور اس دن پیغمبروں کو بھی تبلیغ اور لوگوں

Marfat.com

کی قبولیت کی بابت پوچھا جائیگا۔ تو چونکہ حضرت عیسیٰؑ بھی پیغمبر برحق ہیں۔ اور نیز اللہ تعالیٰ کے سوائے معبود بھی مانے گئے ہیں۔ اس لئے ان کو یہ سوال بروز قیامت ہوگا۔ نہ کہ اس سے پہلے ہو چکا ہے۔ دیگر یہ کہ اس سارے مذکور کے بعد هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ (مائدہ پ) موجود ہے یعنی "یہ وہ دن ہے جس دن صادقوں کو ان کا صدق نفع پہنچائیگا" (۵: ۱۱۹) اور یہ بھی قیامت ہی کا روز ہے۔

لوگوں اور رسولوں سے یہ سوال کرنے کی حکمت یہ ہے کہ رسول وقت کے سامنے اس کی اُمت پر تبلیغ رسالت ثابت کی جاکر ان پر حجت پوری کی جائے۔ "تاکہ عذاب میں گرفتار ہونے کی صورت میں کوئی عذر نہ کرسکیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ بطور استفہام کے سوال کرنے سے پاک ہے۔ پس اسی طرح نصاریٰ کے سامنے عیسیٰ علیہ السلام کو یہ سوال کرنا کہ کیا تو نے ان کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو خدا کے سوائے معبود مان لو۔ اس میں بھی یہی حکمت ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام ان کے روبرو تبلیغ رسالت اور تعلیم توحید کی شہادت دیں۔ اور نصاریٰ مشرکین پر الزام قائم ہو کر حجت پوری کی جائے۔ پس ضروری ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی اُمت دونوں حاضر ہوں اور یہ حاضری وسوال وجواب قیامت سے پہلے نہیں ہوسکتے۔ کیا (معاذاللہ) رسول برحق حضرت مسیح علیہ السلام بری از الزام کو شرمندہ کرنا مقصود ہے۔ کہ ان کی اُمت کی غیر حاضری میں عالم برزخ میں سوال کیا جائے۔ پس ان سب اگلے اور پچھلے قرائن اور دلائل سے صاف روشن ہوگیا کہ یہ سوال قیامت کو ہوگا۔ اور سب سے بڑھ کر آیت سورہ نساء وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا یعنی عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے دن ان (اہل کتاب) پر شاہد ہوں گے" تصریح روز قیامت میں ایسی عیاں ہے کہ محتاج بیان نہیں۔ اس سے زیادہ صراحت کیا ہو کہ اللہ تعالیٰ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ کا لفظ فرمادے۔ سُبْحَانَ رَبِّنَا۔ رَبَّنَا اٰمَنَّا۔

وجہ سوم۔ اس سوال کے قیامت کو ہونے کی صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں لکھا ہے کہ اس آیت اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰى أَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ میں قال بمعنے یقول

ہے یعنی معنی مستقبل ہے۔ اور جمہور مفسرین نے بھی اس امر کو تحقیق کیا ہے مثلاً تفسیر خازن۔ تفسیر سراج منیر وغیرہ وغیرہ۔ اور شارحین صحیح بخاری مثلاً حافظ ابن حجر اور علامہ قسطلانی رح اور علامہ عینی حنفی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے بلکہ حافظ عماد الدین ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اس آیت کے ذیل میں ایک مرفوع حدیث بھی لکھی ہے۔ کہ

قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا کان یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ دُعِیَ بالانبیاء واُمَمِھِمْ ثُمَّ یُدْعٰی یَا عِیْسٰی ابْنَ مَرْیَمَ فَیُذَکِّرُہُ اللّٰہُ نِعْمَتَہٗ عَلَیْہِ فَیُقِرُّ بِھَا فَیَقُوْلُ یٰعِیْسٰی ابْنَ مَرْیَمَ اذْکُرْ نِعْمَتِیْ عَلَیْکَ وَ عَلٰی وَالِدَتِکَ اَلْاٰیۃ ثُمَّ یَقُوْلُ اَانْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰھَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَیُنْکِرُ اَنْ یَکُوْنَ قَالَ ذٰلِکَ الحدیث (ابن کثیر)	"جب قیامت کا دن ہوگا۔ کل نبیوں اور امتوں کو بلایا جائے گا۔ پھر خاص طور پر عیسیٰ علیہ السلام کو پکارا جائے گا۔ پس اللہ تعالےٰ وہ نعمتیں جو اس نے اُن پر کی ہیں۔ ان کو یاد کرائیگا اور عیسیٰ علیہ السلام ان سب کا اقرار کریں گے۔ اللہ تعالےٰ کہیگا اے عیسیٰ ابن مریم میری وہ نعمتیں یاد کرو۔ جو میں نے تجھ پر اور تیری ماں مریم پر انعام کیں۔ پھر اللہ تعالےٰ فرمائیگا۔ کہ کیا تو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو خدا کے سوائے دو معبود مان لو؟ پس عیسیٰ اس بات کے کہنے سے انکار کریں گے"

پس جب خود اللہ تعالےٰ قرآن شریف میں یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ کی تصریح کردے۔ اور اس کا رسول بھی فرمادے اور علماء بھی اس کی تحقیق کریں۔ اور کتب نحو اور آیات قرآنی اور محاورات زبان بھی اذ کے معنے مستقبل ہونے کی شہادت دیں۔ تو اب اس کا انکار سوائے **ضلالت** کے اور کیا ہو سکتا ہے؟

فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ

سوال اگر کوئی یہ سوال کرے کہ صحیح بخاری میں آیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم روز قیامت کے ذکر میں فرماتے ہیں کہ "میری اُمت کے کچھ لوگوں کو دائیں بائیں سے پکڑا جائے گا" یُوْخَذُ بِرِجَالٍ مِنْ اَصْحَابِیْ ذَاتَ الْیَمِیْنِ

Marfat.com

وذات الشمال فاقول اُصَیحَابِی فَیُقَالُ اِنَّھُمْ لَمْ یَزَالُوا مُرتَدِّیْنَ عَلٰی اعقابھم منذ فارقتھم فاقول کما قال العبد الصالح عیسی ابن مریم وکُنتُ علیھم شَھِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْھِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْھِمْ الآیۃ (صحیح بخاری)

تو میں کہونگا۔ ہیں! یہ تو میری اُمت کے لوگ ہیں تو مجھے کہا جائیگا کہ نہیں یہ وہ ہیں۔ کہ جب سے تو ان سے جُدا ہوا (یعنے فوت ہوا) یہ دین سے برگشتہ ہوکر (موت تک) مرتد ہی رہے۔ تو میں کہوں گا جس طرح کہا ہو گا۔ عبد صالح عیسٰے علیہ السلام ابن مریم نے کہ الٰہی میں تو اُن پر شاہد اس وقت تک رہا جبتک ہیں ان کے بیچ موجود رہا جب تونے مجھے بھر لیا۔ تو صرف تو ہی ان پر نگہبان تھا"۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ عیسٰی علیہ السلام سے یہ سوال وجواب ہو چکا ہوا ہے۔ کیونکہ الفاظ حدیث یہ ہیں فَاَقُوْلُ کَمَا قَالَ اور قال فعل ماضی ہے۔ اور نیز اس حدیث سے یہ حاصل ہوا کہ عیسٰی علیہ السلام کی توفی موت سے ہوئی۔ کیونکہ جو الفاظ یعنے فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ عیسٰی علیہ السلام سے منقول ہیں وہی نبی صلعم کہینگے۔ اور معلوم ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی توفی موت سے ہوئی ھذا تقریر السوال

جواب

اس سوال کا کئی وجوہ سے ہے اوّل یہ کہ الفاظ فاقول کما قال میں قال کو بلفظ ماضی ذکر کرنا بناء برحکایت ہے اس قول سے جو قرآن شریف میں مذکور ہے۔ پس معنے یہ ہونگے کہ "کہونگا میں جس طرح کہ عیسٰی علیہ السلام کی نسبت قرآن شریف میں کہا گیا ہے کہ وہ یہ کہینگے۔ دیگر یہ کہ صحیح بخاری ہی سے ثابت ہو چکا ہے۔ کہ اس جگہ قال بمعنی یقول یعنے ماضی بمعنے مستقبل ہے پس معنے یہ ہوں گے: پس میں کہوں گا۔ جس طرح کہیگا عبد صالح عیسٰے علیہ السلام ؛ دیگر یہ کہ جب صحیح بخاری سے ثابت ہو چکا کہ اس جگہ ماضی بمعنے مستقبل ہے۔ تو قیامت کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا قول عیسٰی علیہ السلام کے قول سے پہلے ہو گا یا پیچھے۔ اگر پہلے ہو گا تو معنے یہ ہونگے۔ "کہوں گا میں جس طرح کہیگا عیسٰی علیہ السلام" اور اگر

نیچے ہوگا تو معنے یہ ہونگے "کہونگا میں جس طرح کہا ہوگا عیسیٰ علیہ السلام نے" پس اس صورت میں حضرت عیسیٰؑ کا قول بہ نسبت نبی صلعم کے قول کے قیامت ہی کو زمانہ ماضی میں ہو چکا ہوگا۔ پس قال کو ماضی کے صیغے سے ذکر کرنے سے اس قول کا قیامت سے پیشتر واقع ہونا ثابت نہ ہوا۔ دیگر لفظ ماضی کو یَقُوْلُ مستقبل کے معنے میں لینا خلاف قاعدہ نہیں بلکہ یہ تو زبان کا ایک عام قاعدہ ہے کہ جو امر ضرور بہ ضرور واقع ہو جانا ہو۔ اس کو صیغہ ماضی سے بیان کرتے ہیں۔ گویا اس کو دوسرے کی نظر میں ہوا ہوا جتانا مقصود ہوتا ہے۔ اس کی مثالیں قرآن شریف اور دیگر کتابوں میں بکثرت ہیں۔ اور نحویوں کے نزدیک اس مسئلہ کا نام نُفِخَ فِی الصُّوْرِ ہے۔ یعنی جس طرح آیت نُفِخَ فِی الصُّوْرِ میں نُفِخَ فعل ماضی ہے۔ اور معنے اس کے یُنْفَخُ فعل مستقبل کے ہیں۔ یہ لفظ جو فعل ماضی سے مستعمل ہوا ہے ایسا ہی ہے۔

مستقبل کو بہ سبب تحقق و توقع کے لفظ ماضی سے تعبیر کرنا زبان عربی ہی کا خاصہ نہیں بلکہ ہر زبان میں یہ محاورہ عام پایا جاتا ہے۔ جیسے ہماری اپنی ہندی زبان میں جب کوئی کسی کو بلاتا ہے۔ تو دوسرا شخص ان لفظوں سے جواب دیتا ہے "جی آیا جی"۔ حالانکہ وہ ابھی اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں ہوتا۔ اسی طرح جب کوئی کسی کو کسی کام پر بھیجے۔ اور سخت تاکید سے کہے جلدی جانا اور شتاب واپس آنا۔ تو اس کی تسلی کے لئے اور اپنی مستعدی اور شتابی ظاہر کرنے کے لئے اس کو یہ کہا جاتا ہے "بس جی یہ گیا اور وہ آیا" حالانکہ وہ اس کے روبرو ہی یہ سب کچھ کہہ سن رہا ہوتا ہے یہ صرف اس لئے ہوتا ہے کہ تا مخاطب کو اس امر کا ضرور بضرور واقع ہو جانا متیقن ہو جائے۔ پس آیت اِذْ قَالَ اللّٰہُ میں بھی صیغہ ماضی کا ذکر کرنا اسی قبیل سے ہے اس جگہ یہ امر بھی قابل ذکر ہے۔ کہ مرزا صاحب نے اپنے ازالہ میں جو کچھ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ میں لکھا ہے۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ اِذْ جب ماضی پر داخل ہوتا ہے تو اس کے معنے ماضی کے ہوتے ہیں"۔ اگر ان کی یہی مراد ہے۔ تو ظاہر ہے کہ مرزا صاحب علم نحو میں پختہ نہیں ہیں۔ صرف سادے طور پر چند مسائل جانتے ہیں۔ اور اس علم کی باریکیوں

Marfat.com

سے واقف نہیں ہیں۔ ثبوت اس کا یہ ہے کہ اذ کے مدخول علیہ کی ماضویت کی کوئی خصوصیت نہیں خواہ اس کا مدخول علیہ صیغہ ماضی ہو۔ خواہ صیغہ مضارع۔ یہ لفظ بحسب الوضع معنے ماضی میں ہوتا ہے۔ جیسے وَاِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ (احزاب پ۲۱) (۳۳ : ۱۲) اور کبھی مصروف عن المعنے الوضعی ہو کر بمعنے اذا مستعمل ہوتا ہے۔ جیسے کہ اذا موضوع ہے مستقبل کے لئے۔ اور کبھی بمعنے ماضی مستعمل ہوتا ہے۔ وقد تقدّم نظائر ذالک فلا طائل فی الاطالۃ[1] اگر کہا جائے کہ تمہارے اس بیان سے معلوم ہوا۔ کہ اگر اذ مضارع پر بھی آئے۔ تب بھی اس کے معنے ماضی ہوتے ہیں۔ تو اگر اذ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسٰی میں قال کو بمعنے یقول کہیں۔ تو پھر بھی وہ مضارع ماضی کے معنے میں ہو سکتا ہے تو اس کا جواب دو وجہ سے ہے۔ اوّل یہ کہ اذ مضارع کے لفظ پر داخل ہو کر اس کو ماضی کے معنے میں کر دیتا ہے نہ مضارع کے معنے پر داخل ہو کر۔ اسی لئے تقریر میں صیغہ مضارع کہا گیا ہے۔ اور یہاں آیت میں تو قال لفظ مضارع نہیں۔ بلکہ ماضی بمعنے مضارع ہے۔ اور اس قال کو مضارع کے معنے میں ہونے کی وجہیں پہلے گذر چکی ہیں۔

دوم یہ کہ صحیح بخاری میں اس امر کی بابت لکھا ہے کہ یہ قصہ یعنے زائد ہے۔ غرض کسی طرح لو۔ اس قول کا وقوع قیامت ہی کو ہوگا۔

باقی رہی سوال کی شق ثانی یعنے ہر دو پیغمبروں کے لئے لفظ توفی کا آنا اور اس پر لفظ کما کا داخل ہونا۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ کلمہ کما کے ماقبل و مابعد کے لئے ضروری نہیں۔ کہ وہ ہر طرح اور ہر وصف اور ہر حکم میں ایک جیسے ہوں بلکہ بسا اوقات اُن کی کیفیتوں میں بہت مغائرت ہوتی ہے۔ مثلاً آیت کَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُہٗ (انبیاء پ۱۷) یعنے جس طرح ہم نے پہلی دفعہ پیدا کر لیا تھا۔ اسی طرح پھر دوسری دفعہ بھی پیدا کریں گے۔ (۲۱ : ۱۰۴) جو اسی حدیث صحیح بخاری میں موجود ہے۔ اس پہلی دفعہ کی پیدائش اور قیامت کی پیدائش کو کلمہ کما (جس طرح) سے ذکر کیا۔ تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلیگا کہ پہلی دفعہ ماں کے پیٹ سے باپ کے

[1] اس کی مثالیں پہلے بیان کی جا چکی ہیں پس (اب) طول دینے کا کوئی فائدہ نہیں۔ عبد المجید مدیر۔

Marfat.com

نطفے سے پیدا ہوتے تھے۔ تو پھر قیامت کو بھی اسی طرح پیدا ہوں گے۔ معاذ اللہ پہلی اور پچھلی پیدائش کی مماثلت صرف اس امر میں جتلائی گئی ہے۔ کہ یہ دونوں باتیں اللہ تعالیٰ کی قدرت میں داخل ہیں جس طرح پہلی دفعہ کی پیدائش کو تم دیکھ چکے۔ اسی طرح دوسری دفعہ موت کے بعد زندہ کرنا بھی اس خالق علیم کی قدرت سے باہر نہیں۔ بلکہ اس میں داخل ہے۔ اسی طرح فاقول کما قال العبد الصالح میں جو لفظ کما مذکور ہے۔ وہ تو صرف اس بات کے اظہار کے لئے ہے کہ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام شرک کی تعلیم سے براءت حاصل کریں گے۔ اسی طرح میں بھی براءت حاصل کروں گا۔ اور اس کے نظائر قرآن و حدیث اور کتب ادب میں بکثرت ہیں۔

اگر کہا جائے۔ کہ ہم نے مان لیا کہ کلمہ کما کے ماقبل و مابعد کا ہر طرح سے ایک دوسرے کا مماثل و مشارک ہونا ضروری نہیں۔ مگر جبکہ دونوں پیغمبروں کے لئے ایک ہی لفظ توفی آیا ہے۔ تو اب ہم کس دلیل سے رسول اللہ صلعم کی توفی کو تو موت کہیں اور حضرت عیسیٰ کی توفی کو رفع آسمانی سے تعبیر کریں۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ مجھے خاص کر پہلے باب میں بہت تفصیل سے ثابت ہو چکا ہے۔ کہ توفی جنس ہے۔ اور موت اور رفع وغیرہ اس کی انواع ہیں۔ پس جس لفظ کے مفہوم میں کئی معنے ہوں اس کو ایک معنے میں متعین کرنے کے لئے قرائن اور حالات مخصوصہ اور دلائل خارجیہ پر نظر کرنی پڑتی ہے۔ جیسے کہ اسی آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي سے پیشتر تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ (مائدہ پ) یعنے یا اللہ! میرے نفس میں جو کچھ ہے تو اسے خوب جانتا ہے لیکن جو کچھ تیرے نفس میں ہے۔ میں اسے ہرگز نہیں جانتا۔ (۵: ۱۱۶) اس آیت میں عیسیٰ علیہ السلام (بندے) اور اللہ پاک کے لئے ایک ہی لفظ نفس وارد ہوا ہے۔ تو کیا اس سے یہ لازم آیا کہ معاذ اللہ! عیسیٰ علیہ السلام کا نفس اور پاک اور بے مثل نفس الٰہی ایک جیسے ہیں معاذ اللہ! تعالی اللہ عن ذالک عُلُوًّا کَبِیْرًا۔ اسی طرح گو ایک ہی لفظ (توفی) دونوں پیغمبروں کیلئے مستعمل ہے۔ مگر ہر دو کے حالات مخصوصہ جو دلائل خارجیہ سے ثابت ہیں۔ ان پر

Marfat.com

نظر کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی توفی رفع آسمانی سے ہوئی۔ اور رسول اللہ صلعم کی توفی موت سے ہوئی۔

حضرت عیسٰے علیہ السلام کی توفی بالرفع ہونے کے دلائل حصہ اول میں بہ بسط مذکور ہو چکے ہیں۔ جیسے آیت اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ الآیہ اور بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ طالب تفصیل اس کتاب کا مطالعہ کرے۔ اور رسول اللہ صلعم کی توفی بالموت کی دلیل حدیث صحیح بخاری جو باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومرضہ میں موجود ہے اور نیز دیگر احادیث مثلاً نبی صلعم کے غسل اور کفن اور جنازے کی۔

پس آیت فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ سے بھی مرزا صاحب کی مراد کے موافق حضرت عیسٰے علیہ السلام کی موت ثابت نہ ہوئی۔ بلکہ اس کے خلاف رفع آسمانی ثابت ہوا۔ فالحمد للہ۔

قسم اول میں سے تیسری آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ ہے۔

یہ آیت حضرت عیسٰی علیہ السلام کے رفع آسمانی کے لئے نص قطعی ہے۔ اور اس کی پوری تفصیل حصہ اول میں ہو چکی ہے۔ اور اس کے متعلق مرزا صاحب کے سب خیالات کو عقلی اور نقلی طریق سے غلط ثابت کر دکھایا ہے۔ اس کے جواب میں اگر مرزائی صاحبان مدتوں سر دھنتے رہیں۔ اور زمانوں کوشش کرتے رہیں۔ تو بھی کبھی کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ انشاءاللہ۔

مرزا صاحب کے طریق استدلال پر تعجب آتا ہے۔ کہ کیسی دلیری اور بیباکی سے آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ کو حضرت عیسٰی علیہ السلام کی موت کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔ کیا اہل علم و دانش دنیا سے معدوم ہو گئے ہیں!

کس نیاید بزیر سایۂ بوم
ور ہما از جہاں شود معدوم

اس آیت سے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی موت کو ثابت کرنا ایسا ہے جیسے بعض عیسائیوں نے قرآن شریف سے حضرت عیسٰے علیہ السلام کی الوہیت ثابت

Marfat.com

کرنی چاہی ہے۔ جب ہم اس آیت کے متعلق مرزا صاحب کی تقریر پڑھتے ہیں تو ہمیں بے اختیار ہنسی آتی ہے۔ اور خیال آتا ہے کہ مرزا صاحب کی حالت دو صورتوں سے خالی نہیں یا تو آپ علوم عربیہ سے ناواقف ہیں یا جان بوجھ کر ان علوم کا خلاف کرتے ہیں۔ دوسری صورت پر ظن غالب ہے۔ کیونکہ بالفرض اگر خود ناواقف بھی ہوں تو بھی متبحر علما کے اتنی مدت تک مفید کتب میں تصنیف کرنے سے ایک کم علم انصاف پسند بھی صحیح مراد سے واقف ہو جاتا ہے۔ چہ جائیکہ مرزا صاحب ہوں جو معارف قرآنیہ کے سب سے بڑھ کر مدعی ہیں۔

مرزا صاحب نے اس آیت سے موت ثابت کرنے کے لئے جو طریق اختیار کیا ہے وہ علاوہ غلط اور ضعیف ہونے کے خود ان کے مقصود کے بھی خلاف ہے۔ آپ لکھتے ہیں:-

"جاننا چاہئے کہ اس رفع سے مراد وہ موت ہے جو عزت کے ساتھ ہو جیسا کہ دوسری آیت اس پر دلالت کرتی ہے۔ وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا" پھر تحریر فرماتے ہیں:-

"لہٰذا یہ امر ثابت ہے کہ رفع سے مراد اس جگہ موت ہے۔ مگر ایسی موت جو عزت کے ساتھ ہو۔ جیسا کہ مقربین کے لئے ہوتی ہے کہ بعد موت ان کی روحیں علیین تک پہنچائی جاتی ہیں۔ فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُقْتَدِرٍ۔ انتہی۔

مرزا صاحب کا اصل مقصود یہ ہے کہ اس آیت بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ سے حضرت عیسے علیہ السلام کی رفع آسمانی ثابت نہ ہو۔ اسی لئے کئی دفعہ کہا کرتے ہیں کہ جسم عنصری کے اٹھائے جانے کی کوئی دلیل نہیں اور نہ آسمان کی تصریح ہے۔ تو پھر ضرور رفع روحانی اور عزت کی موت مراد لی جائیگی۔

"ازالۂ اوہام" کی جو عبارت اوپر نقل کی گئی ہے۔ اس سے اس امر کا فیصلہ آسانی سے ہو سکتا ہے۔ کہ رفع کے معنے اٹھانا اور الیہ کے معنے آسمان کی طرف مرزا صاحب کے نزدیک مسلم ہیں۔ کیونکہ آپ جب ارواح کے اٹھائے جانے کے قائل ہیں۔ تو اس صورت میں رفع کے حقیقی معنے اٹھانا ثابت ہیں اور چونکہ ارواح کا اٹھایا جانا آسمان کی طرف ہوتا ہے جب کہ آپ بھی اسے علیین کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔

Marfat.com

اس لئے آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں آسمان کی طرف حقیقی طور پر اٹھایا جانا آپ کے نزدیک مسلّم ٹھیرا۔ اب تنازع صرف اس امر میں رہا کہ کیا چیز اٹھائی گئی؟ آیا خود مسیح علیہ السلام مع جسم اُٹھائے گئے۔ یا صرف آپ کی روح؟ سو اس کا صاف بیان اس طرح ہے کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ (نساء پ) یعنے یہودیوں پر ان کے اس قول کے سبب لعنت پڑی کہ تحقیق ہم نے ضرور ضرور مسیح ابن مریمؑ رسول اللہ کو قتل کر دیا اور انہوں نے اس کو نہ تو قتل کیا اور نہ صلیب پر کھینچا؟ (۴: ۱۵۷)

اور ظاہر ہے کہ قتل کرنے اور صلیب پر کھینچنے کے قابل جسم ہوتا ہے نہ روح۔ پس یہود کا دعوٰے قتل مسیح علیہ السلام کے جسم کی نسبت ہوا۔ اور اللہ تعالےٰ نے بھی قتل اور صلب کی نفی جسم مسیح علیہ السلام کی نسبت کی۔ پس چونکہ سب منصوب ضمیریں جو وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ اور وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں پائی جاتی ہیں۔ ان سب کا مرجع المسیح ہے۔ اس لئے ضرور ضرور مسیح علیہ السلام کے جسم کا اُٹھایا جانا ماننا پڑیگا۔ کیونکہ جس چیز کی نسبت یہود دعوے کرتے تھے۔ کہ ہم نے اس کو قتل کر دیا۔ اسی کی نسبت اللہ تعالےٰ تردید کے طور پر فرماتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اسے آسمان پر اٹھا لیا۔ اور چونکہ ان کا دعوٰے جسم کے قتل و صلب کی نسبت تھا اس لئے اللہ تعالےٰ نے بھی جسم ہی کو ان کی گزند سے بچانے کے لئے اٹھایا۔ جیسا کہ فرمایا:۔

وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا یعنے میں تجھ کو کفار سے پاک رکھونگا۔ (آل عمران پ ۳) (۳: ۵۵)

اس مقام پر مرزا صاحب کا آیت وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا کو پیش کرنا بالکل بے محل ہے۔ اور اس سے ان کا مقصود بالکل حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ رَفَعَ کے معنے "عزت کی موت" نہ تو بشہادت لغت ثابت ہے۔ اور نہ یہ لفظ عرف عام اور عرف شرع میں ان معنوں میں پایا گیا ہے۔ اور نہ یہ کسی فن کی اصطلاح ہے تو پھر مرزا صاحب کس قاعدے سے اس سے عزت کی موت مراد لیتے ہیں۔ لغت میں رفع کے معنے ہیں۔ برداشتن یعنے اوپر اٹھانا۔ اور اس کی ضد ہے وضع اور خفض

Marfat.com

یعنی نیچے رکھنا جیسے کہ صراح اور نیز مصباح میں لکھا ہے اور اس کی تحقیق حصہ اوّل میں بالتفصیل گذر چکی ہے۔ باقی رہی حضرت ادریسؑ کے رفع کی صورت۔ سو قرآن شریف نے انہی لفظوں میں اس کا بھی فیصلہ کر دیا ہے۔ کہ اس سے مراد رفعت منزلت ہے۔ کیونکہ جب رفع کے ساتھ کوئی لفظ جو بلندی رتبہ پر دلالت کرے مذکور ہو۔ تو اس کے مجازی معنے بلندی درجہ لئے جاتے ہیں۔ جیسے کہ آیت وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ اور اس جیسی دیگر آیات سے ظاہر ہے۔ پس چونکہ اس کے آگے ہی مَكَانًا عَلِيًّا کی تصریح مذکور ہے۔ اس لئے اس کے معنے اس قرینے سے یہ ہوں گے کہ "عزت دی ہم نے اس کو بلند رتبے پر"۔

اس بیان سے دو امر برخلاف مقصود مرزا صاحب ثابت ہوتے۔ اوّل یہ کہ رفع کے معنے عزت کی موت نہیں ہوتے۔ دوم یہ کہ رفع سے مراد بلندی رتبہ تب لئے جاتے ہیں جب اس کے ساتھ کوئی قرینہ پایا جائے ورنہ نہیں۔

مرزا صاحب نے مقربین کی ارواح کے علیین تک اٹھائے جانے میں یہ آیت پیش کی ہے۔ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ۔ مرزا صاحب کا یہ استدلال بھی ٹھیک نہیں کیونکہ اس سے پیشتر یہ ہے اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ (قمر ع۳) یعنی پرہیزگار لوگ باغوں اور نہروں میں ہونگے اقتدار والے بادشاہ کے پاس صداقت کے گھر (بہشت) میں" (۵۴:۵۴۔۵۵)

پس پہلی آیت کے ساتھ ملانے سے واضح ہو گیا۔ کہ اس میں پرہیزگاروں کے لئے جنت میں داخل ہونے کی بشارت ہے۔ اور یہ سب کچھ بروز قیامت ہوگا پس مرزا صاحب کا اس آیت سے یہ استدلال کرنا کہ موت کے وقت پرہیزگاروں کی روحیں علیین پہ پہنچائی جاتی ہیں۔ صحیح نہ ہوا۔ کیونکہ اس آیت میں اس امر کا ہرگز ذکر نہیں۔

چوتھی آیت وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا (نسآء ع۲۲) (۴:۱۵۹) مرزا صاحب نے برخلاف مراد الٰہی اس آیت سے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت قبل النزول ثابت کرنی چاہی ہے۔

Marfat.com

حالانکہ یہ آیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے لئے قطعی الدلالت آیت ہے۔ اور نیز آپ کے نزول کی صاف شہادت دیتی ہے۔ جیسا کہ عنقریب ثابت کیا جائے گا ان شاء اللہ۔

مرزا صاحب نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے :" اور کوئی اہل کتاب میں سے ایسا نہیں جو ہمارے اس بیان مذکورہ بالا پر جو ہم نے اہل کتاب کے خیالات کی نسبت ظاہر کیا ہے ایمان نہ رکھتا ہو قبل اس کے جو وہ اس حقیقت پر ایمان لاوے کہ مسیح اپنی طبعی موت سے مر گیا :" الخ (ازالہ جلد اول صفحہ ۸۸، تقطیع کلاں)

ناظرین! پیشتر اس کے کہ ہم اس آیت کی صحیح تفسیر ذکر کریں۔ اور آپ کو ثابت کر دکھائیں کہ مرزا صاحب کا استدلال بالکل غلط بلکہ باطل ہے (کیونکہ اس میں تو مرزا صاحب کی مراد کے خلاف عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کا بیان ہے۔ اور نیز ان کے دعوائے مسیحیت کے خلاف عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا ذکر ہے) ہم آپ کی باانصاف توجہ اس ترجمہ کی طرف پھیرنا چاہتے ہیں۔ جو ہم نے ازالہ اوہام تقطیع کلاں ص ۱۸۷/۱۸۸ جلد اول میں سے اوپر نقل کیا ہے۔ مرزا صاحب نے :" نہ تو قواعد و محاورات زبان کا خیال کیا ہے۔ اور نہ قرآن شریف کے الفاظ کا لحاظ کیا ہے بلکہ اپنے خیال کے پیرو ہو کر جو کچھ جی میں آیا کہہ دیا ہے اگر خواہش نفسانی یہ نہیں۔ تو پھر کس چیز کا نام ہے؟ اللہ اکبر! اگر قرآن شریف کا ترجمہ اسی طرح کرنا درست قرار دیا جائے۔ کہ ایک امر کو پہلے اپنے جی میں ٹھان لیں۔ اور پھر الفاظ کو موڑ توڑ کر اس کے مطابق کرنے کی کوشش کریں۔ تو پھر شاید کسی اُلٹی سے اُلٹی اور باطل سے باطل بات کو بھی ثابت کر لینا مشکل نہیں ہو گا۔ مخاطب و سامع کے لئے ضروری ہے کہ اپنے خیال کو متکلم کے الفاظ کے تابع رکھے۔ نہ یہ کہ متکلم کے الفاظ کو اپنے خیال کے پیچھے پیچھے جدھر چاہے کھینچے جائے۔ ترجمہ کرنے کا صحیح طریق یہی ہے کہ پہلے مفردات کے معانی پر غور کیا جائے۔ اور پھر ان کی باہمی ترکیب و تعلق کو زیر نظر رکھ کر مراد کو سمجھا جائے۔ مرزا صاحب اس طریق کے بالکل خلاف چلتے ہیں۔ تب ہی رفع اور حیات اور نزول کے ثابت کرنے والی آیات سے موت سمجھتے ہیں۔

جہاں تک میں نے مرزا صاحب اور آپ کی پارٹی کی تصنیفات کا مطالعہ کیا ہے

Marfat.com

اور جہانتک مجھے ان کی پارٹی کے بعض مولویوں سے بحث کرنے کا اتفاق ہوا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ ان کی جماعت میں ابھی تک تین آیتوں کے ترجمہ کا فیصلہ نہیں ہوا۔ ہمیشہ ان کے ترجمہ میں تنسیخ و ترمیم ہوتی رہتی ہے جس سے دفع الوقتی کا فائدہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اور بات کسی ٹھکانے نہیں لگتی۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ان آیتوں میں مرزا صاحب کے مذہب اور دعوے کی تردید صاف طور پر مصرح ہے پس ان کو ہمیشہ اس بات کی فکر لگی رہتی ہے۔ کہ ان آیتوں کے مطالب کو پھیرپھار کر ایسے طریق پر بیان کیا جائے۔ کہ اپنے اوپر حجت پوری نہ ہو۔ اور چونکہ جو معنے وہ کرتے ہیں۔ وہ بلحاظ قواعد مقررہ کسی صورت سے ٹھیک نہیں بیٹھتے۔ اس لئے ہر وقت ان کے ردوبدل کی نسبت اُن کی طبیعت میں تردد رہتا ہے۔ اور ہمیشہ گرگٹ کی طرح نئے رنگ بدلتے ہیں"

اوّل ان تین آیتوں میں سے وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ۔ دوم یہی آیت وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ۔ سوم سورۃ زخرف کی آیت وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ

حصہ اوّل (شہادت القرآن) مـ۱ میں گذر چکا ہے کہ آیت وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا کے صحیح معنے یہی ہیں کہ آئندہ زمانہ میں ایک ایسا وقت آنے والا ہے جس میں سب اہل کتاب حضرت عیسٰی علیہ السلام پر ضرور آپ کے مرنے سے پہلے ایمان لائینگے اور آپ اُن پر قیامت کے دن شاہد ہوں گے"

موافق محاورہ زبان عرب و قواعد علم نحو اس آیت کے صحیح معنے یہی ہیں اور جتنے معنے اس کے سوا لیتے ہیں وہ سب غلط ہیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے۔ کہ لَيُؤْمِنَنَّ میں نون ثقیلہ بالام تاکید آیا ہے۔ اور جملہ کتب نحو کیا متن اور کیا شروح سب میں بالاتفاق مذکور ہے۔ کہ نون تاکید مضارع کو خاص استقبال کے لئے کر دیتا ہے۔ اور ماضی اور حال کے لئے نہیں آتا۔ اس مسئلہ میں کسی امام لغت و نحو کو خلاف نہیں نہ کسی آیت قرآنی یا حدیث نبوی صلعم یا کلام عرب میں اس کے خلاف نون

ملہ طبع سوم و چہارم مـ۱۹۲۳

تاکید کا استعمال پایا گیا ہے۔ چنانچہ امام ابن ہشام نحوی اپنی کتاب مغنی اللبیب میں فرماتے ہیں واما المضارع ان کان حالا لم یؤکد بهما وان کان مستقبلا اُکِّدَ بهما وجوبًا نحو قوله تاللّٰه لَاَکِیْدَنَّ اَصْنَامَکُمْ (مغنی جلد ثانی صـ۳۲) یعنی مضارع کا صیغہ (جو حال و استقبال دونوں کے لئے آتا ہے) جب حال کے معنے میں ظاہر ہو تو نون تاکید ثقیلہ و خفیفہ اس پر نہیں آسکتے۔ اور اگر مستقبل کے معنے میں ہو تو پھر نون کے ساتھ اس کی تاکید واجب ہوتی ہے۔ جب کوئی کلمہ قسم کا آیا ہو"

اسی طرح علامہ رضی شرح کافیہ میں تحریر کرتے ہیں واما فی المستقبل الذی هو خبر محض فلا یدخل الا بعد ان یدخل علی اول الفعل مایدل علی التوکید ایضًا کلام القسم انتهٰی۔ یعنی جو مستقبل صرف خبری ہی ہو۔ اس پر نون تاکید کا نہیں آتا۔ مگر اس وقت جبکہ فعل کے پہلے کوئی ایسا کلمہ ہو جو تاکید پر دلالت کرے۔ جیسے لام قسم۔

اسی طرح اس قاعدہ کی نسبت۔ مفصل زمخشری اور کافیہ ابن حاجب اور الفیہ ابن مالک اور شرح ملا جامیؒ اور تکملہ مولانا عبدالحکیمؒ وغیرہ جملہ کتب نحو میں ایسا ہی مذکور ہے۔

مرزا صاحب نے اس آیت کے جو معنے کئے ہیں وہ تو اوپر بیان ہو چکے ہیں اور ناظرین معلوم کر چکے ہیں۔ کہ وہ علاوہ قواعد زبان عرب کے رُو سے غلط ہونے کے الفاظ قرآن سے بھی کس قدر دور اور نرالے ہیں۔ اب مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس آیت کے متعلق مولوی محمد احسن صاحب فاضل امروہی اور مولوی مبارک علی صاحب سیالکوٹی نے جو گل کھلائے ہیں اور قواعد نحویہ کی جو رعایت رکھی ہے۔ اس کو بیان کیا جائے۔ تاکہ ناظرین کو معلوم ہو جائے کہ مرزائی پارٹی اس آیت کے ترجمے میں کیسی حیران و سرگرداں ہے۔ چنانچہ مولوی مبارک علی صاحب اپنے رسالہ القول الجمیل صـ۲۸ میں اس آیت کا ترجمہ اس طرح لکھتے ہیں :-

"اور ان اہل کتاب میں سے ہر ایک شخص کے لئے ضروری ہے کہ اس بات کو اپنے جانے کے پیشتر ہی تسلیم کرے کہ مسیح کی ہڈی نہیں توڑی گئی۔ اس واسطے وہ صلیب پر نہیں مرا ورنہ یہ تو آخر کو ہونا ہی ہے۔ کہ مسیح جس کی نسبت یہ وہم ولگ ان بھرے ہوئے اعتقادیات اہل کتاب نے تسلیم کر رکھے ہیں ان کا حال تبلاویگا۔ اور ان کے برخلاف قیامت کے دن اظہار دیگا۔ اس وقت سب اپنی غلطی سے واقف ہو جائینگے"

ناظرین! علاوہ اس امر کے کہ مولوی صاحب کا یہ ترجمہ قرآن شریف کے الفاظ اور قواعد زبان سے کس قدر اجنبی ہے۔ آپ اپنی توجہ اس طرف مبذول فرمائیں۔ کہ یہ ترجمہ مرزا صاحب کے اپنے ترجمے سے کیسا صاف نرالا ہے۔ یہ عجیب امر ہے کہ رسول قادیانی کچھ ترجمہ کرتا ہے۔ اور اس کے اُمتی کچھ اور ہی راگنی گاتے ہیں۔ ان کا آپس ہی میں اتفاق نہیں تو ہم کس کی مانیں؟ یہ ظاہر ہے کہ مولوی صاحب نے اس مقام پر لَیُؤْمِنَنَّ کے معنے صیغہ امر کے کئے ہیں۔ کیونکہ اُنھوں نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے "ضروری ہے کہ اس بات کو تسلیم کرے"

جہانتک ہمیں تجربہ ہے۔ مولوی صاحب ہمارے بیان سے تو ضرور چڑیں گے اور بوجہ مخالفت کے سیدھے کو بھی ٹیڑھا جانیں گے۔ اور اپنی غلطی کا ہرگز اعتراف نہ کرینگے اس لئے ناظرین! میں آپ کی خدمت میں التماس کرتا ہوں کہ آپ میں سے کوئی صاحب ان کو یہ سمجھائیں۔ کہ مولوی صاحب! بیشک آپ علمی لیاقت کا تو سب سے بڑھ کر دعوے کرتے ہیں۔ اور اپنے مقابلہ میں کسی کو نہیں جانتے۔ مگر یہ تو بتلایئے۔ کہ آپ نے کس قاعدے سے پہچانا کہ لَیُؤْمِنَنَّ صیغہ امر غائب مؤکد بنون تاکید ہے؟

ہا! ہا!! سچ ہے جان بوجھ کر حق کے خلاف چلنے اور ضد اور تعصب سے باطل کی پیروی کرنے سے علم و عقل دونوں جاتے رہتے ہیں۔ مولوی صاحب! یہ امر کا صیغہ نہیں ہے آپ صرف میر وغیرہ ابتدائی کتابوں کا مطالعہ کریں کہ امر کا لام مکسور ہوتا ہے اور آیت میں تو مفتوح ہے۔

اسی طرح فاضل امروہی نے اور ہی گل کھلایا۔ اور اپنی فضیلت کی پگڑی کو داغ لگایا

چنانچہ مباحثہ دہلی کے متعلق آپ بعنوان "بحث لام تاکید بانون تاکید ثقیلہ" لکھتے ہیں۔ (دیکھو الحق سیالکوٹ جلد اوّل نمبر ۸ صفحہ ۱۲):-

"ازہری وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ لام تاکید کا حال کے واسطے آتا ہے۔ اب تسلیم کیا۔ کہ فقط نون تاکید صرف استقبال کے واسطے ہے لیکن جبکہ کسی صیغہ میں لام تاکید بھی موجود ہو جو حال کے واسطے آتا ہے۔ اور نون تاکید بھی ہو چنانچہ ماضی فیہ میں ہے۔ تو وہاں پر خالص استقبال بالضرور ہونے کی کیا وجہ۔ اس کی کوئی دلیل مولوی صاحب نے نحو سے ارشاد نہیں فرمائی۔ اور تقریب دلیل محض ناتمام رہی۔ یہ مانا کہ صرف نون تاکید استقبال کے واسطے نحو میں لکھا ہے۔ امر۔ نہی۔ استفہام۔ تمنی۔ عرض وغیرہ ان میں صرف نون تاکید ہوتا ہے۔ بغیر لام تاکید کے۔ پس ان صیغوں میں صرف استقبال ضرور مراد ہو سکتا ہے۔ لیکن جس صیغہ میں لام تاکید بھی ہو۔ اور نون تاکید بھی۔ اس میں خالص ہونے استقبال کی کیا دلیل ہے۔ انتہیٰ "

فاضل امروہی صاحب کی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ ن ثقیلہ کا مضارع کو استقبال کے معنوں میں کر دینا تو مسلم ہے۔ مگر چونکہ لام تاکید کا حال کے واسطے آتا ہے اور لَيُؤْمِنُنَّ پر لام تاکید اور نون تاکید ہر دو آئے ہیں۔ اس لئے اس صیغہ کو حال اور استقبال دونوں کے لئے سمجھنا چاہیئے۔ نہ کہ خالص استقبال کے لئے" جب علم نحو کے ابتدائی مسائل میں مولوی محمد احسن صاحب جیسے جید علماء کو ایسا التباس و اشتباہ واقع ہو۔ جو علوم رسمیہ میں خود مرزا صاحب اور مولوی حکیم نور الدین صاحب سے کئی درجے زیادہ لائق ہیں۔ تو ہم اس پارٹی کی لیاقت علمی اور عقل و دانش کے کیسے قائل ہوں۔ بھلا مولوی مبارک علی صاحب کی نسبت تو یہ گمان بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے ناواقفی کی وجہ سے لَيُؤْمِنَنَّ کو امر کا صیغہ سمجھ لیا ہے۔ مگر مولوی محمد احسن صاحب کی فضیلت میں ایسا گمان تو بہت بعید ہے۔ ان کو اس لام قسم اور لام حال میں کیوں

---

[1] یعنی فاضل بے نظیر مولانا محمد بشیر سہسوانی جن سے دہلی میں مرزا صاحب کا مباحثہ ہوا تھا۔ اور مرزا صاحب اسی نون ثقیلہ کے بوجھ سے ایسے گھبرائے کہ برخلاف شرائط مقررہ بحث کو ناتمام چھوڑ کر بھاگ گئے تھے ۱۲ منہ

اشتباہ ہوا۔ آخر ماننا پڑیگا۔ کہ فاضل امروہی صاحب نے جان بوجھ کر خلق خدا کو مغالطہ میں ڈالنا چاہا ہے۔ لیجئے۔ ہم فاضل امروہی صاحب کو ایک ایسی بات یاد کراتے ہیں جو وہ بوجہ پیری کے بھول گئے ہیں۔

امروہی صاحب! لَیُؤْمِنُنَّ میں لام بمعنے حال نہیں ہے۔ بلکہ یہ لام قسم کا ہے۔ اور استقبال خبری پر نون تاکید آنے کے لئے اس سے پہلے کوئی ایسا کلمہ ضروری ہے۔ جو قسم پر دلالت کرے۔ کیونکہ جو استقبال محض خبر ہو۔ اس پر نون تاکید بغیر اس کے نہیں آسکتا۔ کہ اس کے اول میں ایسا کلمہ ہو جو تاکید پر دلالت کرے اور جو لام حال کے لئے آتا ہے۔ اس کے ساتھ نون تاکید نہیں آسکتا۔ کیونکہ نون تاکید استقبال کے لئے آتا ہے۔ اور حال کی تاکید نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ اس کی مفصل بحث شیخ زادہ حاشیہ بیضاوی میں اس طرح ہے۔ کہ:۔

واعلم ان الاصل فی نون التاکید ان تلحق بآخر فعل مستقبل فیہ معنی الطلب کالامر والنہی والاستفہام والتمنی والعرض نحو اضربن زیدا ولا تضربن وہل تضربنہ ولیتک تضربن مثقلۃ ومخففۃ واختص بما فیہ معنی الطلب لان وضعہ التاکید والتاکید انما یلیق بما یطلب حتی یوجد ویحصل فیغتنم ہو بوجدان المطلوب ولا یلیق بالخبر المحض لانہ قد وجد وحصل فلا یناسبہ التاکید واختص بالمستقبل لان الطلب انما یتعلق بما لم یحصل بعد ویحصل وہو المستقبل بخلاف الحال والماضی لحصولہما والمستقبل الذی

نون تاکید کے متعلق اصل قاعدہ یہ ہے۔ کہ جس فعل مستقبل میں طلب کے معنے پائے جائیں اس کے آخر میں آئے۔ مثلاً امر۔ نہی۔ استفہام۔ تمنی اور عرض۔ اور یہ طلب کے معنے والے فعل سے اس لئے مختص ہے۔ کہ اس کی وضع تاکید کے لئے ہے۔ اور تاکید اس کے ساتھ مناسب ہوتی ہے جس میں طلب پائی جائے۔ تاکہ وہ حاصل اور موجود ہو۔ اور محض خبر کے مناسب نہیں کیونکہ وہ حاصل وموجود ہوتی ہے۔ اور مستقبل کے ساتھ اس لئے مختص ہے کہ طلب اس کے متعلق ہوتی ہے۔ جو ابھی حاصل نہ ہو۔ اور یہ بات مستقبل میں پائی جاتی ہے۔ برخلاف حال

Marfat.com

ھو خبر محض کلا تلحق نون التاکید باخرہ الا بعد ان یدخل علی اول الفعل ما یدل علی التاکید کلام القسم وان لم یکن فیہ معنی الطلب لان الغالب ان المتکلم یقسم علی مطلوبہ	اور ماضی کے کہ وہ دونوں حاصل ہوتے ہیں۔ اور جو مستقبل محض خبر ہو اس کے آخر نون تاکید نہیں آتا۔ مگر اس صورت میں کہ فعل کے پہلے کوئی ایسا کلمہ ہو جو تاکید پر دلالت کرے۔ جیسے لام قسم اگرچہ اس میں طلب کے معنے نہ پائے جائیں کیونکہ غالب متکلم ایسے امر پر قسم کھاتا ہے جو مطلوب ہو"۔

فاضل امروہی صاحب اس عبارت پر غور کریں گے۔ تو ان کو معلوم ہو جائیگا کہ لَیُؤمِنَنَّ میں لام قسم کا ہے نہ کہ بمعنے حال (دیکھو تفسیر بیضاوی وغیرہ) پس آپ کا اسے حال اور استقبال دونوں کے لئے سمجھنا ٹھیک نہیں ہے۔

پس ہم تشریح اور بسط کے ساتھ ثابت کر چکے ہیں کہ نون تاکید (ثقیلہ یا خفیفہ) مضارع کو خاص استقبال کے لئے کر دیتا ہے اور نیز یہ کہ لَیُؤمِنَنَّ میں لام قسم کا ہے جس کا ہونا استقبال خبری پر نون تاکید داخل ہونے کے لئے ضروری ہے۔ پس آیت وَاِنۡ مِّنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤۡمِنَنَّ بِہٖ قَبۡلَ مَوۡتِہٖ کا لفظی ترجمہ یہ ہوا۔ کہ نہیں ہوگا اہل کتاب میں سے کوئی مگر البتہ ایمان لائیگا ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پہلے مرنے حضرت عیسیٰؑ کے"۔ اور حاصل ترجمہ یہ ہے کہ آئندہ زمانہ میں ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے۔ کہ سب اہل کتاب اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مرنے سے پہلے ایمان لے آئینگے۔ پس چونکہ ابھی تک اہل کتاب یہود و نصاریٰ کا اتفاق حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آنے کے بارے میں نہیں پایا گیا۔ اس لئے ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابھی تک زندہ ہیں۔ کیونکہ حضرت عیسیٰؑ کی موت اہل کتاب کے ایمانی اتفاق کے بعد ہونی ہے۔ اور جب ابتک وہ ایمان میں متفق نہیں ہوئے۔ تو آپ کی موت بھی واقع نہیں ہوئی۔

اس آیت کے جو معنے ہم نے بیان کئے ہیں۔ محاورہ زبان عرب اور قواعد نحو

Marfat.com

اور محاورہ کتاب و سُنّت کی رُو سے یہی ایک صحیح ہیں۔ اور اس کے سوائے جس قدر احتمالات ہیں۔ وہ سب غلط اور باطل ہیں۔ کیونکہ کسی معنے کی بنا پر لَیُؤْمِنَنَّ کا لفظ خاص استقبال کے لئے باقی نہیں رہتا۔

اگر جناب مرزا صاحب یا فاضل امروہی صاحب ایک آیت یا ایک حدیث یا کوئی کلام عرب عربا کا ایسا پیش کریں جس میں نون تاکید حال یا ماضی کے لئے یقینی طور پر آیا ہو۔ یا علم نحو کی کسی معتبر کتاب کی کوئی عبارت جس میں امر مذکور کی تصریح ہو۔ تو مَیں اس مقدمہ نون تاکید کو جس کے رُو سے اُوپر ترجمہ کیا گیا ہے غیر صحیح تسلیم کر لوں گا۔

واضح ہو کہ اس آیت وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ میں مَوْتِهٖ کی ضمیر کی بابت دو احتمال ہو سکتے ہیں۔ اوّل یہ کہ یہ ضمیر حضرت عیسٰی علیہ السلام کی طرف پھرتی ہے۔ جیسا کہ اُوپر مفصل گذر چکا۔ دوم یہ کہ کتابی کی طرف پھرتی ہے۔ پھر اس کے معنے اس طرح ہوں گے: "نہیں کوئی اہلِ کتاب میں سے مگر البتہ ایمان لاتا ہے۔ حضرت عیسٰےؑ پر اپنے مرنے سے پیشتر" یعنے جان کندن کے وقت۔ اس تقدیر پر لَیُؤْمِنَنَّ کا خالص استقبال کے لئے نہ رہنا صاف ظاہر ہے کیونکہ اہلِ کتاب اس آیت کے نزول سے پہلے بھی مرتے تھے۔ اور اس کے نزول کے وقت بھی۔ پس یہ کتابی کی طرف ضمیر کو پھیرنا ہرگز ہرگز صحیح نہیں ہے۔

اگر کہا جائے کہ مفسرین کی ایک جماعت اس کی قائل ہے کہ یہ ضمیر کتابی کی طرف پھرتی ہے۔ اور نیز یہ ابنِ عباسؓ سے بھی مروی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی احتمال کے ذکر سے اس احتمال کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا۔ دوم یہ کہ جب ثابت ہو چکا کہ کتابی کی طرف ضمیر پھیرنے کی صورت میں لَیُؤْمِنَنَّ خالص استقبال کے لئے نہیں رہتا۔ اور یہ امر قواعد نحویہ اور محاورۂ زبانِ عرب کے بالکل خلاف ہے تو اب اس قول کو ضعیف ماننے میں کیا تامل ہے۔ سوم یہ کہ جن لوگوں نے اس ضمیر کو کتابی کی طرف مانا ہے۔ انہوں نے اس کے عیسٰی علیہ السلام کی طرف پھیرنے سے انکار نہیں کیا۔ اور نہ حیات و نزول عیسٰی علیہ السلام سے انکار کیا ہے بلکہ پھر بھی

Marfat.com

وہ اسی آیت سے حیات و نزول عیسیٰؑ کے قائل ہیں (دیکھو شرح صحیح بخاری فتح الباری وعمدۃ القاری وغیرھما)

پس اس سے مرزا صاحب کا مقصود حاصل نہیں ہو سکتا۔ باقی رہی روایت حضرت ابن عباسؓ، سو وہ ضعیف ہے۔ اور روایت صحیح ان سے بھی یہی مروی ہے۔ کہ یہ ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف پھرتی ہے۔ چنانچہ فتح الباری شرح صحیح بخاری میں، اس ضمیر کے حضرت عیسیٰؑ کی طرف پھرنے کے ذکر کے بعد لکھا ہے۔

وبھذا جزم ابن عباس فیما رواہ ابن جریر عن طریق سعید بن جبیر عنہ باسناد صحیح ومن طریق ابی رجاء عن الحسن قال قبل موت عیسیٰ واللہ انہ الآن لحی ولکن اذا نزل امنوا بہ اجمعون ونقلہ عن اکثر اھل العلم ورجحہ ابن جریر وغیرہ۔

(فتح الباری کتاب بدء الخلق باب نزول عیسیٰؑ)

کہ "حضرت ابن عباسؓ نے اسی پر جزم کیا ہے جیسا کہ علامہ ابن جریرؒ نے سعید بن جبیر کے طریق سے ان سے روایت کیا ہے۔ اور نیز ابو رجاء کے طریق سے حضرت حسن بصری سے روایت کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے۔ خدا کی قسم اب تک وہ زندہ ہیں لیکن جس وقت نازل ہونگے۔ اس وقت سب اہل کتاب آپ پر ایمان لے آئیں گے اور اس بات کو اکثر اہل علم سے نقل کیا ہے۔ اور اسی کو ابن جریر وغیرہ مفسرین نے ترجیح دی ہے۔ انتہیٰ۔

صحیح بخاری کی دیگر شروح مثلاً عمدۃ القاری اور ارشاد الساری وغیرہما میں بھی یہی لکھا ہے اور اسی امر کو ترجیح دی ہے۔ کہ یہ ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف پھرتی ہے۔ چنانچہ شرح قسطلانی میں ہے کہ۔

ای وان من اھل الکتاب احد الا لیؤمنن بعیسیٰ قبل موت عیسیٰ وھم اھل الکتاب الذین یکونون فی زمانہ فتکون الملۃ واحدۃ وھی ملۃ

کوئی اہل کتاب میں سے نہ ہوگا مگر البتہ ایمان لے آئیگا ساتھ عیسیٰ علیہ السلام کے عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے اور وہ وہ اہل کتاب ہونگے جو آپ کے زمانہ نزول میں موجود ہوں گے۔ پس

Marfat.com

كالاسلام ـ وبهذا جزم ابن عباس فيما رواه ابن جرير من طريق سعيد بن جبير عنه باسناد صحيح (ارشاد الساری شرح صحیح بخاری)	صرف ایک ہی مذہب یعنے مذہب اسلام باقی رہ جائے گا۔ اور اس پر ابن عباسؓ نے جزم کیا ہے جیسا کہ ابن جریر نے سعید بن جبیر کے طریق سے ان سے باسناد صحیح روایت کیا ہے ؎

محقق مفسرین و شارحین حدیث ہر زمانے میں ابن عباسؓ کی اس روایت کو یعنے کتابی کی طرف ضمیر کے پھرنے والی روایت کو ضعیف کہتے چلے آئے ہیں۔ اور حضرت ابن عباسؓ سے اسی امر کو صحیح و ثابت قرار دیتے چلے آئے ہیں کہ اس ضمیر کا مرجع حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور بس۔

دیگر یہ کہ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے اس آیت کی تفسیر کی گئی ہے کہ یہ ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف پھرتی ہے۔ جیسا کہ صفحہ ۱۵ میں اس کا مفصل بیان گذر چکا ہے۔ پس جب حضرت ابوہریرہ رضؓ اس آیت کو نزول عیسیٰؑ کی حدیث کی تصدیق کے لئے سب صحابہؓ کے سامنے پڑھتے ہیں۔ اور ان کو باآواز بلند پکار کر کہتے ہیں۔ فَاقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ اور کوئی صحابی ان کے اس استدلال کا انکار نہیں کرتا۔ اور نہ اُن کے خلاف قائم ہو کر اس ضمیر کو کتابی کی طرف پھرنے کے لئے کہتا ہے، تو اب ثابت ہو گیا کہ صحابہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم میں اس ضمیر کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف پھرنا بلانکیر مانا گیا ہے۔ اور اس پر ان کا اجماع و اتفاق ہے کیا مرزا صاحب یا مولوی محمد احسن صاحب کہیں سے بسند صحیح ثابت کر سکتے ہیں کہ کسی صحابی نے حضرت ابوہریرہ رضؓ کے اس استدلال کی تردید یا اُن سے خلاف کیا؟ ہرگز نہیں، اور کبھی نہیں +

اس آیت کے معنے جو ہم نے مضبوط دلائل سے ثابت کر کے دکھلائے ہیں مرزا صاحب نے اپنے ازالہ میں ان کے متعلق چار اعتراض کئے ہیں ان سب کے جواب کے لئے نون ثقیلہ کا قاعدہ جو جمیع ائمہ علم نحو کا اتفاقی و اجماعی ہے اور اوپر بیان ہو چکا ہے۔ کافی ہے لہذا تطویل کی ضرورت نہیں۔ اگر مرزا صاحب کے لئے اتنی تحریر کافی نہ ہوتی۔

Marfat.com

اور اُنہوں نے اس کتاب کا جواب لکھا تو انشاء اللہ جواب الجواب میں زیادہ تفصیل کے ساتھ اُن کا مُنہ بالکل بند کردیا جائے گا۔

بیان مذکورہ سے ثابت ہو گیا۔ کہ آیت وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ میں عیسیٰ علیہ السلام کی موت قبل النزول کا واقع ہونا مذکور نہیں بلکہ بر خلاف اس کے آپ کے زندہ ہونے کا صاف ثبوت ہے۔ اب اس لطیف نکتہ کا بیان کیا جاتا ہے۔ جس کے رُو سے حضرت ابوہریرہ رض نے علاوہ قَبْلَ مَوْتِهٖ کی ضمیر کے اس آیت کو حضرت عیسیٰؑ کے نزول کی حدیث کی تصدیق کے لئے سب صحابہ کے سامنے پیش کیا۔ اور ان میں سے کسی نے بھی اس کا انکار نہ کیا۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے سورہ مائدہ کے اخیر میں فرمایا کہ قیامت کو جب حضرت عیسےٰ کو سوال ہوگا کہ کیا تم نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو خدائے واحد کے سوا معبود بنالو۔ تو عیسےٰ علیہ السلام اپنی برأت کے لئے عرض کریں گے۔ کہ یا الٰہی میں نے تو ان کو وہی کچھ کہا تھا۔ جو تو نے مجھے حکم کیا۔ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا اور میں تو اُن پر تب تک ہی شاہد رہا۔ جب تک مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ (مائدہ پ۷) میں اُن کے بیچ رہا (۵: ۱۱۷)

اس سے معلوم ہُوا کہ شاہد کا مشہود علیہم کی جماعت میں ہونا ضروری ہے۔

اب اس آیت وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ میں دیکھیں کہ اللہ تعالےٰ اُن اہل کتاب کی نسبت جو عیسیٰ علیہ السلام کے زمانِ نزول میں اُن پر ایمان لائینگے۔ فرماتا ہے۔ کہ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا (نساء، پ۶، ۱۵۹:۴) عیسیٰؑ قیامت کے دن ان پر شاہد ہوں گے پس جب عیسیٰ علیہ السلام اس اخیر زمانے کے اہل کتاب پر شہادت دینگے تو پہلی آیت کو زیر نظر رکھ کر ثابت ہوا۔ کہ آپ آخیر زمانہ کے لوگوں میں نزول فرمائیں گے۔ خَتَمَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى حُسْنِ تَوْفِيْقِهٖ۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس شہادت سے مرزا صاحب کا اعتراض بھی دُور ہو گیا کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمانِ اخیر میں نازل ہونگے تو اہل کتاب کے عقائد

Marfat.com

سے خبردار ہوجائینگے۔ پھر جناب باری میں کیوں نہ کہدینگے۔ کہ انکی جب میں پھر دنیا میں گیا تھا۔ تو ان کو ایسا ایسا سمجھا دیا تھا"

ناظرین! آپ تھوڑا سا غور کریں گے۔ تو آپ کو صاف معلوم ہوجائیگا کہ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ یَکُوْنُ عَلَیْھِمْ شَھِیْدًا میں اسی شہادت کی خبر ہے پس مرزا صاحب کا اعتراض بالکل دُور ہوگیا۔

پانچویں آیت: مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ وَاُمُّہٗ صِدِّیْقَۃٌ کَانَا یَاْکُلٰنِ الطَّعَامَ (مائدہ پارہ ششم، ۵: ۷۵)

مرزا صاحب اس آیت کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں:۔"مسیح صرف ایک رسول ہے۔ اس سے پہلے نبی فوت ہوچکے ہیں اور ماں اس کی صدیقہ ہے جب وہ دونوں زندہ تھے تو طعام کھایا کرتے تھے" اس کے آگے پھر لکھتے ہیں:۔

"یہ آیت بھی صریح نص حضرت مسیح کی موت پر ہے کیونکہ اس آیت میں تصریح بیان کیا گیا ہے کہ اب حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ مریم طعام نہیں کھاتے۔ ہاں کسی زمانہ میں کھایا کرتے تھے۔ جیسا کہ کانا کا لفظ اس پر دلالت کر رہا ہے۔ جو حال کو چھوڑ کر گذشتہ زمانہ کی خبر دیتا ہے۔ اب ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ حضرت مریمؑ طعام کھانے سے اسی وجہ سے روکی گئی۔ کہ وہ فوت ہوگئی۔ اور چونکہ کانا کے لفظ میں جو تثنیہ کا صیغہ ہے۔ حضرت عیسیٰؑ بھی حضرت مریمؑ کے ساتھ شامل ہیں۔ اور دونوں ایک ہی حکم کے نیچے داخل ہیں۔ لہٰذا حضرت مریمؑ کی موت کے ساتھ ان کی موت بھی ماننی پڑی۔ کیونکہ آیت موصوفہ بالا میں ہرگز یہ بیان نہیں کیا گیا کہ حضرت مریمؑ تو بوجہ موت طعام کھانے سے روکے گئے لیکن حضرت ابن مریمؑ کسی اور وجہ سے"

پیشتر اس کے کہ ہم مرزا صاحب کے استدلال کو غلط ثابت کریں اور اس آیت کی صحیح تفسیر و مراد بتائیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کی عبارت منقولہ میں سے علمی اغلاط اور مغالطے ظاہر کریں۔ جس سے معلوم ہو جائے کہ مرزا صاحب اپنی مطلب برآری کے لئے قرآن شریف کے الفاظ اور سیاق و سباقِ آیت کا ہرگز لحاظ

Marfat.com

نہیں کرتے۔ اور نہ دیگر علوم کو جو قرآن شریف کی صحیح مراد کو سمجھنے کے لئے وضع کئے گئے ہیں زیر نظر رکھتے ہیں۔

جناب مرزا صاحب! کَانَا یَاکُلٰنِ الطَّعَامَ کا ترجمہ آپ نے یہ کیا ہے "جب وہ دونوں زندہ تھے تو طعام کھایا کرتے تھے" حضرت! قرآن شریف سے ایسی دل لگی نہیں چاہیئے "جب وہ دونوں زندہ تھے" کس لفظ کے معنے ہیں؟ قرآن شریف کی آیت کا ترجمہ تو ذرا ہوش اور خدا کے خوف سے کیا کرو۔ تعجب ہے۔ کہ آپ اس آیت کو موت کے ثبوت کے لئے نص صریح اور تصریح کہتے ہیں۔ کیا علم اصول میں نص اور صریح کی یہی تعریف ہے۔ کہ اس میں مقصود کا ذکر تک نہ ہو۔ مرزا صاحب! یہ کیا معاملہ ہے؟ کیا آپ علم اصول سے ناواقف ہیں یا عمداً لوگوں کو غلط بیانی سے ایسا گمراہ کر رہے ہیں؟ فاضل امروہی صاحب! آپ نے تو علم اصول پڑھا ہوا ہے برائے خدا آپ ہی بتلائیں۔ کہ یہ آیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے لئے نص صریح ہے۔ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ یعنی شہادت کو چھپاؤ نہیں اور جو کوئی شہادت کو چھپائیگا۔ پس ضرور ضرور اس کا دل گنہگار ہے"

مرزا صاحب! اگر یہ آیت موت پر نص صریح ہوتی تو کیا تیرہ سو برس تک اُمت کے علماء اور امام اس سے بے خبر رہتے؟ اگر مفہوم کا نام نص صریح ہے تو پھر آپ مفہوم کس کو قرار دیں گے۔ اور جہاں ہیچ پر تصریح ہوگی۔ اُس کا نام کیا رکھیں گے؟

اب ہم اس آیت کا اصل مطلب بیان کرتے ہیں۔ اور ثابت کر دیتے ہیں کہ مرزا صاحب قرآن شریف کے سمجھنے سے کوسوں دور ہیں۔ قرآن شریف منظوم اور مربوط کلام ہے اس کا کلمہ کلمہ اور آیت آیت ایک دوسرے کے ساتھ عجیب طور سے وابستہ ہے لہٰذا ضرور ہے۔ کہ اس سے پہلے کی آیات پر نظر کریں۔ تاکہ ظاہر ہو کہ اس سے مقصود خداوندی کیا ہے۔ سو یہ مضمون یہاں سے شروع ہوتا ہے" بیشک جن لوگوں نے یہ کہا۔ کہ
لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا إِلَٰهٌ وَاحِدٌ اللہ تعالیٰ تین میں سے تیسرا ہے۔ انہوں نے یہ کفر کا کلمہ کہا اور معبود تو سوائے ایک

يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ۖ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ ۗ انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انْظُرْ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ

(مائدہ پارہ ششم)

(۵: ۷۳ تا ۷۵)

معبود کے اور کوئی نہیں اور اگر یہ لوگ اس قول سے باز نہ آئے۔ تو ان میں سے کافروں کو دردناک عذاب پہنچیگا۔ کیا یہ لوگ اصرار کرتے ہیں، پس اللہ کی طرف لوٹ کر نہیں آتے اور اس سے بخشش نہیں مانگتے۔ حالانکہ اللہ تعالے بخشنے والا مہربان ہے۔ مسیح ابن مریم تو صرف رسول ہیں۔ ان سے پیشتر کئی رسول گذر چکے ہیں اور ان کی ماں صدیقہ ہے۔ وہ تو کھانا کھایا کرتے تھے دیکھو ہم ان کے لئے کیسی واضح طور پر اپنی آیتیں بیان کرتے ہیں پھر دیکھو یہ لوگ کدھر کو بھٹکے جاتے ہیں۔"

ناظرین! آپ کے ذہن نشین ہو گیا ہوگا۔ کہ ان آیات سے مقصود خداوندی صرف اثباتِ توحید اور ابطالِ الوہیت حضرت مسیح ہے نہ کچھ اور۔ اثباتِ توحید اور تردید تثلیث کے لئے اللہ تعالے نے فرمایا مَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّا إِلٰهٌ وَّاحِدٌ یعنے الٰہ تو صرف ایک ہی ہے۔" کیونکہ الٰہ اس کو کہتے ہیں۔ جسے غایت کمال حاصل ہو اور ظاہر ہے۔ کہ غایت درجے کا کمال صرف ایک ہی ذات میں ہو سکتا ہے۔ متعدد میں نہیں ہو سکتا۔ پس توحید ثابت ہو گئی۔ اور تثلیث باطل۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام کی الوہیت کے ابطال میں فرمایا مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ یعنے مسیح ابن مریم تو صرف رسول ہے (خدا نہیں ہے) اس سے پیشتر کئی رسول گذر چکے ہیں۔ اور اس کی ماں صدیقہ تھی۔ وہ تو دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔" اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے علاوہ اس بات کے کہ عیسیٰ علیہ السلام ایک عورت سے پیدا ہوئے ہیں اس بات سے ان کی الوہیت کا رد کیا کہ وہ کھانا کھایا کرتے تھے۔ کھانے سے یہ مقصود ہوتا ہے۔ کہ بدن کی پرورش ہوتی رہے۔ تاکہ کچھ مدت تک بقا حاصل ہو پس

Marfat.com

جب مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ اپنے بقا میں کھانے کے محتاج تھے۔" تو پھر ان کو معبود ماننا بالکل باطل ہے۔ کیونکہ خدا تو کسی چیز کا محتاج نہیں۔ اور نہ معبود برحق کے لئے کسی چیز کا محتاج ہونا جائز ہے۔ کیونکہ پھر یہ نہیں کہہ سکتے کہ غایتِ کمال حاصل ہے۔ پس مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ اِلٰہ نہیں ہو سکتے۔

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ صدیقہ کے متعلق باوجود ان کے بہت سی اشیاء کے محتاج ہونے کے صرف ایک امر احتیاج طعام کا ذکر کیا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ مقصود صرف احتیاج ثابت کرنے کا ہے۔ نہ حاجتوں کے گننے کا۔ اثباتِ مدعا کے لئے بطورِ مثال صرف ایک امر کا بیان کافی ہوتا ہے۔ لہٰذا سب کے ذکر کی ضرورت نہیں۔ ناظرین! اس بیان سے آپ یہ بھی سمجھ جائیں گے۔ کہ اس ذکر احتیاج کو زندگی یا موت سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ کیونکہ اس کا ذکر خواہ محتاج کی زندگی میں کیا جائے۔ خواہ اس کی موت کے بعد۔ مقصود ہر دو حالت میں یکساں حاصل ہے۔ پس مرزا صاحب کا اس آیت کو عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے لئے نص صریح کہنا عجیب قسم کی بے سمجھی ہے۔

اس آیت میں حضرت مریم علیہا السلام کا ذکر بھی اس لئے کیا کہ عیسائیوں کے بعض فرقوں کے نزدیک حضرت مریمؑ بھی خدائی کے رتبے تک پائی جاتی ہیں، جیسا کہ اس سورت کے اخیر میں وارد ہے ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰھَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ: یعنی "اے عیسیٰؑ کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ خدا کے سوائے مجھے اور میری ماں کو معبود جانو؟" (مائدہ پ ۵ : ۱۱۶)

پس اس مقام پر حضرت مریم علیہا السلام کی الوہیت کی تردید کا بھی ساتھ ہی ذکر کیا تاکہ تثلیث کا اچھی طرح ابطال ہو جائے۔ اور توحید ثابت ہو جائے۔ کیونکہ اوپر اللہ تعالےٰ نے ذکر کیا کہ جن لوگوں نے خدائے پاک کو تینوں میں سے تیسرا خدا مانا ہے۔ وہ کفر پر ہیں۔ اور اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام اور

Marfat.com

حضرت مریمؑ کی الوہیت کی تردید کی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض نصاریٰ کے نزدیک تثلیث کے ارکان یہ ہیں۔ اللہ تعالےٰ اور عیسیٰ علیہ السّلام اور مریمؑ علیہا السلام۔ اور جب ثابت ہوگیا۔ کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہما السلام بوجہ محتاج ہونے کے إلٰہ نہیں ہوسکتے۔ تو بس صرف ایک اللہ ہی باقی رہا۔ جو سچّا معبود ہے۔ اور خدائی کے لائق ہے۔ کیا ہی خوب کہا گیا ہے ؎

خدایا جہاں پادشاہی تراست
زما خدمت آید خدائی تراست

واضح ہو کہ اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے مرتبہ رسالت بیان کیا اور حضرت مریمؑ کے لئے مرتبہ صدیقیّت کا۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ نصارےٰ کو حضرت عیسیٰ اور مریم علیہما السلام کی نسبت الُوہیّت کا خیال و وہم ان کے معجزات وکرامات پر نظر کرنے سے ہوا ہے سو اللہ تعالےٰ نے اس کی تردید اس طرح کی۔ کہ اظہار معجزات وکرامات سے انسان مرتبہ رسالت سے بڑھ نہیں سکتا۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو اپنے معجزات کے رو سے منجملہ دیگر رسولوں کے ایک رسُول ہیں اور حضرت مریمؑ بوجہ کرامات صدّیقہ ہیں۔ خدا کس طرح بن گئے۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ فرمایا۔ یعنے اس سے پیشتر کئی رسُول گذر چکے"۔ اس ذکر سے یہی مقصود ہے۔ کہ جس طرح دیگر پیغمبروں کو خاص خاص معجزات عطا کئے گئے۔ اور وہ اُن کے سبب سے خدا نہیں بن گئے۔ بلکہ رسول ہی رہے۔ اسی طرح مسیح علیہ السلام بھی بوجہ ظہور معجزات خدا نہیں بن سکتے۔ بلکہ صرف رسول ہی ہوسکتے ہیں۔ دیکھو موسیٰ علیہ السّلام کو جو معجزے عطا کئے گئے۔ وہ حضرت عیسیٰؑ کو نہیں دیئے گئے۔ مثلاً سونٹے کا سانپ بن جانا۔ اور ید بیضا وغیرہ حالانکہ موسیٰ علیہ السلام کا باذنِ الٰہی سونٹے کا سانپ بنا دینا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے باذنِ الٰہی مردے زندہ کر دینے سے زیادہ عجیب ہے ان دلائل کے ذکر

Marfat.com

کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اُنْظُرْ کَیْفَ نُبَیِّنُ لَهُمُ الْاٰیٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ یعنے (اے پیغمبر!) دیکھو ہم کس طرح صاف صاف توحید کے دلائل بیان کرتے ہیں۔ پھر دیکھو یہ لوگ راہِ راست سے کدھر بھٹکے جاتے ہیں اور باطل پر ضد اور اصرار کرتے ہیں۔ اور حق کو قبول نہیں کرتے"۔ (پ مائدہ ۵: ۷۵)

پس ناظرین اصل مقصود اور صحیح مراد اس آیت کی یہ ہے۔ جو بیان کی گئی ہے۔ نہ اس میں عیسٰی علیہ السلام کی موت کا ذکر ہے۔ اور نہ کچھ اور مذکور ہے مفسرین علیہم الرحمۃ نے اس آیت کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔ جو ہم نے کی ہے۔ باقی رہا۔ مرزا صاحب کا یہ استدلال کہ کانا ماضی کا صیغہ ہے اور نیز تثنیہ کا۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ دونوں زمان گذشتہ میں کھانا کھایا کرتے تھے۔ اور اب نہیں کھاتے۔ اور جس طرح بوجہ موت کے حضرت مریمؑ کھانے سے روکی گئی ہیں۔ اسی طرح موت ہی سے حضرت عیسےٰ علیہ السلام بھی روکے گئے ہیں"۔ سو یہ استدلال نہایت ہی ضعیف اور مضحکۂ اطفال ہے۔ علماؑ کے نزدیک مرزا صاحب ایسے ہی استدلالات کی وجہ سے ہلکے شمار کئے گئے ہیں: اوّل اس لئے کہ کسی امر کے کسی زمانے میں مذکور ہونے سے دوسرے زمانے میں اس کی نفی لازم نہیں آتی۔ بلکہ قاعدہ یہی ہے کہ جس امر کو جس زمان میں ثابت کیا گیا ہے۔ یا اس کی نفی کی گئی ہے۔ اسے اس زمان سے متعلق ویسا ہی جانیں۔ اور باقی زمانوں کے لئے اس کی نسبت دلائلِ خارجی پر نظر کریں۔ اُن کے رو سے جیسا ثابت ہو ویسا اعتقاد رکھیں۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے کھانے کی نسبت زمان ماضی کا صیغہ استعمال کرنے کی وجہ یہ ہے۔ کہ نصارے لوگ اب عیسٰی علیہ السلام کو ان کے آسمان پر اُٹھائے جانے کے بعد کھانے کا محتاج نہیں جانتے۔ لیکن یہ مانتے ہیں کہ زمین پر ہونے کے ایام میں کھاتے تھے۔ پس اگر زمانِ حال کو بھی ساتھ شامل کیا جاتا تو اُن پر حجت پوری نہیں ہوسکتی تھی۔ لہٰذا زمان

حال کو ترک کرکے زمانِ ماضی کا ذکر کیا۔ اور اس زمانِ ماضی میں حضرت مریم علیہا السلام کو بھی اس لئے ذکر کیا۔ کہ وہ بھی اس کھانے کی احتیاج میں ان کی شریک تھیں۔ پس ایک ہی لفظ اور ایک ہی امر سے دونوں کی الوہیت کے وہم کو دور کر دیا۔ لیکن حضرت عیسٰے علیہ السلام کا زمان حال میں کھانا۔ سو اس سے اس آیت میں بحث ہی نہیں اور نہ اس کے ذکر کی ضرورت ہے۔ باقی رہا مرزا صاحب کا یہ لکھنا کہ جس طرح یعنے موت سے حضرت مریمؑ کھانے سے روکی گئی ہیں۔ اسی طرح یعنے موت سے حضرت عیسٰےؑ بھی روکے گئے ہیں۔ سو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ یہ بھی مرزا صاحب کی علو نظری کی وجہ سے ہے۔ مرزا صاحب! آیت میں تو کانا یا کلان وارد ہوا ہے۔ اور آپ اُن کے نہ کھا سکنے کی کیفیت کو ایک نہج پر لانے کا استدلال کرتے ہیں عقل تو یہ کہتی ہے کہ کانا یا کلان جس میں ان دونوں کی مشارکت وصف کھانا میں صاف مذکور ہے۔ اس میں بھی ایک کیفیت پر ہونا ضروری نہیں۔ کیونکہ تثنیہ کے صیغے سے صرف اتنی مراد ہوتی ہے۔ کہ اس حکم میں فاعل کے ساتھ ایک اور بھی شریک ہے۔ اور اس حکم میں ان دونوں کی کیفیت اور حیثیت خارجی دلائل کے ثبوت پر موقوف ہوتی ہے۔ اس کی نظائر قرآن و حدیث اور ہر زبان کے روز مرہ میں بکثرت ہیں۔ مثلاً جب ہم کہتے ہیں کہ کل زید اور بکر میرے پاس دونوں آئے تھے۔ لیکن آج نہیں آئے تو کیا اس سے یہ سمجھا جا سکتا ہے۔ کہ جو وجہ زید کے آج نہ آنے کی ہے وہی بکر کے نہ آنے کی بھی ہے؟ ہرگز نہیں۔ ایسا استدلال مرزا صاحب کی نازک خیالی کہو تو اور علوم رسمیہ سے ناواقفی کہو تو بہر صورت من گھڑت ہے عقل سلیم اور قواعد مقررہ اس کا انکار کرتے ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ اوّل تو ضرور نہیں کہ ہم تسلیم کرلیں۔ کہ عیسٰی علیہ السلام آسمان پر کھانا نہیں کھاتے۔ کیونکہ یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ اُن کو جنت سے کھانا پہنچتا ہے اور اگر مان بھی لیں، کہ حضرت

Marfat.com

عیسٰے علیہ السلام اب کھانا نہیں کھاتے۔ تو اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ اب بوجہ آسمانی رہائش کے اور صحبت ملائکہ کے ان کا مایہ حیات ذکر و عبادت الٰہی ہے نہ طعام اہل دنیا۔ پس حضرت مریم علیہا السلام کا کھانے سے باز رہنا دوسرے سبب سے ہے۔ اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کا کھانے سے باز رہنا دوسرے سبب سے۔ پس حضرت عیسٰیؑ کے کھانے سے باز رہنے سے آپ کی موت کا وقوع ضروری نہیں۔ کیونکہ کھانے سے باز رہنے کی صورت اور وجہ صرف موت ہی نہیں۔ بلکہ انبیاء علیہم السلام اور اکابر اولیائے کرام کے لئے ذکر و عبادت الٰہی بھی طعام کا فائدہ دے کر ان کے لئے مایۂ حیات بن جاتی ہے۔ جیسے نبی صلعم وصال کے روزوں میں کچھ نہ کھاتے تھے۔ اور پھر توانا بھی رہتے تھے۔ چنانچہ اسی کی نسبت فرمایا۔ اَبِیْتُ عِنْدَ رَبِّیْ فَھُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِیْ یعنی میں رات کو اپنے رب کے پاس ہوتا ہوں وہی مجھ کو کھلاتا اور پلاتا ہے۔ اس بیان سے مرزا صاحب کا وہ وہم بھی دور ہو گیا۔ جو ان کو آیت وَمَا جَعَلْنَا ھُمْ جَسَدًا لَّا یَاْکُلُوْنَ الطَّعَامَ میں پڑا ہے۔ تَنَوَّرَ وَاللہُ الْمُوَفِّقُ۔

قسم اول میں سے چھٹی آیت یہ ہے۔ وَاَوْصَانِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَا دُمْتُ حَیًّا (مریم پ ۱۶) یعنے حضرت عیسٰی علیہ السلام کہتے ہیں کہ مجھے خدا نے نماز اور زکوٰۃ کا حکم کیا ہے۔ جب تک میں زندہ رہوں‘‘ (۳۱:۱۹) مرزا صاحب کو اس آیت کے متعلق دو وہم ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو زندگی بھر تک نماز اور زکوٰۃ کا حکم ہو رہا ہے۔ اور جب وہ آسمان پر زندہ ہیں تو اس حکم کی تعمیل کس طرح کرتے ہیں۔ دوم یہ کہ عیسٰی علیہ السلام کو انجیلی طریق پر نماز پڑھنے کا حکم ہے۔ اور اگر وہ آخری زمانہ میں نازل ہو کر اس امت میں داخل ہونگے۔ تو آپ کو مسلمانوں کے مطابق نماز پڑھنی پڑیگی۔ اور نتیجہ ان ہر دو وہموں سے یہ نکالتے ہیں۔ کہ حضرت عیسٰی فوت ہو گئے ہوئے ہیں۔ کیونکہ پھر ہر دو اعتراض مذکورہ میں سے کوئی بھی نہیں عائد ہوتا۔

Marfat.com

ہم ذیل میں ان دونوں وہموں کو دور کرکے اس آیت کی صحیح تفسیر بیان کرتے ہیں۔ جس سے ناظرین کو علاوہ مرزا صاحب کے استدلال کے ضعیف بلکہ غلط ہونے کے اس امر کا بھی علم ہو جائیگا کہ مرزا صاحب **اسرار شریعت** سے ناواقف تھے۔ ورنہ ان کو ایسے وہم پیش نہ آتے۔

پہلے وہم کا ازالہ کئی طریق پر ہے۔ اول یہ کہ اُن احکام شرعیہ کے مکلف وہ لوگ ہیں۔ جو زمین پر آباد ہیں، نہ وہ جو آسمان پر ہیں کیا فرشتے بھی الہٰی احکام کے اسی طرح مکلف ہیں۔ جس طرح ہم ہیں؟ دوم یہ کہ آسمان پر عبادت کا ہو سکنا کیوں بعید نظر آتا ہے۔ کیا آسمان جائے عبادت نہیں؟ اور شب و روز فرشتے تسبیح و ذکر الٰہی میں مشغول نہیں رہتے؟ اسی طرح اگر عیسٰی علیہ السلام بھی ان فرشتوں کی جماعت میں عبادت کریں تو کیا تعجب ہے؟ سوم یہ کہ اس آیت میں زکوٰۃ سے مراد صدقہ مفروضہ نہیں بلکہ طہارت و صالحیت مراد ہے جیسے کہ اس سے پیشتر حضرت یحییٰ علیہ السلام کے ذکر میں فرمایا وَحَنَانًا مِنْ لَدُنَّا وَزَكٰوةً یعنے ہم نے یحییٰ (علیہ السلام) کو اپنے پاس سے نرم دلی اور پاکیزگی عطا کی۔ اس جگہ تو قطعاً زکوٰۃ سے صدقہ معروضہ مراد نہیں ہے۔ اور نیز چونکہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی نسبت اس سے پیشتر بشارت دی گئی تھی۔ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا یعنے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کو کہا کہ میں تیرے پاس اس لئے آیا ہوں کہ تا تجھے ایک لڑکا عطا ہونے کی بشارت سنا کر اس بخشش کے لئے ایک نوع کا سبب بن سکوں) اس لئے اگر اس آیت وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا کے یعنے یہ کئے جائیں۔ کہ اللہ تعالےٰ نے مجھ کو حکم کیا ہے۔ کہ جب تک زندہ رہوں نماز ادا کرتا رہوں اور پاکیزہ رہوں تو بالکل لغت اور قرآن کے مطابق ہوں گے بلکہ اس صورت میں تو قرآن شریف ہی سے اس کا ثبوت ہے۔ پھر جائے انکار ہی کیا ہے؟ اگر کہا جائے۔ کہ قرآن شریف میں جہاں کہیں نماز کے ساتھ زکوٰۃ

Marfat.com

کا ذکر آیا ہے۔ اس جگہ زکوٰۃ سے مراد بھی صدقہ مفروضہ ہوتا ہے نہ کہ لغوی معنی یعنے پاکیزگی۔ تو اس کا جواب کئی طرح سے ہے اوّل یہ کہ یہ استدلال استقرائی ہے۔ اور استقراء ظنی دلیل ہوتی ہے۔ یقینی نہیں ہوتی۔ پس اس سے اتنا تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ کہ بیشک قرآن شریف میں اکثر جگہ ایسا ہی وارد ہے۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ جس جگہ نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر آئے اس جگہ خواہ مخواہ صدقہ مفروضہ ہی مراد لیا جائے۔ کیونکہ لغت اور عقل اس کی شہادت نہیں دیتے۔ دوم یہ کہ معترض کے قاعدے کو تسلیم کرکے بھی اس جگہ زکوٰۃ سے طہارت مراد لینی خلاف محاورہ قرآن شریف نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن شریف میں نماز کے ساتھ کسی جگہ ایسی عبادت کا ذکر کیا گیا ہے۔ جو اس کے سوا ہے۔ جیسے صدقہ مفروضہ اور کسی جگہ ایسی عبادت کا ذکر کیا گیا ہے جو اس کی جزو اور اس کی جنس سے ہے۔ مثلاً آیت فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ میں اگر نحر سے مراد قربانی لی جاسے۔ تو یہ پہلی صورت یعنی نماز کے علاوہ زکوٰۃ کی طرح مالی عبادت ہے۔ اور اگر اس سے نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا یا رکوع کے وقت رفع یدین کرنا مراد لیا جائے۔ جیسا کہ بعض مفسرین نے لکھا ہے تو یہ دوسری صورت یعنی نماز کے افعال میں سے ایک فعل ہے۔ پس جس طرح اس آیت میں نماز کے ساتھ اس کے بعض امروں کا ذکر مستحسن ہے اسی طرح حیلے علیہ السلام کے حکم کے متعلق بھی نماز کے ساتھ طہارت و صلاحیّت کا ذکر ممنوع نہیں کیونکہ طہارت و پاکیزگی نماز کے لئے ضروری اور شرط ہے۔

اور زکوٰۃ کے دوسرے معنے یعنی صلاحیّت تو نماز کے ساتھ بہت ہی چسپاں ہیں۔ کیونکہ صلاحیت اور صلوٰۃ میں عموم وخصوص کی نسبت ہے۔

اس آیت میں زکوٰۃ سے مراد جو طہارت و صلاحیت بتائی گئی ہے اس کو تاویل نہیں سمجھنا چاہئے۔ بلکہ زکوٰۃ کے لغوی معنے ہی یہی ہیں۔ جیسا کہ قاموس قال صاحب القاموس والزکوٰۃُ میں ہے کہ زکوٰۃ کسی شے کے صاف کرنے

صفوۃ الشئ وما اخرجتہ من مالک
لتطھرہ بہ وقال صاحب المصباح
زکا الرجل یزکوا اذا اصلح وقال اللہ
صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بہا نضم
التزکیۃ بالتطھیر وقال صاحب
الصراح زکوٰۃ تم تزکیۃ زکوٰۃ دادن
وپاکیزہ کردن و ستودن خود را و زکوٰۃ از
کسے گرفتن قولہ تعالیٰ تزکیھم ای
تطھرھم انتہی ما فی الصراح۔

اور اس شئے کو کہتے ہیں جو پاک صاف کی گئی
ہو۔ اور جو کچھ مال میں سے پاکیزگی کے لئے
نکالا جائے۔ اور مصباح میں ہے
کہ زکا الرجل کے معنے یہ ہیں کہ وہ مرد صلاحیت
والا ہوگیا۔ اور فرمایا اللہ تعالےٰ نے کہ لے
پیغمبر! ان سے صدقہ لو جس سے تم ان کو
پاک صاف کرو۔ اور صراح میں ہے کہ
تزکیہ کے معنے زکوٰۃ دینا اور پاک کرنا اور
اپنے آپ کو سراہنا اور کسی سے زکوٰۃ لینا ہیں جیسے کہ
قرآن میں ہے تزکیھم یعنے ان کو پاک کرے۔"

اس بیان سے واضح ہوگیا۔ کہ لغت میں زکوٰۃ کے معنے پاکیزگی اور صفائی کے ہیں۔ اور شریعت میں جو اس سے ایک مخصوص مالی عبادت مراد رکھی گئی ہے۔ تو اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ عبادت طہارت و پاکیزگی کا سبب بنتی ہے۔ یعنی بخل اور مال کی محبت سے دل پاک و صاف ہوجاتا ہے۔ اور یہ امر مسلم ہے کہ لغوی اور منقولی معنوں میں مناسبت ضرور ہوتی ہے۔ پس بیان بالا سے واضح ہوگیا کہ وَاَوْصَانِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ میں زکوٰۃ سے طہارت و صلاحیت مراد لینی لغت اور قرآن شریف کے بالکل مطابق بلکہ موید بالقرآن ہیں۔

اس اعتراض کا تیسرا جواب جو بہت معقول اور محکم ہے یہ ہے کہ اگر اس آیت زیر بحث میں زکوٰۃ سے صدقہ مفروضہ ہی مراد لیں۔ تو بھی اس سے مرزا صاحب کی مراد کے موافق عیسےٰ علیہ السلام کی وفات ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ علم اصول کا مسلمہ قاعدہ ہے۔ کہ امر کی تعمیل اس وقت واجب ہوتی ہے۔ جب اس کی شرائط پائی جائیں۔ اور شرطیں موجود نہ ہونے کی صورت میں واجب نہیں ہوتا۔ اور یہ بھی مسلم ہے۔ کہ زکوٰۃ کے وجوب کے لئے نصاب یعنی اتنا اور

Marfat.com

ایسا مال جو وجوب کی حد تک پہنچ جائے شرط ہے پس جب عیسے علیہ السلام آسمان پر مالک نصاب نہیں تو اُن پر زکوٰۃ بھی واجب نہیں۔ غور و فکر کو کام میں لائیے۔ اور انصاف کیجئے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہونے کے ساتھ ہی باذن الٰہی اس امر کو ظاہر کر رہے ہیں۔ کہ مجھے اللہ تعالےٰ نے زندگی تک نماز پڑھنے اور زکوٰۃ کا حکم کیا ہے۔ کیا آپ پر اس وقت بھی نماز اور زکوٰۃ فرض تھے؟ کیونکہ بچپن بھی تو زندگی میں داخل ہے۔ پس جس طرح آپ عیسیٰ علیہ السلام پر بچپن میں اس حکم کی تعمیل واجب نہیں جانتے۔ اسی طرح آسمان پر بھی اس حکم کی تعمیل اُن پر واجب نہیں۔

باقی رہا مرزا صاحب کا یہ وہم کہ عیسے علیہ السلام کو انجیلی طریق پر نماز پڑھنے کا حکم ہے۔ اور اگر وہ آخری زمانے میں نازل ہوں گے۔ تو اس امت میں داخل ہوں گے۔ تو آپ کو مسلمانوں کے مطابق نماز پڑھنی ہوگی۔ سو اس کا ازالہ اس طرح ہے۔ کہ مرزا صاحب جب تک انجیلی اور قرآنی نماز میں فرق ثابت نہ کرلیں، تب تک ان کو اس اعتراض کا کوئی حق نہیں۔ قرآن شریف میں شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کی نماز کے ارکان قیام۔ رکوع اور سجود بتائے گئے ہیں۔ اور یہی ارکان حضرت مریمؑ کی نماز کے بتائے گئے ہیں۔ جیسا کہ تیسرے پارے میں ذکر ہے کہ:-

يَا مَرْيَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي "اے مریمؑ! اپنے پروردگار کے لئے قیام کر
وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ (آل عمران ع ۵) اور سجدہ کر اور رکوع کر ساتھ رکوع کرنے والوں کے۔"

پس قرآن شریف سے تو پہلی اُمتوں کی نماز اور ہماری اُمت کی نماز میں کوئی فرق ثابت نہیں ہوتا۔ ہاں اگر مرزا صاحب اپنے الہام سے فرمادیں تو یہ دیگر امر ہے۔

دوم یہ کہ اگر بالفرض انجیلی نماز اور قرآنی نماز میں کسی نوع کا فرق بھی ہو تو کوئی ڈر نہیں۔ کیونکہ دین کی اصل توحید ہے۔ اور عبادت اس کا

Marfat.com

ایک عملی نشان ہے۔ اس کے لئے ضروری نہیں کہ ہر نبی کے زمانہ میں اس کی ایک ہی کیفیت پائی جائے۔ بلکہ جس کیفیت سے خدا تعالیٰ نے چاہے۔ اپنی عبادت کے لئے حکم دے۔ پس اگر عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد انجیلی کیفیت عبادت کو بوجہ اس کے منسوخ ہو جانے کے ترک کردیں اور شریعت محمدی کی کیفیت سے نماز ادا کریں تو اس میں کیا جائے اعتراض ہے۔ اس کی نسبت تو اللہ تعالیٰ نے شریعت موسوی اور شریعت عیسوی کے ذکر کے بعد فرمادیا ہے کہ: ہم نے تم میں سے

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْمَآ اٰتٰكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ (مائدہ پ ۶)

(۵ : ۴۸)

ہر ایک کے لئے الگ الگ طریقہ اور شریعت مقرر کی ہے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک شریعت پر جمع کر دیتا مگر اس میں ایک حکمت ہے کہ تم کو ہر زمانہ میں اپنی فرمودہ شریعت کی تعمیل کی بابت آزمائے۔ پس تم نیکیوں میں بڑھو۔ (اور ادھر اُدھر کی باتیں چھوڑ دو)"

اس آیت سے دو مفید امر ثابت ہوتے ہیں۔ جن کا ذکر اس مقام پر چھوڑنا گویا ناظرین کو موقع پر بڑے بھاری فائدے سے محروم کرنا ہے۔ اوّل نسخ کی حقیقت کہ کس امر میں نسخ واقع ہوتا ہے۔ دوم نسخ کی حکمت کہ کیوں کیا گیا۔

نسخ اصولِ دین میں نہیں ہوتا۔ اور نہ ہو سکتا ہے۔ ہاں دستور العمل ضابطے اور قانون اور عبادت کی کیفیت میں ہر زمانے کے لوگوں کے لئے ان کی حالت کے مناسب اگر تبدیلی کی جائے۔ تو اس کی کوئی قباحت نہیں۔ بلکہ عین حکمت ہے۔ نسخ میں ایک یہ بھی حکمت ہے کہ سچے مطیع دوسروں سے متمیز ہو جاتے ہیں۔ اور فرمانبرداری کے عادی حیلے بہانے کرنے والوں سے الگ ہو پڑتے ہیں۔ عبادات کی کیفیتوں میں فرق ہونے سے کوئی بھی قباحت لازم نہیں آتی۔ کیونکہ جب خود عبادت کئی انواع پر ہے۔ تو اس کی

Marfat.com

انواع کی کیفیت کے فرق میں کیا اعتراض ہے۔ یہ ایک بہت باریک راز ہے جس سے ہمارے مرزا صاحب بے خبر معلوم ہوتے ہیں۔ ورنہ ایسا اعتراض نہ کرتے۔ پس اس آیت سے مرزا صاحب کی مراد کے موافق حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات ثابت نہ ہوسکی۔ اور نہ اُن کے نزول کے انکار کی کوئی وجہ نکل سکی۔ کیونکہ اس کی بنا صرف انہی دو وہموں پر تھی۔ جن کا ازالہ ہو چکا ہے۔

قسم اوّل میں سے ساتویں آیت یہ ہے وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا یعنے حضرت مسیح علیہ السلام کہتے ہیں کہ "میں جس دن پیدا ہوا ہوں اُس دن بھی مجھ پر سلام ہے۔ اور جس دن مروں گا اُس دن بھی۔ اور جس دن میں پھر زندہ کھڑا کیا جاؤں گا اُس دن بھی" (مریم پ ۱۶، ۱۹: ۳۳)۔

اس آیت کے متعلق مرزا صاحب یوں ارقام فرماتے ہیں :۔

"اس آیت میں واقعات عظیمہ جو حضرت مسیح کے وجود کے متعلق تھے صرف تین بیان کیے گئے ہیں۔ حالانکہ اگر رفع اور نزول واقعات صحیحہ میں سے ہیں تو اُن کا بیان بھی ضروری تھا۔ کیا نعوذ باللہ رفع اور نزول حضرت مسیح کا مورد اور محل سلام الٰہی نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ سو اس جگہ پر خدا تعالےٰ کا اس رفع اور نزول کو ترک کرنا جو مسیح ابن مریم کی نسبت مسلمانوں کے دلوں میں بسا ہوا ہے۔ صاف اس بات پر دلیل ہے۔ کہ وہ خیال ہیچ اور خلاف واقع ہے۔ بلکہ وہ رفع یَوْمَ اَمُوْتُ میں داخل ہے اور نزول سراسر باطل ہے" انتہیٰ۔

مرزا صاحب کے اس وہم کا ازالہ دو طریق سے ہے۔ اوّل یہ کہ سب عقلاء کے نزدیک مسلّم ہے۔ اور معقولات میں مصرح ہے کہ کسی امر کے مذکور نہ ہونے سے اس کے وقوع کی نفی نہیں کر سکتے۔ اور قرآن و حدیث میں بلکہ ہر شخص کے روز مرہ میں اس کی مثالیں کثرت سے پائی جاتی ہیں یہ آپ کی نئی منطق ہے کہ کسی امر کے مذکور نہ ہونے سے اس کے عدمِ وقوع کا نتیجہ نکالتے ہیں[1]۔ ہاں اگر قرآن شریف میں رفع کا ذکر مطلقاً کہیں بھی نہ ہوتا۔ تو بھی آپ کہہ سکتے تھے۔ مگر جب دوسرے مقام پر

[1] حالانکہ صاحب احمدیہ میں لکھ چکے ہیں کہ عدم علم سے عدم شے [illegible]

Marfat.com

اس کی تصریح موجود ہے۔ تو اس سے کیوں انکار کیا جاتا ہے۔ تصریح کو چھوڑ کر خلاف عقل و نقل خود ساختہ قاعدے سے تمسک کرنا اتباع ھوی اور تفسیر بالرائے نہیں تو پھر تفسیر بالرائے اور خواہش کی تابعداری کسے کہیں گے؟ دیکھئے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسٰی علیہ السلام اور مریم علیہا السلام ہی کے ذکر میں فرمایا کَانَا یَاْکُلٰنِ الطَّعَامَ یعنی وہ دونوں کھانے کے محتاج تھے"۔ تو صرف طعام کی احتیاج کے مذکور ہونے اور کسی اور احتیاج کے مذکور نہ ہونے سے یہ نتیجہ نکل نہیں سکتا۔ کہ وہ کسی اور چیز پانی وغیرہ کے محتاج نہ تھے"۔

مرزا صاحب کے قاعدہ کے مطابق تو یہاں احتیاج کی جمیع جزئیات اور جملہ انواع شمار کر دینی چاہئیں۔ کیونکہ اس جگہ ان کے محتاج ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔

دوم۔ یہ کہ آیات اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ باواز بلند مسیح علیہ السلام کے رفع جسمانی کو ثابت کر رہی ہیں۔ اور آیت وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتَابِ الآیۃ ان کے نزول کی شہادت دے رہی ہے۔ تو اب دوسرے مقام پر اس کے مذکور نہ ہونے سے کیا حرج لازم آیا۔ اور ان تصریحات کے مقابلہ میں مرزا صاحب کو اس عدم ذکر سے انکار کا حق کس طرح حاصل ہوا؟ ثبوت رفع جسمانی کے لئے دیکھو شہادت القرآن حصہ اول یعنے باب اول اور ثبوت نزول کے لئے دیکھو حصہ دوم صفحہ ۳۳ سے ۴۴ تک بذیل چوتھی آیت یعنے وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ الآیۃ

سوم:۔ یہ کہ آیت زیر بحث سے پیشتر رفع کا ذکر موجود ہے۔ جو مرزا صاحب کو قرآن کریم میں تدبر نہ کرنے کی وجہ سے معلوم نہیں ہو سکا چنانچہ فرمایا وَجَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا اَیْنَمَا کُنْتُ یعنے عیسٰی علیہ السلام کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مبارک کیا ہے جہاں کہیں میں ہوں"۔ اس آیت کی تفسیر حصہ اول طبع اول [1] کے صفحہ ۱۳۳ میں گذر چکی ہے کہ لغت میں برکت کے معنے خیر کثیر یعنے بہت سی بھلائی اور علو یعنے بلندی ہے۔ جیسا کہ آیات ذیل سے بھی ثابت ہے لَفَتَحْنَا عَلَیْھِمْ بَرَکٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (اعراف پ ۹) یعنی ہم ان پر آسمان و زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے (۷:۹۶)۔ اور فَتَبٰرَکَ

[1] "طبع اول ۱۳۴۲ء" "طبع دوم ۱۳۴۶ء"

لِلّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ اور فَتَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ اور تَبَارَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ میں برکت سے مراد عُلُوّ اور بلندی ہے۔ برکت کے یہ دونوں معنی حضرت عیسیٰ میں بائسن وجہ پائے جاتے ہیں۔ خیر کثیر تو مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو چنگا کرنے اور مُردوں کو زندہ کرنے اور نزولِ مائدہ یعنے آسمان سے تیار کھانا اُترنے کی دعا کے قبول ہونے سے ظاہر ہے اور وہ برکات و خیرات جو آپ کے نزول پر ہونگی۔ مثلاً دشمنی اور بغض اور حسد کا دور ہو جانا اور مال کا کثرت سے ہو جانا۔ اور پھلوں اور دُودھ کا معمول سے زیادہ ہو جانا۔ جو صحیح مسلم میں وارد ہے۔ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ اور دوسرے معنی یعنی بلندی، آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں بالتصریح مذکور ہے۔ پس جَعَلَنِيْ مُبَارَكًا اَيْنَمَا كُنْتُ میں ہر سہ اقوال قبل رفع اور زمانِ رفع اور بعد نزول مذکور ہیں۔ اسی لئے اَيْنَمَا كُنْتُ جس کے معنوں میں بہت وسعت ہے۔ فرمایا۔ میں اس آیت سے رفع آسمانی ثابت کرنے میں اکیلا نہیں ہوں۔ اور نہ یہ کوئی تفسیر نئی ہے۔ بلکہ پچھلی تفسیروں میں مفسّرین برابر لکھتے چلے آئے ہیں۔ دیکھو تفسیر کبیر و تفسیر سراج منیر۔

اس بیان سے ثابت ہوا۔ کہ اس آیت سے عیسیٰ علیہ السلام کے رفع اور نزول سے انکار کرنا محض جہالت ہے۔ چہ جائیکہ اس کو دلائل وفات میں پیش کیا جائے۔

اس مقام پر عیسیٰ علیہ السلام کی بعض برکتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور چونکہ مرزا صاحب بھی مدعی مسیحیت ہیں۔ اس لئے مناسب ہے۔ کہ آپ کے ظہور پر جو کچھ "برکتیں" ظاہر ہوئیں۔ ان کا بھی کچھ ذکر کیا جائے۔ تاکہ ایک سوچنے والے کے لئے دونوں میں مباینت بلکہ ضدیت کی نسبت ظاہر ہو۔

نمبر	عیسیٰ علیہ السلام کی برکتیں	نمبر	مرزا صاحب کی شامتیں
۱	دشمنی۔ حسد اور بغض کا دُور ہو جانا۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں مروی ہے	۱	ہندوستان کے عام باشندوں خصوصاً مسلمانوں میں دشمنی۔ حسد۔

لہ یہ کتاب رمضان ۱۳۲۳ھ میں ... کے وقت لکھی گئی تھی۔ عبد القیوم ...

Marfat.com

	وَلَتَذْهَبَنَّ الشَّحْنَاءُ وَالتَّبَاغُضُ وَالتَّحَاسُدُ۔ (صحیح مسلم و مشکوٰۃ باب نزول عیسٰی)		اور بغض کی آگ لگ جانی اور ایسی عداوت کا پیدا ہو جانا جس سے ایک دوسرے سے جدائی اور قطع تعلق بلکہ قطع رحم نتائج نکل رہے ہیں۔
۲	مال کا کثرت سے ہو جانا۔ حتیٰ کہ زکوٰۃ کے قبول کرنے والے نہیں ملیں گے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) وَيَفِيضُ الْمَالُ حَتّٰى لَا يَقْبَلَهُ أَحَدٌ (مشکوٰۃ باب نزولِ عیسٰی)	۲	مسلمانوں کا سخت محتاجی اور فقر کی حالت میں ہونا۔ اگر ایک شخص خیرات کا دروازہ کھولے تو اس کثرت سے فقرا کا جمع ہو جانا کہ اُسے دروازہ بند کرنا پڑے اور بعض کا افلاس کے مارے بے دینی کی طرف مائل ہو جانا۔
۳	دلوں میں آخرت کی تیاری کی فکر اور دنیا سے بے رغبتی کا پیدا ہو جانا۔ (صحیح مسلم) حَتّٰى تَكُونَ السَّجْدَةُ الْوَاحِدَةُ خَيْرًا مِنَ الدُّنْيَا۔ (مشکوٰۃ)	۳	لالچ اور طمع نفسانی کا بڑھ جانا۔ حتیٰ کہ حلال و حرام میں تمیز نہ رہنا رشوت ستانی اور خیانت اور غبن کا کثرت سے وقوع میں آنا۔ اور بعض کا لالچ کے مارے بے دینی اختیار کرلینا عاقبت کو بھلا دینا اور دنیوی فائدوں کو پیش نظر رکھنا۔
۴	کثرت سے بارش کا ہونا اور دودھ اور پھلوں کا معمول سے زیادہ ہونا اور جو امر عام خلق اللہ کے حق میں مضر ہوں اُن کا رُک جانا۔ (" ")	۴	خشک سالی اور ہر جنس کی گرانی خصوصاً گھی دودھ کا کم ہو جانا۔ اور آئے دن نئی بیماریاں اور وبائیں اور طاعون اور زلزلے اور اور بہت سی مصیبتیں۔ دنیا میں عام طور پر بدامنی اور بے آرامی کا ہونا۔

Marfat.com

قسم اوّل کی سب آیتوں کا بیان ہو چکا اب قسم دوم کی آیتیں ذکر کی جاتی ہیں۔

قسم دوم

یہ وہ آیتیں ہیں۔ جو مرزا صاحب کے خیال میں عموماً دیگر انبیا علیہم السلام کی وفات پر دلالت کرتی ہیں۔ لیکن اس نظر سے کہ مسیح علیہ السلام بھی ایک نبی ہیں۔ لہٰذا وہ ان آیتوں کے حکم میں داخل ہیں۔ ایسی سب آیتوں کے جواب کے لئے تمہیدی طور پر علم اصول کے دو قاعدے بیان کرنے ضروری ہیں۔ جن سے معلوم ہو جائیگا۔ کہ مرزا صاحب قواعد علم اصول سے کس قدر دُور چلتے ہیں۔ اور اپنی مطلب برآری کے لئے اس علم کو کیسے بھلا دیتے ہیں۔

پہلا قاعدہ یہ ہے۔ کہ ایک امر صراحت کے ساتھ منطوق عبارت سے ثابت ہو۔ تو اس کے خلاف کسی عبارت میں سے بطور اشارہ یا دلالت استدلال کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ مقابلے کے وقت منطوق کا اعتبار مفہوم پر مقدم ہوتا ہے۔

دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ کوئی امر کسی خاص دلیل سے ثابت ہو تو اس کے خلاف عام دلیل سے تمسک کرنا جائز نہیں۔ یہ دونوں قاعدے نہایت معقول ہیں۔ اور علم اصول کی کتابوں میں ان کی تصریح موجود ہے۔ پس ان کے متعلق زیادہ تفصیل اور نقل عبارت کی ضرورت نہیں۔

قسم دوم میں سے **پہلی آیت** یہ ہے۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ یعنی "محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تو ایک رسول ہیں۔ ان سے پیشتر کئی رسول ہو چکے ہیں۔ پس اگر یہ فوت ہو جائیں۔ یا مارے جائیں۔ تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر لوٹ کر (بے دین) ہو جاؤ گے؟" (پ ۴ آل عمران۔ (۳ : ۱۴۴)

اس آیت سے مرزا صاحب نے اس طرح استدلال کیا ہے کہ جب محمد صلعم سے پہلے رسول سب کے سب فوت ہو چکے ہیں تو بس مسیح علیہ السلام بھی

ان میں آ گئے ؟

اس آیت کے جواب کے لئے چار امروں کی تحقیق ضروری ہے۔ اوّل تحقیق لفظ خلت کہ لغت میں اس کے کیا معنے ہیں۔ دوم مِنۡ قَبۡلِہٖ بہ ترکیب کیا واقع ہوا ہے۔ سوم الرُّسُلُ کا الف لام کیسا ہے۔ چہارم اگر ان ہر سہ امور کو مرزا صاحب کی مراد کے موافق تسلیم کرلیں۔ تو کیا اس آیت سے حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات بھی ثابت ہو سکتی ہے۔

تحقیق لفظ خلت خلت مشتق ہے۔ خلو سے اور موضوع مکان کی صفت کے لئے اور مراد اس سے جگہ خالی کرنا ہے۔ چنانچہ لسان العرب میں ہے۔

(خلا) خلا المکان والشئ یخلو اخلوًا وخلاءً واخلی اذا لم یکن فیہ احد ولا شئ فیہ وھو خال۔ اسی طرح قاموس اور صراح میں بھی ہے۔ اور قرآن شریف میں بھی نقل مکان کے لئے آیا ہے۔ جیسے وَاِذَا خَلَوۡا اِلٰی شَیٰطِیۡنِهِمۡ۔ یعنے جس وقت یہ منافق اپنے بڑے شیطانوں یعنی رئیسوں کے پاس جاتے ہیں ؟ اور اسی طرح اس آیت زیر بحث سے تھوڑا سا پیشتر ہے۔ وَاِذَا خَلَوۡا عَضُّوۡا عَلَیۡکُمُ الۡاَنَامِلَ مِنَ الۡغَیۡظِ۔ آل عمران) یعنے منافق لوگ جس وقت تم سے الگ ہوتے ہیں۔ تو تم پر غیظ وغضب کے مارے اپنی انگلیاں کاٹتے ہیں (۳: ۱۱۹) اور اسی طرح یہ آیت ہے۔ فَخَلُّوۡا سَبِیۡلَهُمۡ یعنے مشرک لوگ جب ایمان لے آئیں۔ اور احکام اسلامی کے پابند ہو جائیں۔ تو ان کا رستہ خالی کردو۔ یعنی ان سے تعرض نہ کرو۔

ان سب آیات میں ایک جگہ سے ہٹ کر دوسری جگہ جانا ہے جسے انتقال مکان کہتے ہیں۔ دوسرے معنے لفظ خلو کے جو زمانے کے متعلق ہوتے ہیں۔ گذرنا ہیں۔ جیسے آیت بِمَاۤ اَسۡلَفۡتُمۡ فِی الۡاَیَّامِ الۡخَالِیَةِ یعنے جو کچھ تم نے ایام گذشتہ میں کیا اس کے عوض میں جنت کی ان نعمتوں میں رہو۔" اور ہر ذی علم سمجھ سکتا ہے، کہ گذرنا زمانے کی صفت بالذات ہوا کرتی ہے۔ اور جن چیزوں پر زمانہ گذرتا

Marfat.com

ہے۔ یہ معنے یعنے گذرنا بعلاقہ ظرفیت و مظروفیت ان چیزوں کی صفت بھی ہوسکتا ہے۔ مگر بالذات نہیں بلکہ بالعرض۔ پس بر تقدیر آیت زیر بحث کے معنے یہ ہونگے۔ کہ "جگہ خالی کرگئے۔ اور گذر چکے ہیں پیشتر اس کے کئی رسول" اور یہ معنے زندوں اور مُردوں ہر دو پر آ سکتے ہیں۔ کیونکہ جگہ خالی کرنے اور گذرنے کی کیفیت صرف موت ہی میں منحصر نہیں۔ بلکہ یہ لفظ خلو مُردوں کے حق میں انتقال بالموت کے معنوں میں معین ہوگا۔ اور زندوں کے حق میں جگہ تبدیل کرنے کے معنوں میں۔ جس طرح ہم کہا کرتے ہیں۔ کہ اس شہر میں ایسے حاکم کئی ہو گذرے ہیں" پس جس طرح یہ جملہ خواہ وہ حاکم مرگیا ہو۔ خواہ وہاں سے تبدیل ہو کر دوسری جگہ چلا گیا ہو۔ ہر دو حال میں صحیح المعنے رہتا ہے۔ اسی طرح آیت قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ میں حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں بدلالت آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وغیرہ دوسرے معنے یعنے جگہ کے تبدیل کرنے میں معین ہوگا۔

خلو کے معنے مرنا اور معدوم ہونا نہیں۔ کیونکہ پھر آیات سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ اور آیت وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا میں تناقض واقع ہوگا۔ کیونکہ بموجب مذہب مرزا صاحب پہلی آیت کا مفاد یہ ہے۔ کہ سُنت اللہ معدوم ہو چکی ہے اور دوسری آیت کا یہ کہ سنتِ الٰہی تبدیل بھی نہیں ہوسکتی۔ یعنی اُسے ہمیشہ کے لئے اپنے حال پر بقا حاصل ہے۔ پس خلت سے موت اور عدم مراد سمجھنا بالکل باطل ہے۔

امر دوم یعنے مِنْ قَبْلِهِ کو مرزا صاحب اور مولوی محمد احسن صاحب امروہی نے الرُّسُلُ کی صفت بنایا ہے۔ چنانچہ اس کے معنے یہ کرتے ہیں کہ "جو پیغمبر محمد صلعم سے پیشتر تھے وہ مرگئے" یہ اُن کی صریح غلطی ہے۔ اور علم نحو سے ناآشنا ہونے یا دیدہ دانستہ لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنے کی صاف شہادت ہے۔ کیونکہ آیت میں مِنْ قَبْلِهِ لفظ الرُّسُلُ پر مقدم ہے۔ اور مُبتدی بھی

Marfat.com

جانتے ہیں کہ موصوف صفت سے پہلے ہوتا ہے۔ پس مرکب من قبلہ لفظ الرسل کی صفت نہیں ہو سکتا۔ بلکہ محل ظرف میں واقع ہے۔ اور متعلق ہے فعل خلت کے کیونکہ ظرف کے لئے ضروری ہے۔ کہ کسی فعل کے متعلق ہو۔ پس آیت کے معنے یہ ہوں گے۔ کہ "اس سے پیشتر کئی رسول گذر چکے"۔

امر سوم۔ یعنی الرسل کے الف لام کی تحقیق اس طرح ہے۔ کہ مرزا صاحب اور مولوی محمد احسن صاحب امروہوی اس الف لام کو استغراقی قرار دیتے ہیں۔ اور اس بنا پر اس طرح استدلال کرتے ہیں۔ کہ "چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر کے سب رسول فوت ہو چکے ہیں"۔ فاضل امروہی اور مرزا صاحب کے اس قیاس کی بنا غلط مقدمات پر ہے۔ اور اس الف لام کو استغراقی قرار دینے میں انہوں نے سخت غلطی کھائی ہے۔ اوّل اس وجہ سے کہ اوپر ثابت ہو چکا ہے۔ کہ مِنْ قَبْلِهٖ فعل خلت کے متعلق ہے۔ اور الرُّسُلُ کی صفت نہیں ہے۔ پس یہی ترکیب اس الف لام کے استغراقی نہ ہونے کے لئے کافی حجت ہے کیونکہ اگر مِنْ قَبْلِهٖ کو خَلَتْ کے متعلق ظرف ٹھیرائیں۔ جو بالکل درست ہے، اور الرُّسُلُ کے الف لام کو استغراقی مانیں۔ جو بالکل غلط ہے۔ تو معاذ اللہ ثم معاذ اللہ اندریں صورت پہلے قضیہ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ کے خلاف رسول اللہ صلعم جماعت مرسلین سے خارج ہوں گے۔ کیونکہ پھر تو اس آیت کے یہ معنی ہونگے کہ جتنے اشخاص صفتِ رسالت سے موصوف تھے وہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے پیشتر فوت ہو چکے ہیں۔ پس آپ معاذ اللہ رسولِ برحق ثابت نہ ہونگے۔ اور ظاہر ہے۔ کہ جس معنے سے قرآن شریف کی آیات میں تعارض واقع ہو خصوصاً کسی نبی برحق کی رسالت کا انکار لازم آتا ہو، وہ معنے بالکل باطل ہیں دیگر یہ کہ یہی الفاظ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ سورہ مائدہ میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے حق میں دربارہ نفی الوہیت وارد ہوئے ہیں۔ پس اگر جہالت سے الف لام کو استغراقی مانا جائے۔ تو لابد تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ رسول اللہ صلعم اس آیت کے نزول

Marfat.com

کے وقت فوت ہو گئے تھے۔ اور یہ بالکل باطل ہے یا معاذ اللہ انکارِ نبوت محمدیؐ و عیسوی لازم آئیگا۔ جیسا کہ پہلے گذر چکا۔ کیونکہ اس صورت میں معنی یہہ ہونگے۔ کہ سب رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پیشتر فوت ہو گئے ہیں۔ حالانکہ جناب رسول اللہ علیہ وسلم حضرت مسیح علیہ السلام کی رفع کے کئی زمانے بعد پیدا ہوئے۔ اور شرفِ نبوت سے ممتاز ہوئے۔ اور اس آیت کے نزول کے وقت زندہ موجود تھے۔ کیونکہ یہ آیت آپ ہی پر اتری۔ یہ ایک وثیق نکتہ ہے۔ اس کا ادراک کسی علمِ نحو کے مذاق سے خالی اردو خوان کا کام نہیں۔

تنبیہ اس تقریر کے جواب میں جلدی کرکے مِنْ قَبْلِهِ کو اَلرُّسُلُ کی صفت نہ کہہ دینا چاہئے۔ کیونکہ اس کا ابطال ہم پہلے ظاہر کر چکے ہیں۔

دوسری وجہ جس سے الرُّسل کے الف لام کو استغراقی کہنا غلط ثابت ہوتا ہے یہ ہے کہ اس آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ کا شان نزول یہ ہے۔ کہ آں سرور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نسبت **جنگِ اُحد** میں غلط خبر اڑ گئی۔ کہ آپ شہید ہو گئے۔ اور بعض لوگوں نے نبوت اور موت میں منافات سمجھی اور ارتداد کا رستہ اختیار کرنے لگے۔ اللہ تبارک و تعالےٰ نے اُن کے خیال کو باطل ثابت کرنے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی۔ اور ظاہر کر دیا۔ کہ نبوت اور موت میں منافات نہیں۔ کیونکہ جس طرح بعض دیگر رسولوں کے حق میں ان کے مر جانے سے ان کی نبوت میں کوئی قدح واقع نہیں ہوتی۔ اسی طرح اگر آنحضرت صلعم بھی طبعی موت سے فوت ہو جائیں۔ یا میدانِ جنگ میں شہید ہو جائیں تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ کہ آپ نبی برحق نہیں ہیں۔ پس چونکہ اس آیت سے اللہ تعالےٰ کا مقصود یہ ہے۔ کہ نبوت اور موت میں منافات نہیں ہے۔ اس لئے استغراقی افراد یعنے سب رسولوں کو فوت شدہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں[۱]۔ صرف ایک

---

[۱] معقولی طور پر اس کا بیان اس طرح ہے کہ مشرکین کا قول سالبہ کلیہ ہے کہ کوئی نبی مر نہیں سکتا۔ اور خدا تعالےٰ کو اس کی تردید منظور ہے۔ اور معلوم ہے کہ سالبہ کلیہ کی نقیض موجبہ جزئیہ ہوتی ہے نہ کہ موجبہ کلیہ۔

Marfat.com

رسول یا چند رسولوں کی موت کے ذکر سے مقصود حاصل ہو سکتا ہے پس اَلرُّسُلُ کا الف لام استغراق کا نہیں ہے۔ بلکہ اس کے معنے یہ ہیں کہ اس سے پیشتر کئی رسول ہو چکے ہیں۔ اور الف لام جنسی ہے کیونکہ اسم پر الف لام داخل ہو کر ہمیشہ استغراق افراد کا فائدہ نہیں دیتا۔ بلکہ تین معانی میں سے کسی معنے میں سے ہوتا ہے عہد استغراق اور تعریف جنس۔ جیسا کہ علم نحو کے مطالعہ کرنے والوں پر مخفی نہیں ہے اَلرُّسُلُ کا الف لام عہدی اس لئے نہیں کہ اس سے اُوپر ان رسولوں کا ذکر نہیں ہے اور اس کے استغراقی نہ ہونے کے لئے مِنْ قَبْلِهٖ اور شانِ نزول کا مانع ہونا بیان ہو چکا ہے۔ پس بقاعدہ تردید و دوران جنسی ہوا۔ اور یہی ہماری مُراد ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ "الف لام جمع کے صیغے پر جب کبھی آتا ہے۔ تو مفید استغراق ہی ہوتا ہے" جیسا کہ ہم نے اوپر ثابت کر دیا ہے۔ کہ الف لام کے ہمیشہ استغراقی نہ ہونے کے لئے آیت وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ کو غور سے پڑھنا چاہیے۔ کہ یہی لفظ الرُّسُل بصیغہ جمع باالف و لام موجود ہے اور یہاں استغراق افراد قطعاً باطل ہے۔ کیونکہ اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے کتاب دی۔ اور اس کے پیچھے اس کے آئین پر کئی رسول بھیجے۔ نہ یہ کہ سب رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بھیجے گئے۔ کیونکہ یہ معلوم ہے کہ حضرت موسیٰؑ سب سے پہلے رسول نہیں ہیں۔ بلکہ کئی رسول آپ کے پہلے ہوئے اور کئی

(حاشیہ بقیہ از صفحہ ۶۶)

پس الف۔ لام الرسل کا استغراق کے لئے نہ ہوا۔ بلکہ تعریف جنس کے لئے ہوا اور چونکہ الرسل کلی ہے۔ اور اس پر کوئی کلمہ حاصر نہیں۔ اس لئے قد خلت من قبلہ الرسل قضیہ مہملہ ہوا۔ اور معلوم ہے۔ کہ مہملہ قوت جزئیہ میں ہوتا ہے۔ لہٰذا آیت کے معنے ہوئے تحقیق گذر چکے ہیں۔ پیشتر اس سے کئی رسول"۔ قادیانی خلافت سے پہلے جناب مولوی نور الدین صاحب نے بھی اس آیت کا ترجمہ اپنی کتاب فصل الخطاب میں یہی کیا ہے جو ہم نے کیا ہے (ملاحظہ ہو صفحہ حصہ اوّل) پس الف لام کے استغراقی نہ ہونے کے سبب سب رسول فوت شدہ ثابت نہ ہوئے بلکہ بعض رسول۔ لہٰذا یہ آیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات قبل النزول کی دلیل نہ ہو سکی۔ ۱۲ منہ۔

Marfat.com

آپ کے بعد۔ پس ہر دو آیت میں اَلرُّسُلُ سے مراد کئی پیغمبر ہیں نہ کہ سارے۔ فافہم
اسی طرح قرآن شریف میں کئی مقام پر جمع کا لفظ الف لام کے ساتھ آیا ہے۔
اور وہاں استغراق افراد مراد نہیں بلکہ کثرت کے معنے ہیں جیسے اِذْ جَاءَتْهُمُ الرُّسُلُ
(حٰم سجدہ) اور وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ میں خلت اور من قبلھم
اور المثلٰت صیغہ جمع بالف لام سب کچھ موجود ہے۔ اور مرزا صاحب اور فاضل
امروہی صاحب کی تحقیق ان سب کے خلاف ہے۔

اس آیت کے متعلق مرزا صاحب نے ایک اور گل کھلایا ہے۔ چنانچہ فرماتے
ہیں :-

"اس آیت کا ماحصل یہ ہے۔ کہ اگر نبی کے لئے ہمیشہ زندہ رہنا ضروری ہے تو کوئی ایسا نبی پہلے نبیوں میں سے پیش کرو۔ جو آج تک زندہ موجود ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اگر مسیح ابن مریم زندہ ہے۔ تو پھر دلیل جو خدا تعالےٰ نے پیش کی صحیح نہیں ہوگی" انتہیٰ۔

مرزا صاحب! یہ نئی منطق کہاں سے پڑھی ہے؟ کیا الہام سے تو نہیں سیکھی؟ آپ ہر علم دینی و دنیوی میں تجدید کرتے ہیں۔ خواہ اُسے جانیں یا نہ جانیں۔ ایسی منطق سے تو آپ نے معلم اول (ارسطو) اور معلم ثانی (ابو نصر فارابی) اور بو علی سینا کو بھی مات کر دیا۔
حضرت! ذا قعہ اور ... لوگوں کو زیر نظر رکھ کر آیت کی صحیح مراد یہ ہے کہ میدان جنگ میں نبی صلعم کی شہادت کی خبر سنکر بعض لوگوں نے نبوت اور موت میں منافات کا گمان کر کے ارتداد کی راہ اختیار کرنی چاہی۔ اللہ تعالےٰ نے یہ آیت ان کے زعم کی تردید میں نازل کی۔ پس اس کا ماحصل یہ ہوا۔ کہ اگر رسالت اور موت میں منافات ہوتی تو کوئی رسول بھی نہ مرتا۔ کیونکہ جب مقصود یہ ہے۔ کہ وصف رسالت اور موت میں منافات کے گمان کو دور کیا جائے۔ تو خواہ ایک رسول فوت شدہ کو بطور نظیر پیش کریں۔ خواہ زیادہ کو بہر صورت مقصود حاصل ہو جاتا ہے جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے۔ پس آپ کا یہ وہم کہ "اگر مسیح ابن مریم زندہ ہے تو پھر دلیل صحیح نہیں

لہ کیونکہ سالبہ کلیہ کی نقیض موجبہ جزئیہ ہوتی ہے۔ ۱۲ منہ۔

Marfat.com

ہو گی"۔ باطل ہے۔ اس لئے کہ جب کئی رسول فوت ہو جائیں۔ اور ایک زندہ رہے تو اس کا زندہ رہنا دوسرے کی زندگی کے لئے علت موجبہ نہیں ہو سکتا۔ اور نہ وصف رسالت اور موت میں منافات ہو سکنے کی وجہ بن سکتا ہے۔ بلکہ اس سے تو منافات کا ابطال صاف ظاہر ہے۔ کیونکہ اگر منافات ہوتی۔ تو کوئی شخص بھی جو وصف رسالت سے موصوف ہو نہ مرتا۔ حالانکہ ایسے کئی شخص جو اس صفت سے موصوف ہیں۔ مر چکے ہیں۔[1]

اس بیان سے یہ بھی واضح ہو کہ قضیہ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ کلیہ نہیں ہے۔ بلکہ مہملہ ہے۔ جو جزئیہ کے حکم میں ہوتا ہے۔ پس امروہی صاحب[2] نے جو منطقی طور پر اس آیت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت کرنی چاہی ہے۔ وہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ شکل اول کے انتاج کے لئے کلیتِ کبریٰ شرط ہے جیسا کہ کتب منطق میں مصرح ہے۔ وشرطہُ انتاجہ ایجابُ الصغریٰ وکلیۃ الکبریٰ پس جب شکل اول کے روسے قیاس کے صحیح ہونے کی ایک شرط موجود نہ ہوئی۔ تو قیاس صحیح نہ ہوا۔ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ کے کلیہ نہ ہونے کی وجہ اوپر مذکور ہو چکی ہیں۔ اَلرُّسُلُ میں الف لام استغراقی نہیں۔ کیونکہ مِنْ قَبْلِہٖ جو خَلَتْ کے

---

[1] کیونکہ منافات ہونے کی صورت میں سلب کلی ضروری ہے۔ اور جب معلوم ہو چکا کہ بعض فوت ہو چکے ہیں تو کلیت ٹوٹ گئی اور منافات کا دعویٰ باطل ہو گیا۔ اور سالبہ کلیہ کی نقیض موجبہ جزئیہ ہونے کے ہی معنے ہیں۔ فافہم ولا تکن من القاصرین۔ ۱۲ منہ۔

[2] دیکھو رقیتہ الوداد نمبر سوم صفحہ ۲۰۔ جو رسالہ دافع البلاء مصنفہ مرزا صاحب مطبوعہ سیالکوٹ کے ساتھ شامل ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہاں باس خاطر طبعہ مدرس صاحب کے قیاس منطقی ہم یہاں لکھے دیتے ہیں۔ سو واضح خاطر عاطر ناظرین ہو کہ ہم نے نہایت بسط کے ساتھ شمس بازغہ میں شکل اول بدیہی الانتاج سے حضرت عیسیٰ کی وفات ثابت کر دی مگر یہاں پر نہایت اختصار کے ساتھ صرف تین سطوں میں شکل اول کو لکھ دیتے ہیں۔ عیسیٰ بن مریم کان نبیا من الناس الذین کانوا قبل نبینا و مات الناس الذین کانوا قبلہ کلہم حتیٰ کالانبیاء فعیسیٰ ابن مریم ایضا مات۔ مقدمہ صغریٰ تو ہر گاہ مسلم فریقین ہے۔ اور مقدمہ آیت وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل سے بھی ثابت ہو چکا ہے۔

Marfat.com

متعلق ہے۔ اس کا انکار کرتا ہے۔ نیز یہی آیت حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں وارد ہے۔ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ نیز آیت بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ اس کی مخصص موجود ہے۔ نیز شانِ نزول اور زاعمین کے زعم پر نظر رکھنے سے صاف ظاہر ہے کہ قضیہ قَدْ خلت من قبلہ الرسل موجبہ جزئیہ ہے۔

پہلے تین امروں کی تحقیق بخوبی ہو چکی ہے جس سے صاف ثابت ہو گیا کہ آیت قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ کے یہ معنی نہیں کہ جو پیغمبر رسول اللہ صلعم سے پیشتر تھے۔ وہ سب مر گئے ہیں۔ بلکہ اس کے معنی جو لغت عرب اور قواعد نحو اور علم منطق کے لحاظ سے صحیح ہیں۔ یہ ہیں کہ "تحقیق گذر چکے پیشتر اس کے کئی رسول"

اب امر چہارم کی تحقیق کی جاتی ہے کہ اگر بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس کے معنے مرزا صاحب کی غلط تحقیق کے موافق ہیں۔ تو بھی اس سے مرزا صاحب کی مراد یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ پھر بھی یہ آیت وفات مسیح کے بارے میں عام رہیگی۔ خاص نہ ہوگی۔ لیکن آیات اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ اور بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اور وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ جن کی تفسیر پیچھے گذر چکی ہے۔ آپ کی رفع آسمانی اور نزول بار ثانی کے لئے خاص دلائل اور نصوص قطعیہ ہیں۔ جن کے مقابلے میں مرزا صاحب کا استدلال جو اس آیت زیر بحث کے عموم سے کیا گیا ہے۔ مفید مطلب نہیں۔ کیونکہ ہم اس آیت کے شروع میں دوسرے قاعدے میں بیان کر آئے ہیں۔ کہ دلیل خاص کے مقابلے میں اس کے خلاف عام دلیل سے استدلال کرنا جائز نہیں ہے۔ مثلاً سورہ دہر میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَۃٍ اَمْشَاجٍ پ۲۹) یعنی ہم نے انسان کو مخلوط نطفے سے پیدا کیا" (۲:۷۶) اور چونکہ آدم علیہ السلام بھی انسان ہیں۔ اس لئے بموجب امروہوی صاحب کی منطق کے آدم علیہ السلام کی پیدائش بھی مادہ نطفہ سے ثابت ہوئی (جو بالکل باطل ہے) کیونکہ بروئے شکل اول اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے آدم انسان ہے اور سب انسان نطفہ سے پیدا ہوئے ہیں پس آدم بھی نطفہ سے پیدا ہوا ہے۔

اس وہم کا ازالہ اس طرح ہے کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش دوسرے مقامات

Marfat.com

دلیل خاص سے ثابت ہے۔ کہ مادہ مٹی سے ہوئی۔ اور اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کی
پیدائش نفخ روح القدس سے ہوئی۔ پس آدمؑ اور حواؑ۔ اور عیسیٰؑ۔ جن کی
پیدائش کی کیفیت خاص دلیل سے اور طرح پر ثابت ہے۔ اس آیت سورۃ
ہر سے مستثنےٰ رکھے جائیں گے۔ اور اُن کے علاوہ دوسرے انسانوں پر اس آیت
کا حکم لگایا جائیگا۔ کہ وہ مادہ منی سے پیدا ہوئے۔ اس بیان سے مرزا صاحب
اور فاضل امروہی صاحب انکار نہیں کرسکتے۔ پس اسی طرح جب دوسرے
مقام پر حیاتِ عیسےٰ علیہ السلام خاص دلیل سے ثابت ہے تو عیسےٰ علیہ السلام
اس آیت قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ کے عموم سے باہر رہینگے۔ پس آپ کی
وفات ثابت نہ ہوسکی۔ اور مرزا صاحب کی مراد پوری نہ ہوئی۔

اس آیت کے متعلق مرزا صاحب اور مولوی محمد احسن صاحب ایک اور
مغالطہ دیا کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
رسول اللہ صلعم کی وفات شریف پر یہی آیت پڑھ کر آپ کی وفات ثابت
کی۔ اور لوگوں کے دلوں سے شبہ دُور کیا جو یہ تھا۔ کہ آنحضرت صلعم فوت نہیں
ہوئے۔ اس وہم کے ازالہ کے لئے بیان بالا کافی ہے۔ مگر نیا سوال ہونے اور
عام لوگوں کی تسلی کے لئے ہم اس کو کچھ تفصیل سے لکھتے ہیں۔ کہ جو وہم بعض
لوگوں کو جنگِ اُحد کے دن پڑا تھا۔ کہ رسول کو مرنا نہیں چاہیئے۔ اسی طرح کا
وہم بعض کو آنحضرت صلعم کی وفات پر ہوا۔ کہ آپؐ وفات نہیں پاسکتے۔ خواہ
نبی صلعم کی وفات کا واقعہ عظیمہ کے سبب طبیعت پر سخت صدمہ گذرنا اس کا
موجب ہوا۔ یا کچھ اور۔ غرض وہم یہی تھا۔ کہ آنحضرت صلعم پر موت نہیں آسکتی
پس حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا اس وہم کو دُور کرنے کے لئے اس آیت کو پڑھنا
اسی طرح کا ہوا جیسے خدا تعالےٰ نے نازل کی تھی۔ اور معلوم ہوچکا ہے کہ اس
سے مراد خداوندی صرف یہی ہے۔ کہ رسالت اور موت میں منافات نہیں
ہے۔ پس جس طرح اس آیت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہرگز ثابت

Marfat.com

نہیں ہوتی۔ اسی طرح خطبہ صدیقیہ سے بھی نبی صلعم کے لئے موت کا امکان ثابت ہوا۔ نہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات جسے مقصود سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ ہاں امکان ثابت ہو سکتا ہے۔ مگر وقوع نہیں۔

دوم :- یہ کہ اسی آیت میں آگے اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ موجود ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت ابوبکرؓ کی نظر آنحضرت صلعم کی موت کے ممکن ہونے کے لئے اِنْ مَّاتَ پر ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ آپ کے حق میں موت کو ممکن فرماتا ہے۔ اس وجہ کی تائید دوسری آیت سے بھی ہوتی ہے۔ جو حضرت ابوبکرؓ نے اسی وقت حاضرین کو پڑھ سنائی تھی۔ وہ آیت یہ ہے۔ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ یعنی اے پیغمبر تو بھی اپنے وقت مقررہ پر) مرنیوالا ہے اور یہ (کفار بھی اپنے اپنے اوقات مقررہ پر) مرنے والے ہیں۔" (پ ۲۳ زمر، ۳۹ : ۳۰)

دیکھو اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلعم پر میّت کا لفظ فرمایا ہے پس اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ حضرت ابوبکرؓ کا استدلال اَفَائِنْ مَّاتَ سے ہے۔ نہ کہ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ سے۔ کہ وفات مسیح کے لئے ضعیف اور غلط طور پر بھی مفید ہو سکے۔

سوم :- یہ کہ دجال کا خروج اور عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ایک طرح سے دونوں آپس میں ایسے لازم و ملزوم ہیں۔ کہ ایک کا ماننے والا ضرور دوسرے کا مصدّق ہے پس جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ دجال کے خروج کی حدیث کے راوی ہیں۔ تو آپ نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کب غافل ہیں (دیکھو سنن ابن ماجہ باب خروج الدجال)

چہارم یہ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی غرض ان آیات کے پڑھنے سے اس وہم کا ازالہ ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت نہیں ہو سکتے پس چونکہ وصف نبوت و موت میں منافات کے ہونے کو علی سبیل الحکایت باطل کرنا مقصود بالذات ہے۔ پس خطبہ صدیقی اس امر پر تو بعبارۃ النص دلالت کرتا ہے

لیکن یہ امر کہ سب انبیاء مر چکے ہیں۔ نہ تو خطبہ صدیقی کا معاد ہے اور نہ اس پر مخاطبین کے مزعوم کی تردید موقوف ہے۔ پس اس سے وفات مسیح علیہ السلام پر اجماع صحابہؓ کا دعویٰ کرنا خلاف روایت بلکہ درایت بھی ہے۔ کیونکہ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت بالتصریح پکار رہی ہے۔ کہ وہ سب صحابہ رضؓ کے درمیان آیت وَإِنْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ میں مَوْتِهٖ کی ضمیر کا مرجع عیسےٰ علیہ السلام قرار دیکر آپ کا نزول ثابت کر رہے ہیں۔ اور اس تصریح نزول کے موقع پر کوئی صحابی نہ تو نفس مضمون یعنی نزول حضرت مسیح علیہ السلام سے انکار کرتا ہے۔ اور اور نہ حضرت ابو ہریرہ رضؓ کے ضمیر کا مرجع حضرت عیسٰی ؑ کو قرار دینے کو غلط کہتا ہے اور نہ آپ کے استدلال کو ضعیف قرار دیتا ہے۔ پس اجماع حیات و نزول حضرت عیسٰی علیہ السلام پر ہوا نہ کہ وفات پر۔ قطع نظر اس سے کہ یہ روایت **صحیح بخاری** حضرت عیسٰی علیہ السلام کے حیات و نزول پر اجماع صحابہ رضؓ کو ثابت کر رہی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضؓ کا اس آیت کو حیات و نزول عیسےٰ علیہ السلام کے بارے میں حدیث کی تصدیق کے لئے پڑھنا کم سے کم مولوی محمد احسن صاحب کے خیالی اجماع کے توڑنے کے لئے تو کافی ہے۔

قسم دوم میں سے دوسری آیت یہ ہے۔ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (پارہ اول رکوع اخیر) (۳ر ۱۳۱)

اس آیت کا ترجمہ مرزا صاحب اس طرح کرتے ہیں "اس وقت سے جتنے پیغمبر پہلے ہوئے ہیں یہ ایک گروہ تھا جو فوت ہو گیا۔ اُن کے اعمال ان کے لئے تمہارے اعمال تمہارے لئے۔ اور ان کے کاموں سے تم نہیں پوچھے جاؤ گے۔ انتہیٰ"

صفحہ ۴۳ میں ہم ذکر کر آئے ہیں۔ کہ مرزا صاحب قرآن شریف کے ترجمے میں الفاظ کی رعایت بالکل نہیں رکھتے۔ اور سلسلہ عبارت اور ماقبل و مابعد کو بالکل بھلا دیتے ہیں۔ اور الفاظ قرآن شریف کو موڑ توڑ کر اپنے ٹھکانے ہوتے مطلب کے پیچھے لے جاتے ہیں۔ زبان کے قواعد پر نظر اور اصول ترجمہ سے واقفیت رکھنے والے [illegible] کَمَا مَرَّ مِرَارًا۔

Marfat.com

خوب جانتے ہیں کہ ترجمہ کرنے کا یہ طریقہ بالکل غلط ہے۔ اور تفسیر بالرائے اور اتباع ہوی یعنے اپنے خیال و رائے سے تفسیر کرنا اور اپنی خواہش کی پیروی کرنا اسی کو کہتے ہیں۔ ناظرین انصاف سے قرآن مجید کے الفاظ اور مرزا صاحب کے ترجمہ پر نظر کرینگے۔ تو ان کو ہماری تصدیق کرنی پڑے گی۔ جناب مرزا صاحب! "اس وقت سے جتنے پیغمبر پہلے ہوئے ہیں" کس عبارت کا ترجمہ ہے۔ اور قرآن شریف میں اس کے لئے کونسے الفاظ ہیں؟ آپ ترجمہ میں اور پھر قرآن شریف کے ترجمہ میں ایسی صریح بے دلیل زیادتیاں کرتے ہیں۔ اور ذرا نہیں جھجکتے۔ آپ کی مثال بھی یہ کیسا ٹھیک ہے۔ ع

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

کیا دنیا میں آپ کے سوائے کوئی دوسرا شخص عربی زبان نہیں سمجھتا؟ کہ آپ ایسے دھوکہ سے مطلب بر آری چاہتے ہیں۔ خلت کے معنے مرزا صاحب نے اس جگہ بھی "فوت ہوگئے ہیں" کئے ہیں۔ اس کی تحقیق پہلی آیت میں گذر چکی ہے اس مقام پر مرزا صاحب سے صرف اتنا پوچھا جاتا ہے۔ کہ خلو کے معنے موت کس زبان کا محاورہ ہے؟ اور کونسی کتاب اس کی شاہد ہے؟

اس آیت کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت وغیرہ سے کوئی بھی تعلق نہیں ہے۔ نہ عموماً اور نہ خصوصاً کیونکہ لفظ تِلْکَ (یہ) جو اس آیت کے شروع میں ہے۔ اس کا اشارہ ان کی طرف ہے۔ جو اس سے پیشتر مذکور ہیں اور وہ حضرت ابراہیمؑ اور ان کے بیٹے اور حضرت یعقوبؑ اور ان کے بیٹے ہیں اور بس۔

اس آیت کی صحیح تفسیر اس طرح ہے۔ کہ یہودی کہا کرتے تھے۔ کہ حضرت یعقوبؑ وصیت کر گئے تھے۔ کہ یہودیت کو نہ چھوڑنا۔ اور نیز اس بات پر بڑا فخر کرتے تھے۔ کہ ہم پیغمبروں کی اولاد میں سے ہیں۔ ہم کو عذاب نہیں ہوگا۔ خدا تعالے نے ان کے ان دونوں وہموں کو دُور کرنے کے لئے پہلے تو فرمایا۔ کہ ابراہیم اور یعقوب علیہم السلام نے تو اپنے اپنے بیٹوں کو اسلام کی وصیت

کی تھی. خاص کر یعقوب علیہ السلام نے اپنی موت کے وقت اپنے بیٹوں سے پوچھا تھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم اسی ایک معبود کی عبادت کرینگے جس کی عبادت آپ اور آپ کا باپ اسحٰق اور چچا اسمٰعیل اور دادا ابراہیم علیہم السلام کرتے رہے۔ اور ہم اُسی کے فرمانبردار رہیں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالےٰ یہود کے دوسرے وہم کو دور کرنے کے لئے فرمایا کہ ان لوگوں کے اعمال (یعنی ابراہیم۔ اسحاق اور یعقوب علیہم السلام جن کے بھروسے پر تم جرأت سے بداعمالیاں کرتے ہو) ان کے لئے ہیں اور تمہارے عمل تمہارے لئے۔ آیت کا صحیح مطلب یہ ہے۔ جو بیان کیا گیا ہے۔ اور مرزا صاحب کچھ اور کا اور ہی مطلب بے اڑتے ہیں۔ اور اپنی رائے سے قرآن شریف کے مطالب کو بگاڑ بگاڑ کر مسلمانوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ ناظرین! قرآن شریف میں سے یہ مقام نکال کر شروع مضمون سے اخیر تک مطالعہ کریں۔ اور انصاف سے حق کی داد دیں۔

اگر خلت کے رو سے اس آیت کو کسی کی موت سے کچھ تعلق ہے بھی۔ تو اوّل چونکہ عیسیٰ علیہ السلام تِلْکَ کے مشار الیہم میں داخل نہیں ہیں۔ اس لئے اسے ان کی وفات کی دلیل گردانا بالکل باطل ہے۔ دوم یہ کہ یہی آیت اس سے آگے پارے کے اخیر پر بھی آئی ہے۔ اور اس سے پہلے تِلْکَ کے مشار الیہم حضرت ابراہیم۔ اسمٰعیل اسحٰق۔ یعقوب (ع م) اور ان کے بیٹے ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام ان میں داخل نہیں۔ اس سے پیشتر حضرت ابراہیم۔ اسمٰعیل۔ اسحٰق۔ یعقوب علیہم السلام اور ان کی اولاد اور موسےٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کا ذکر ہے۔ اور وہاں خلت یا موت وغیرہ کا کوئی ذکر تک نہیں۔ پس جس جس مقام پر اللہ تعالےٰ نے خلت کا لفظ فرمایا ہے۔ وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر نہیں۔ اور جہاں ان کا ذکر ہے۔ وہاں لفظ خلت نہیں بس یہ آیت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کی دلیل نہ ہوئی۔ سوم یہ کہ اگر کسی طرح سے عیسےٰ علیہ السلام کو اس آیت کے عموم میں داخل بھی سمجھ لیں۔ تو پھر بھی یہ آیت عام رہے گی۔ پس بموجب قاعدہ دوم یہ دلیل آیت وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ الآیہ اور اس جیسی دیگر آیتیں

Marfat.com

جو عیسٰی علیہ السلام کی زندگی پر شاہد ناطق ہیں۔ ان کے مقابلہ میں ہرگز قابلِ قبول نہیں کیونکہ دلیل خاص کے مقابلہ میں دلیل عام کا اعتبار نہیں ہوتا۔

قسم دوم میں سے تیسری آیت وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ أَفَإِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ (انبیاء پ۱۷ : ۲۱ : ۳۴) اس آیت کا بیان مرزا صاحب اس طرح کرتے ہیں۔ "ہم نے تجھ سے پہلے کسی بشر کو زندہ اور ایک حالت پر رہنے والا نہیں بنایا پس کیا اگر تو مر گیا۔ تو یہ لوگ باقی رہ جائیں گے"

اس آیت کو حضرت مسیح علیہ السلام کی موت سے کوئی بھی تعلق نہیں۔ کیونکہ اس میں ہمیشہ رہنے کی نفی ہے۔ اور ہم عیسٰی علیہ السلام کے ہمیشہ زندہ رہنے کے قائل نہیں۔ بلکہ بموجب حدیث صحیح اعتقاد رکھتے ہیں۔ کہ آپ علیہ السلام بعد نازل ہونے کے دنیا میں آباد رہ کر فوت ہوں گے۔ اور مدینہ طیبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن ہوں گے۔ قادیانی کی مماثلت کی تردید اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کے نزول کی تائید میں یہ حدیث کافی ہے۔ پس عیسٰی علیہ السلام کی موت قبل النزول ثابت نہ ہوئی۔

تیسری قسم کی وہ آیتیں ہیں۔ جن کو حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ساتھ کچھ بھی تعلق نہیں ہے، نہ عموماً اور نہ خصوصاً۔ اور نہ علم اصول کی رُو سے ان سے اس امر پر استدلال جائز ہے۔ بلکہ صرف مرزا صاحب کی اپنی اختراع ہے۔ ان سب کی تردید کے لئے صرف وہی دو قاعدے جو ہم نے صفحہ ۴۴ میں بیان کئے ہیں۔ کافی ہیں کہ جب کوئی امر خاص اور صریح دلائل سے ثابت ہو جائے۔ تو ان کے مقابلہ میں ان کے خلاف عام دلائل اور قیاسی ڈھکوسلے چل نہیں سکتے۔ کیونکہ پھر متکلم کی تصریح کا کوئی فائدہ و اعتبار نہیں رہتا۔ مگر ناظرین کی تفہیم کے لئے ان آیات کو بھی ایک ایک کرکے بیان کرتے ہیں۔ اور ظاہر کرتے ہیں۔ کہ مرزا صاحب کے استدلال کس قدر ضعیف ہیں

تیسری قسم میں سے پہلی آیت یہ ہے۔ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ (بقرہ پ۱ ۲ : ۳۶) مرزا صاحب اس آیت کا بیان اس طرح فرماتے ہیں:-

"تم اپنے جسم خاکی کے ساتھ زمین پر ہی رہوگے۔ یہانتک کہ اپنے تمتع کے دن پورے کرکے مرجاؤگے۔ یہ آیت جسم خاکی کو آسمان پر لے جانے سے روکتی ہے کیونکہ لکم جو اس جگہ فائدہ تخصیص کا دیتا ہے۔ اس بات پر بصراحت دلالت کر رہا ہے۔ کہ جسم خاکی آسمان پر جا نہیں سکتا۔ بلکہ زمین سے ہی نکلا۔ اور زمین میں ہی رہے گا۔ اور زمین میں ہی داخل ہوگا۔ انتہیٰ"

اس بیان سے ہر ذی علم مرزا صاحب کی قوت استدلال کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ کہ کس قدر بڑھی ہوئی ہے۔ استدلال کی صحت کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ قرآن وحدیث کی تصریح کے خلاف نہ ہو۔ مگر مرزا صاحب اس امر کی ہرگز پرواہ نہیں کرتے۔ اور اپنی بے تکی ہانکے جاتے ہیں۔ ہاں مرزا صاحب! بے شک اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے مقرّ طبعی زمین ہی بنائی ہے۔ اور اسی میں وہ دفن کئے جاتے ہیں۔ اور اسی سے قیامت کو اٹھائے جائیں گے۔ یہ تو سب کچھ ٹھیک ہے۔ مگر اس سے وفات مسیح علیہ السلام پر استدلال ٹھیک نہیں۔ کیونکہ اصلی اور طبعی طور پر کسی جگہ کا جائے رہائش ہونا امر دیگر ہے۔ اور عارضی طور پر کچھ مدت کے لئے کسی اور جگہ کا جائے رہائش ہونا امر دیگر ہے۔ مثلاً ملائکہ کا طبعی اور اصلی مستقر آسمان ہیں مگر باوجود اس کے وہ زمین پر بھی آمد و رفت رکھتے ہیں۔ اسی طرح اگر عیسےٰ علیہ السلام بھی عارضی طور پر کچھ عرصہ تک کرۂ زمین سے باہر دوسرے کرے میں رہیں۔ تو کوئی جائے تعجّب نہیں۔

اس کے علاوہ ہم تو یہ کہتے ہیں۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر اُٹھایا جانا بھی ان کے مادہ طبعی و فطرتی کے سبب سے ہے۔ کیونکہ آپ کی پیدائش عام اسباب معتادہ کے خلاف نفخ روح القدس سے ہوئی ہے۔ جیسا کہ باب اوّل ص۱۲۲ اور ص۱۲۳ میں بھی گذر چکا ہے۔ علماء اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام کو پیدائشی طور پر ملائکہ سے مشابہت تھی۔ پس عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر اٹھایا جانا۔ اور اس آیت کے حکم سے خارج ہونا ان کے اپنے مادہ فطرتی کے لحاظ سے ہے۔

Marfat.com

جو دوسرے انسانوں کو حاصل نہیں ہے۔

مرزا صاحب اس آیت کے بیان میں فرماتے ہیں کہ "لکمؐ" اس جگہ فائدہ تخصیص کا دیتا ہے "۔ بیشک مرزا صاحب! لکمؐ اس جگہ فائدہ تخصیص کا دیتا ہے۔ مگر یہ تو آپ کے مدعا کے خلاف ہے۔ آپ نے اسے کیوں معرض دلیل میں پیش کیا۔ اسی کو تو اعدے ناواقفی کہا کرتے ہیں۔ کہ اپنے مطلب کے خلاف دلیل بیان کی جائے۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ مرزا صاحب کو کہنا یہ چاہئے تھا کہ اس جگہ فِي الْاَرْضِ ظرف مقدم واقع ہے۔ اور یہ تخصیص کا فائدہ دیتا ہے"۔

اس کے جواب میں اوّل تو ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر فی الارض کی تقدیم سے آپ حصر کا فائدہ اُٹھا کر یہ نتیجہ نکالتے ہیں۔ کہ صرف زمین ہی آدمی کے لئے جائے قرار ہے۔ اور اس کے سوائے اور کوئی جگہ نہیں تو اسی طرح لکم بھی مقدم واقع ہے۔ جس سے یہ نتیجہ نکلا کہ زمین صرف انسانوں ہی کے لئے جائے قرار ہے۔ کسی دیگر حیوان کے لئے نہیں۔ حالانکہ یہ صریح غلط ہے۔ ناظرین انصاف کریں۔ کہ لکمؐ کی تخصیص مرزا صاحب کو مفید ہوئی یا مضر؟ حقیقت الامر اس طرح ہے۔ کہ جو حصر فِي الْاَرْضِ سے حاصل ہوتا ہے۔ جو بہ نسبت استقرار حیوانات کے ہے۔ اور تخصیص لکمؐ سے حاصل ہوئی ہے۔ وہ اس بنا پر ہے۔ کہ آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد باذن الٰہی زمینی اشیاء میں خلیفے اور متصرف ہیں۔ لہٰذا ان کو زمین کی آبادی میں ایک ایسی خصوصیت حاصل ہے۔ جو دوسرے حیوانوں کو نہیں۔ اس لئے ان کا ذکر خصوصیت سے کیا اور اوروں کا نہ کیا۔ فائدہ اس کے یہ کہ روئے سخن بھی انہی کی طرف ہے اور علم معقول پر نظر رکھنے والوں پر مخفی نہیں۔ کہ ایسی صورت میں جہاں جعل تکوینی پایا جائے۔ اس کا مفعول الیہ لازم نہیں ہوتا۔ بلکہ عارض ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے کئی جگہ فرمایا ہے۔

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا وَّ جَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا "ہم نے رات کو آرام کا وقت بنایا ہے۔ اور دن کو معاش کمانے کا"
دنیا پ۳۰ : ۷۸ : ۱۰ ، ۱۱

وَقَالَ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ — اور اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات کو اور دن کو بنایا
اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا — تاکہ تم اس میں آرام کرو۔ اور (اس میں) اس کا فضل تلاش کرو۔
مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (قصص پ۲۰) (۲۸: ۷۳)

تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ کہ دن کو آرام نہیں کر سکتے اور رات کو معاش کے لئے کام کاج نہیں کر سکتے۔ کیونکہ روز مرہ کے معاملات اس کے خلاف شہادت دے رہے ہیں اسی قرآن شریف میں اس کی کئی مثالیں ہیں۔ کہ کسی چیز کو اللہ تعالے نے کسی فائدہ کے لئے بنایا ہے تو وہ فائدہ اس سے مخصوص نہیں بلکہ کسی دوسری چیز سے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ ہاں اصلی طور پر اور عارضی طور پر ہونے میں فرق ہوتا ہے۔ مثلاً یہی دن اور رات کو معاش اور آرام کا وقت بتاتے ہیں یہی قول ٹھیک ہے۔ کہ معاش کا اصلی وقت دن ہے مگر عارضی طور پر رات کو بھی کما سکتے ہیں۔ اور آرام اور نیند کا اصلی وقت رات ہے۔ مگر عارضی طور پر دن کو بھی آرام و نیند کر سکتے ہیں۔ پس اسی طرح اس آیت زیر بحث میں ہے۔ کہ رہائش کا اصلی مقام انسان کے لئے زمین ہے۔ اور اگر اللہ تعالے کسی شخص کو عارضی طور پر کسی خاص مدت تک آسمان پر رکھے تو کیا تعجب ہے۔ خصوصاً اس وقت جبکہ کسی شخص کا مادہ فطرتی بھی اس انعام کے قابل ہو۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ کی کئی حکمتیں بھی ہوں۔ جیسا کہ باب اوّل میں ص۲۳ سے ص۱۲۵ تک بیان ہوئی ہیں۔ پس مرزا صاحب کا اس آیت کو وفات مسیح کے لئے پیش کرنا بالکل بے جا ہے۔

قسم سوم میں سے دوسری آیت یہ ہے كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ (رحمٰن پ۲۷) (۵۵: ۲۶-۲۷) ہر ایک چیز جو زمین میں موجود ہے اور زمین سے نکلتی ہے۔ وہ معرض فنا میں ہے یعنی دم بدم فنا کا طفیل کر رہی ہے "

اس آیت کو بھی زیر بحث وفات مسیح علیہ السلام سے کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے۔ کہ مسیح علیہ السلام آخر کار فوت ہوں گے جس سے ہم کو انکار نہیں، کیونکہ ہر شئی کے قیام کے لئے اللہ تعالے نے وقت مقرر کیا ہوا ہے۔ اسی طرح جو وقت عیسے علیہ السلام کی موت کا ہے آپ ضرور ضرور اسی وقت فوت ہونگے۔ نہ اس سے آگے۔ نہ

Marfat.com

نہ اس سے سمجھے۔ چنانچہ یہ امر مرزا صاحب کے اپنے الفاظ "**معرضِ فنا**" سے
بھی ثابت ہے۔ اور اس کے بعد آپ کا یہ فرمانا کہ فانٍ کا لفظ اس لئے اختیار کیا اور
یفنی نہیں کہا کہ تا معلوم ہو کہ فنا ایسی چیز نہیں کہ کسی آئندہ زمانہ میں ایک دفعہ
واقع ہوگی۔ بلکہ سلسلہ فنا کا ساتھ ساتھ جاری ہے"
——— فانٍ کا نکتہ نہ سمجھنے اور اپنے لکھے ہوئے "معرضِ فنا میں ہے" کو بھول جانے کے سبب سے ہے
کیونکہ فانٍ پر کوئی شخص اعتراض کر سکتا ہے کہ جو چیزیں دنیا پر قائم اور موجود نظر آرہی ہیں اُن
کو صفت فنا کی حاصل نہیں تو پھر ان کے لئے بھی فانٍ کیوں فرمایا۔

اس اعتراض کا جواب اس طرح ہے۔ کہ صفت کا حاصل ہونا دو طرح پر ہوتا ہے
ایک بالفعل دوم بالقوت، اگرچہ سب موجودات پر بالفعل فانی کا لفظ نہیں
آسکتا۔ مگر اس لحاظ سے کہ ہر ایک چیز سوائے معبود حقیقی کے معرضِ فنا میں ہے۔
اور آخر کار فنا ہو جائیگی۔ سب کے لئے فانٍ کا لفظ استعمال کیا گیا۔

اسم فاعل اور فعل مضارع کے صیغے میں فرق کر کے جو نکتہ آپ نے بیان
کیا ہے۔ وہ اسم فاعل اور فعل مضارع کی مشابہت کو نظر انداز کر کے لکھا گیا ہے۔
اگر آپ اس طرف توجہ کریں گے۔ تو پھر ایسے نکتے بیان نہ کریں گے۔ پس جب قرآن
و حدیث سے ثابت ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کا وقت قرب قیامت
میں آسمان سے نازل ہونے کے بعد ہے۔ تو پھر قبل نزول کے اس آیت سے حضرت
عیسیٰ علیہ السلام کی موت پر استدلال کرنا بالکل غلط ہے۔

قسم سوم میں سے تیسری آیت یہ ہے وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ
اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ۔ (نحل ۱۴ پ) (۱۶ : ۷۰)

اس آیت کا بیان مرزا صاحب یوں کرتے ہیں :-

"اس آیت میں خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ سنت اللہ دو ہی طرح سے تم پر جاری ہے۔
بعض تم میں سے عمر طبعی سے پہلے ہی فوت ہو جاتے ہیں۔ اور بعض عمر طبعی کو پہنچتے
ہیں۔ یہانتک کہ ارذل عمر کی طرف رد کئے جاتے ہیں اور اس حد تک نوبت پہنچتی ہے کہ

Marfat.com

بعد علم کے نادان محض ہو جاتے ہیں"۔

مرزا صاحب نے ترجمہ بالکل غلط کیا ہے۔ اور قرآن شریف کے مطلب کو بالکل بدل دیا ہے۔ اس کا بیان آگے آئے گا۔ انشاء اللہ۔

قسم سوم میں سے چوتھی آیت یہ ہے وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ (یٰس پ ۲۳)

یعنی جس کو ہم زیادہ عمر دیتے ہیں تو اس کی پیدائش کو الٹا دیتے ہیں"۔ (۳۶ : ۶۸)

قسم سوم میں سے پانچویں آیت یہ ہے :- اَللّٰهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَّشَيْبَةً (الروم پ ۲۱)

یعنی خدا وہ خدا ہے۔ جس نے تمہیں ضعف سے پیدا کیا۔ پھر ضعف کے بعد قوت دی۔ پھر قوت کے بعد ضعف اور پیرانہ سالی دی۔ (۳۰ : ۵۴)

قسم سوم میں سے چھٹی آیت یہ ہے۔ اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ (الآیۃ یونس پ ۱۱)

یعنی اس زندگی دنیا کی مثال یہ ہے کہ جیسے اس پانی کی مثال ہے جس کو ہم آسمان سے اتارتے ہیں۔ پھر زمین کی روئیدگی اس سے مل جاتی ہے۔ پھر وہ روئیدگی بڑھتی اور پھولتی ہے۔ اور آخر کار کاٹی جاتی ہے"۔ (۱۰ : ۲۴)

قسم سوم میں سے ساتویں آیت یہ ہے ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ (مومنون پ ۱۸) یعنی اول رفتہ رفتہ خدا تعالےٰ نے تم کو کمال تک پہنچایا۔ اور پھر تم اپنا کمال پورا کرنے کے بعد زوال کی طرف میل کرتے ہوئے یہانتک کہ مر جاتے ہو"۔ (۲۳ : ۱۵)

قسم سوم میں سے آٹھویں آیت یہ ہے۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا اِنَّ فِي ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ (زمر پ ۲۴ : ۳۹ : ۲۱)

ان آیتوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کا ذکر نہ تو صراحتاً ہے اور نہ اشارۃً۔ مرزا صاحب اپنی اُلٹی منطق سے ان کو بھی وفات ہی کے دلائل سمجھتے ہیں۔ ان کے طریق استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ ان آیتوں میں انسان کی

Marfat.com

ترقی و کمال اور پھر تنزل و زوال کا بیان ہے۔ پس ضرور ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام پر بھی بوجہ انسان ہونے کے یہ سب حالات گذریں، وہ بوڑھے بھی ہوں۔ اور پھر بڑھاپے کے بعد فوت بھی ہوں۔ کیونکہ ان آیتوں میں ان کو مستثنٰی نہیں کیا گیا۔ نیز فرماتے ہیں کہ بڑھاپے کی انتہا تک پہنچ کر انسان کے حواس جاتے رہتے ہیں۔ اور وہ عالم ہونے کے بعد نادان محض ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے۔ وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا یعنی بعض عمر طبعی کو پہنچتے ہیں یہاں تک کہ ارذل عمر کی طرف رد کئے جاتے ہیں اور اس حد تک نوبت پہنچتی ہے۔ کہ بعد علم کے نادان محض ہو جاتے ہیں۔" نیز فرماتے ہیں:۔

"اور اگر پھر فرض کے طور پر اب تک زندہ رہنا ان کا تسلیم کرلیں تو کچھ شک نہیں کہ اتنی مدت کے گذرنے پر پیر فرتوت ہو گئے ہونگے اور اس کام کے ہرگز لائق نہ ہونگے کہ کوئی خدمت دینی ادا کرسکیں۔"

(ازالہ اوہام تقطیع کلاں ج ۱ ص۲۶)

یہ ہے مرزا صاحب کے استدلال کا طریق جس کی بنا بالکل قیاسی ڈھکوسلوں اور آیات کو غیر محل پر استعمال کرنے پر ہے۔

اب اس کی تردید اور جواب ٹھنڈے دل سے سنیں اور انصاف کریں۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں۔ کہ ان آیتوں میں انسان کے کمال و ترقی تنزل و زوال کا ذکر ہے۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کو مستثنٰی نہیں کیا گیا۔ اس کے جواب میں اول تو ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم عیسیٰ علیہ السلام کو ہمیشہ کے لئے موت سے بچنے والا نہیں جانتے بلکہ مانتے ہیں کہ آخر ایک وقت وہ بھی فوت ہوں گے جیسا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی ہے کہ "میرے پاس حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان دفن کئے جائینگے"۔ ہاں ہم یہ بھی تسلیم نہیں کرتے کہ مرزا صاحب ان آیتوں کی رو سے جب چاہیں کسی پر موت لے آئیں اور جیتے جی

اس کو مردہ بنا دیں۔ کیونکہ خداوند تعالےٰ نے جس کے قبضے میں موت اور زندگی ہے ہر ایک کے لئے ایک وقت مقرر کیا ہے جس کے خلاف نہیں ہو سکتا اور ہم کو مرزا صاحب کی تحریروں سے تجربہ ہو چکا ہے۔ کہ جب وہ کسی خاص میعاد تک کسی کے مرنے کی خبر دیتے ہیں تو وہ اس مدت کے بعد تک زندہ رہتا ہے مثلاً مسٹر آتھم عیسائی کی موت کی نسبت آپ نے بڑے زور سے پیشگوئی کی تھی کہ وہ پانچویں ستمبر ۱۸۹۴ء تک مر جائیگا یا مسلمان ہو جائیگا مگر وہ اس میعاد کے بعد تک مذہب عیسائی پر لوگوں میں زندہ موجود رہا۔ اور اسی طرح آپ نے اپنے رقیب اور اپنی منکوحہ آسمانی کے شوہر مرزا سلطان محمد کی نسبت بھی پیشگوئی کی تھی کہ وہ عرصہ اڑھائی سال تک مر جائیگا۔ اور مسماۃ محمدی بیگم آپ کے پاس آ جائیگی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے آپ کی زوجہ بنا دیا ہوا ہے مگر آج ستمبر ۱۹۲۲ء تک وہ زندہ موجود ہے اور آپ کی "منکوحہ آسمانی" سے اللہ تعالےٰ نے مرزا سلطان محمد کو اولاد بھی عطا فرمائی ہے[ل]۔ ان واقعات سے ہمیں کامل یقین ہے کہ مرزا صاحب کسی کی اجل وقت سے پیشتر نہیں لا سکتے پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آخر کار مرنا امر دیگر ہے۔ اور اس وقت قبل نزول فوت شدہ ہونا امر دیگر ہے پس ان آیات سے بھی آپ کی وفات زیر بحث ثابت نہ ہوئی۔ اور مرزا صاحب کا مدعا پورا نہ ہوا۔

دوم یہ کہ صورت مستثنیٰ کے لئے ضروری نہیں کہ اسی عبارت میں موجود ہو بلکہ سارے قرآن و حدیث میں جہاں کہیں جس امر کو کسی عام حکم سے مستثنیٰ کیا گیا ہو۔ وہ مستثنیٰ ہی شمار کیا جاتا ہے۔ خواہ عبارت کے ساتھ ہو۔ خواہ کسی اور جگہ پر۔ کیونکہ سارا قرآن مجید اور ساری حدیث شریف کَکَلِمَۃٍ وَّاحِدَۃٍ یعنی مثل ایک کلمہ کے ہے قرآن و حدیث میں اس کی نظیریں بکثرت ہیں۔ خوف طوالت سے صرف چند ذکر کی جاتی ہیں :-

اوّل۔ دوسرے پارے میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا: وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ یعنی طلاق والی عورتیں دوسرے نکاح کے لئے تین حیض

ل مرزا سلطان محمد صاحب ۱۹۴۹ء میں بمقام لاہور فوت ہوئے۔ اور اپنے پیچھے ۵ لڑکے اور ۲ لڑکیاں چھوڑیں۔ محترمہ محمدی بیگم صاحبہ ابھی تک خدا کے فضل سے زندہ سلامت عارف والا ضلع منٹگمری میں مقیم ہیں۔ عبد القیوم میتر۔ ۲۸ مئی ۱۹۵۸ء

تک انتظار کریں " اب ظاہر ہے کہ اَلْمُطَلَّقٰتُ جمع کا لفظ ہے۔ اور حاملہ اور غیر حاملہ اور شوہر دیدہ اور شوہر نادیدہ سب قسم کی مطلقہ عورتیں اس لفظ میں داخل ہیں۔ تو بس مرزا صاحب کی منطق کی رو سے ان سب کی عدت یہی تین حیض ہونی چاہیئے۔ اور یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ حاملہ اور شوہر نادیدہ مطلقہ عورتیں اور جن کو حیض نہیں آتا۔ اس حکم سے مستثنٰے ہیں۔ اور ان کا حکم دوسری جگہ پر فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ غیر ممسوسہ یعنی شوہر نادیدہ کی نسبت سورۂ احزاب پارہ بائیس میں فرمایا یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَکَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْھُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْھُنَّ فَمَا لَکُمْ عَلَیْھِنَّ مِنْ عِدَّۃٍ تَعْتَدُّوْنَھَا یعنے اے مسلمانو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو۔ اور پھر ان کو مجامعت سے پیشتر طلاق دیدو تو تمہارے لئے ان پر کوئی عدت نہیں۔ جسے تم کو گن کر پورا کرنا پڑے" (احزاب پ۲۲، ۳۳: ۴۹)

دیکھئے اس آیت میں شوہر نادیدہ مطلقہ کی عدت بھی مقرر نہیں کی۔ ایک طرف سے طلاق ہو اور دوسری طرف نکاح کر لینے کا اختیار دیا ہے اسی طرح سورۂ طلاق پارہ اٹھائیس میں وہ مطلقہ عورتیں جو اب بڑھاپے کی وجہ سے حیض سے مایوس ہیں۔ اور جن کو ابھی حیض آیا ہی نہیں۔ اور جو حاملہ ہیں ان کی نسبت فرمایا۔ وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُھُنَّ ثَلٰثَۃُ اَشْھُرٍ وَّالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُھُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَھُنَّ (طلاق پ۲۸) یعنی تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو جائیں، اگر تم کو شبہ رہ گیا تو ان کی عدت تین مہینے ہے۔ اور ایسے ہی جن کو ابھی حیض نہیں آیا۔ اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے" (۶۵: ۴)

اسی طرح اللہ تعالٰے نے محرمات کے بیان میں فرمایا وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ (نساء پ۴) یعنے دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے" (۴: ۲۳) اور سب محرمات کے ذکر کے بعد فرمایا وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ یعنے ان مذکورہ بالا عورتوں کے سوائے تم پر حلال ہیں"۔ حالانکہ صحیح بخاری میں وارد ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پھوپھی، بھتیجی، اور خالہ، بھانجی کو ایک نکاح میں جمع کرنے

Marfat.com

سے بھی منع فرمایا ہے،

ان مثالوں سے صاف ثابت ہو گیا۔ کہ مرزا صاحب کا یہ کہنا کہ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان آیتوں میں مستثنیٰ نہیں کیا گیا۔ اس لئے ان کے حکم میں وہ بھی داخل ہیں معقول وجہ نہیں ہے۔ کیونکہ آیات یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ اور اِذَا فَعَلْتَ اِلَیَّ اور بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ اور وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ اور اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ اور وَیُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَکَهْلًا آپ کے آسمان میں اب تک زندہ موجود ہونے اور قرب قیامت میں نازل ہونے اور تب تک بوڑھے نہ ہونے پر دلائل واضحہ ہیں۔ جن سے کسی منصف کو انکار نہیں ہو سکتا۔ ان آیات کی تفسیر تفصیل و اختصار سے پیچھے گذر چکی ہے لہذا دوبارہ لکھنے کی حاجت نہیں۔ اسی طرح احادیث صحیحہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے نازل ہونے پر بالصراحۃ شہادت دیتی ہیں۔ اور بعد اس کے آپ کی وفات ظاہر کرتی ہیں۔ اور آپ کا مدینہ طیبہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن ہونا[1] بیان کرتی ہیں۔ آپ کو ان زیر بحث آیات کے حکم سے مستثنیٰ کر رہی ہیں۔

ان آیات زیر بحث میں سے پہلی آیت یعنی وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰٓی اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِکَیْلَا یَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَیْئًا کا ترجمہ ایسا کیا ہے۔ جو قواعد زبان کے رو سے غلط اور اصول اسلام کے بالکل خلاف ہے۔ اور مرزا صاحب نے اس میں ہر دو امر کا لحاظ نہیں کیا۔ مرزا صاحب اس آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں :—

"اور بعض عمر طبعی کو پہنچتے ہیں۔ یہاں تک کہ ارذل عمر کی طرف رد کئے جاتے ہیں

اور اس حد تک نوبت پہنچتی ہے کہ بعد علم کے نادان محض ہو جاتے ہیں۔"

یہ ترجمہ قواعد زبان عرب کے رو سے اس لئے غلط ہے کہ مرزا صاحب نے لِکَیْلَا یَعْلَمَ میں لِکَیْ کے معنے کئے ہیں" اس حد تک نوبت پہنچتی ہے۔" حالانکہ کتب نحو میں مصرح ہے۔ کہ کَیْ پر جو لام داخل ہوتا ہے وہ علت کے لئے ہوتا ہے (دیکھو

---

[1] حضرت عیسیٰ کی قبر اور مدفن کی تحقیق کے لئے دیکھو رسالہ اَلْخَبَرُ الصَّحِیْحُ عَنْ قَبْرِ الْمَسِیْحِ ۱۲

Marfat.com

معنی اللبیب) پس اس آیت کے صحیح معنے یہ ہیں "بعض تم میں سے ایسے ہوتے ہیں کہ وہ ارذل عمر کی طرف پھیرے جاتے ہیں تاکہ وہ بعد جاننے کے کچھ بھی نہ جانیں" یعنی بعض شخصوں کو اللہ تعالےٰ اس لئے بوڑھا کرتا ہے کہ وہ اپنی جانی ہوئی باتیں بھول جائیں اور سب اشیاء میں خدا تعالےٰ کا تصرف ظاہر ہو۔ دیکھئے امام رازیؒ تفسیر کبیر میں سورہ نحل کی تفسیر میں فرماتے ہیں قولہ وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا۔ یدل علی ان اللہ تعالیٰ انما ردہ الی ارذل العمر لاجل ان یزیل عقلہ الخ یعنی اللہ تعالےٰ نے جو بعض انسانوں کو نکمی عمر تک پہنچاتا ہے تو اس کی علت یہ ہوتی ہے کہ اس کی عقل کو زائل کر دے"

پس جب حضرت روح اللہ علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ نے اپنی قدرت اور حکمت کے اظہار کے لئے آسمان پر اٹھایا۔ اور قرب قیامت تک ان کی حیات مقرر کی جیسا کہ حصہ اول صفحہ ۱۲۳[۵] میں وَكَانَ اللهُ عَزِيزًا حَكِيمًا کی تفسیر میں گذر چکا ہے۔ تو مرزا صاحب کا یہ کہنا کہ اگر بالفرض عیسےٰ علیہ السلام اتنی مدت تک زندہ بھی رہیں۔ تو پیر فرتوت ہو جانے کے باعث ان کا نزول کچھ مفید نہیں ہوگا"۔ بالکل باطل ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اتنی لمبی عمر اس لئے نہیں دی کہ وہ اپنے علم بھول جائیں۔ بلکہ کئی مفید امروں اور حکمتوں کے لئے دی ہے۔ نہایت بڑھاپے کو پہنچکر بھی علم نہ بھولنا اور عقل کا زائل نہ ہونا۔ حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے ہزار ہزار برس تک لمبی عمر پانے سے ثابت ہے اور اسی طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں بعض کا سو سو سال اور اس سے زیادہ تک عمر پانا اور ان کے حواس کا برابر ٹھیک رہنا۔ اور اسی طرح مقبولان بارگاہ رب العلمین حضرات بابرکات محدثین رحمہم اللہ اجمعین کا بڑی بڑی لمبی عمر پانا۔ اور حدیث نبویؐ کی تدریس میں برابر مشغول رہنا واقفان سنت نبویہ پر پوشیدہ نہیں ہے خاص کر ہمارے زمانہ میں حضرت شیخنا و شیخ الکل ناصر سنت سید الثقلین ناشر حدیث رسول رب الخافقین سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی نور اللہ ضریحہ کا

[۵] طبع اول ۱۲ طبع سوم صفحہ ۱۸۱

ایک سو دس سال تک عمر پانا اور اس وقت تک حدیث نبویؐ کی تعلیم کرتے رہنا چھوٹے بڑے پر ظاہر ہے۔ ہائے افسوس! پھر مرزا صاحب کے قلم سے کس طرح نکلا کہ اللہ تعالےٰ کے نبی برحق، خاص خدا تعالےٰ کے سکھائے ہوئے پیغمبر حضرت روح اللہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اتنی لمبی عمر پانے سے پیر فرتوت ہو کر نادان محض ہو جائیں گے۔ اور کسی کام کے نہ رہیں گے آہ! مولانا روم صاحب نے کیا سچ کہا ہے ؎

از خدا خواہیم توفیق ادب

بے ادب محروم ماند از فضل رب

جناب مرزا صاحب! اگر ہر شخص کے لئے ارذل عمر کو پہنچنے پر نادان محض ہو جانا ضروری ہے تو آپ بھی اس سے بچ نہیں سکتے۔ کیونکہ آپ نے اپنی عمر پہلے اسّی سال تک بتائی تھی۔ اور پھر اس پر پندرہ سال اور بڑھا لئے ہیں اور ارذل عمر کی ادنیٰ حد پچھتر سال ہے۔ تو پھر کیا آپ بیس سال تک ارذل عمر میں نہیں رہیں گے اور پیر فرتوت ہو کر نادان محض نہیں رہیں گے۔ اور پھر آپ دینی خدمت کیا کریں گے؟

اس بیان سے ظاہر ہو گیا کہ مرزا صاحب کا ترجمہ بالکل غلط ہے۔ اور حضرت عیسیٰؑ اس آیت کے حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ اب یہ امر بیان کیا جاتا ہے کہ مرزا صاحب کا یہ ترجمہ اصول و عقائد اسلامیہ کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ مرزا صاحب عمر طبعی کے قائل ہیں۔ اور اس کے بعد موت کو ضروری جانتے ہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ مرزا صاحب موت کو ایک عدمی امر جانتے ہیں۔ علم عقائد پر نظر رکھنے والوں پر مخفی نہیں کہ عمر طبعی کو ماننا اور اس کے بعد موت کا ضروری ہونا۔ اور موت کو ایک عدمی امر جاننا حکمائے یونان کا مذہب ہے، نہ کہ مسلمانوں کا۔ چنانچہ امام فخرالدین رازیؒ نے سورۂ نحل کی تفسیر میں عمر طبعی کے متعلق حکماء کا مذہب اور ان کے دلائل ذکر کئے ہیں اور پھر عقلی دلائل سے بہت تفصیل کے ساتھ ان کا ردّ لکھنے کے بعد فرمایا کہ:-

"ایک دن میں سورۂ والمرسلٰت پڑھ رہا تھا جب آیت اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ پر پہنچا اور ویلٌ

يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ پڑھا (یعنی قیامت کے روز ان جھٹلانے والوں کے لئے ویل ہوگا) تو میں نے کہا بے شک ان مکذبین سے مراد وہی لوگ ہیں۔ جو حیوانات کے بدن کی ساخت کو طبیعت کی طرف اور رطوبت میں حرارت کے اثر کرنے کی طرف نسبت کرتے ہیں (اور کہا) اے رب العزت میں سچے اور پختہ دل سے ایمان رکھتا ہوں۔ کہ یہ تدابیر طبیعت کے اثر سے نہیں ہیں۔ بلکہ یہ سب کچھ تیرا فعل ہے۔ جو خالق اور علیم اور احکم الحاکمین اور اکرم الاکرمین ہے "

اور اس کے بعد ثُمَّ يَتَوَفّٰكُمْ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

"ہم نے (اس سے اوپر) بیان کر دیا ہے۔ کہ حکماء نے موت کا سبب جو ذکر کیا ہے وہ فاسد اور باطل ہے۔ اور اس سے دور لازم آتا ہے اور جب ثابت ہو گیا کہ حکما کا مذہب باطل ہے تو ظاہر ہو گیا کہ زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے اور مقدر کرنے سے ہوتی ہے "

میں (مصنف) کہتا ہوں امام رازی کے اس قول کی تصدیق قرآن شریف میں کئی جگہ موجود ہے جیسے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے سورہ ملک میں اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ یعنی خدا نے موت اور زندگی کو پیدا کیا (ملک پ۲۹، ۶۷: ۲) اس کے بعد امام رازی وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

"ہم نے (اوپر) بدلائل بیان کر دیا ہے۔ کہ انسان کے حالات کمال سے نقصان اور قوت سے ضعف کی طرف انتقال کرنے کی علت (فاعلی) طبیعت نہیں ہے۔ پس قطعی طور پر ثابت ہو گیا۔ کہ انسان کا حالت جوانی سے بوڑھا ہونا اور عقل کامل کے بعد پیرانہ سالی کی وجہ سے نادان ہو جانا بمقتضائے طبیعت نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ فاعل مختار کے فعل سے ہے۔ (اس کے بعد اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ کی تفسیر میں فرماتے ہیں) کہ یہ بات یعنی اللہ تعالیٰ علم والا اور قدرت والا ہے۔ جو کچھ ہم نے بیان کیا۔ اس کی اصل اصول ہے۔ کیونکہ طبیعت تو ایک جاہل چیز ہے۔ جو مصلحت اور فساد کے وقت میں تمیز نہیں کر سکتی۔ اس لئے یہ سب انتقالات

Marfat.com

جو انسان میں ہوتے ہیں۔ ان کو اس کی طرف منسوب نہیں کر سکتے۔ لیکن سب جہان کا معبود اور تدبیر کرنے والا اور سب کو پیدا کرنے والا (خداوند تعالیٰ) اپنے علم اور قدرت میں کامل ہے پس اپنے کمال علم کی رو سے بہتری اور خرابی کے اندازوں کو جانتا ہے۔ اور کمال قدرت کے رو سے بہتری عطا کرنے اور خرابی کے دور کرنے پر قادر ہے۔ پس ضرور ضرور حیوانات کی بناوٹ کو اس معبود حقیقی کی طرف منسوب کرنا چاہیئے۔ اور طبیعت کی طرف منسوب کرنا ممکن نہیں ہے"

مرزا صاحب! دیکھئے قرآن شریف کے نکتے ایسے ہوتے ہیں۔ جو امام رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں نہ کہ جو آپ بیان فرماتے ہیں۔ اور محاورات عرب اور اصول اسلام کے بھی خلاف ہوتے ہیں۔

قسم سوم میں سے نویں آیت یہ ہے وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ (انبیاء پ ۱۷، ۸:۲۱) مرزا صاحب اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں "کوئی ہم نے ایسا جسم نہیں بنایا کہ زندہ تو ہو مگر کھانا نہ کھاتا ہو"

ناظرین! خیال فرما سکتے ہیں کہ یہ ترجمہ قرآن شریف کے الفاظ سے کس قدر اجنبی ہے اور اس کی اردو بھی صحیح نہیں۔

قسم سوم میں سے دسویں آیت یہ ہے:۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْأَسْوَاقِ یعنی ہم نے تجھ سے پہلے جس قدر رسول بھیجے ہیں۔ وہ سب کھانا کھایا کرتے تھے۔ اور بازاروں میں پھرتے تھے" (فرقان پ ۱۸، ۲۵ : ۲۰)

ان دونوں آیتوں سے مرزا صاحب حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات اس طرح ثابت کرتے ہیں۔ کہ انسان بغیر کھانے کے زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور چونکہ حضرت عیسٰی ؑ کو آسمان پر کھانا نہیں مل سکتا۔ اس لئے وہ فوت ہو چکے ہیں"

مرزا صاحب معارف قرآنی تو درکنار مراد قرآنی کے سمجھنے سے بھی کئی منزلیں دور رہتے ہیں۔ نہ سمجھتے ہیں نہ سوچتے ہیں اور نہ سلسلہ کلام پر نظر کرتے ہیں۔

Marfat.com

اپنی بے تُکی ہانکتے ہیں۔

اُن آیتوں کی صحیح مُراد یہ ہے۔ کہ کفار نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کھانے پینے اور بازار میں چلنے پر اعتراض کیا تھا۔ کہ یہ کام منصب نبوّت کے منافی ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے سورہ فرقان کے شروع میں ذکر کیا کہ (کفارِ مکہ)

وَقَالُوْا مَالِهٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِى الْاَسْوَاقِ (پ۱۸، فرقان)	کہتے ہیں کہ یہ رسول کیسا ہے؟ جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے۔" (۲۵:۷)

گویا کفار نے رسولِ برحق کے لئے ضروری مانا ہُوا تھا کہ وہ کھانے اور بازاروں میں چلنے سے پاک ہو۔ اللہ تعالےٰ نے اس کا جواب فرمایا کہ اے پیغمبرؐ! ہم نے تجھ سے پیشتر جس کسی کو اپنا رسول کرکے بھیجا ہے۔ ان میں بھی یہ باتیں پائی جاتی تھیں۔ جب وہ باوجود ان باتوں کے رسول تسلیم کئے جاتے ہیں تو اگر تم میں بھی یہ اوصاف پائے گئے ہیں۔ تو انکار کی کیا وجہ ہے؟"

دوسرا جواب یہ دیا" وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ یعنی ہم نے اپنے رسولوں کو بے جان دھڑ نہیں بنایا۔ کہ اُن کے لئے نہ کھانا ضروری ہو" جس کا ترجمہ مرزا صاحب یُوں کرتے ہیں" کوئی ہم نے ایسا جسم نہیں بنایا کہ زندہ تو ہو مگر کھانا نہ کھاتا ہو"

دیکھیئے تو علاوہ بے ڈھنگی اردو ہونے کے الفاظ و مراد قرآنی سے کس قدر اجنبیت ہے۔ علاوہ بریں اس طرف خیال فرمایئے۔ کہ ان آیتوں کو اور اس مضمون کو حضرت مسیح علیہ السلام کی موت قبل النزول سے کیا تعلق و نسبت ہے؟

آیئے مرزا صاحب! ہم آپ کو ایک نکتہ بتاتے ہیں۔ اگر خود سمجھ نہ سکیں۔ تو فاضل امروہی کو پاس بٹھا کر سمجھ لیں۔ کہ آیت وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ میں جملہ لَا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ صفت ہے جَسَدًا کی اور جسد اور جسم آپس میں ہم معنی ہیں۔ اور دلیل اُن کے ہم معنے ہونے کی یہ ہے۔ کہ دونوں کے فا کلمہ اور لام کلمہ میں جیم اور سین ہے۔ پس اس آیت سے یہ حاصل ہوا

کہ اللہ تعالیٰ نے جسد محض (بے جان دھڑ) سے بالضرورت طعام سے فائدہ مند ہونے کی نفی کی ہے۔ اور اس کے لئے نہ کھانا ضروری قرار دیا ہے لیکن زندہ جسد سو اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ کھائے اور نہ یہ ضروری ہے کہ نہ کھائے کیونکہ لغت میں جسد انسانوں اور فرشتوں اور جنوں سب کے جسم کے لئے ہے۔ جیسا کہ قاموس میں ہے۔ اَلْجَسَدُ مُحَرَّکَۃً جسم الانسان والجن والملائکۃ اور معلوم ہے کہ فرشتے فطرۃً طعام وغیرہ حاجاتِ بشریہ کے محتاج نہیں ہیں۔ پس ثابت ہوا۔ کہ اس آیت میں یہ ہرگز ملحوظ نہیں کہ ہر زندہ چیز کے لئے کھانا ضروری ہے۔ ہاں یہ ضرور ملحوظ ہے کہ ہر بے جان جسم کے لئے ضروری ہے کہ وہ نہ کھائے۔ سو اس کو حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات سے کچھ تعلق نہیں۔

پس جب آسمان پر فرشتے بغیر طعام کے زندہ ہیں تو حضرت مسیح علیہ السلام بھی جو پیدائش کے لحاظ سے فرشتوں کی مشابہ ہیں اور اسی مشابہت کی وجہ سے آسمان پر اُٹھائے گئے ہیں بغیر طعام کے زندہ رہ سکتے ہیں۔

مرزا صاحب کا یہ ترجمہ کہ "کوئی ہم نے ایسا جسم نہیں بنایا کہ زندہ تو ہو مگر کھانا نہ کھاتا ہو" علاوہ اس کے کہ قرآن شریف کے الفاظ کا ترجمہ نہیں ہے۔ اپنے مضمون کے لحاظ سے بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ فرشتے اجسام ہی ہیں۔ اور زندہ بھی ہیں۔ اور ان پر جسد کا لفظ بولا بھی جاتا ہے اور پھر وہ کھانا نہیں کھاتے۔

اس آیت پر اور زیادہ بھی لکھ سکتے ہیں مگر اتنا بیان کافی معلوم ہوتا ہے۔

قسم سوم میں سے گیارھویں آیت یہ ہے۔ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ؕ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ (نحل پ ۱۴) یعنی جو لوگ بغیر اللہ کے پرستش کئے جاتے اور پکارے جاتے ہیں۔ وہ کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے بلکہ آپ پیدا شدہ ہیں۔ مر چکے ہیں۔ زندہ بھی تو نہیں ہیں۔ اور نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے" (۱۶: ۲۰ ۔ ۲۱)

مرزا صاحب اس آیت سے اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ جو کوئی اللہ

Marfat.com

کے سوائے پرستش کیا جاتا ہے۔ ان سب کو اللہ تعالیٰ مردہ کہتا ہے۔ اور چونکہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا مانتے ہیں۔ اس لئے ثابت ہوا کہ وہ بھی فوت شدہ ہیں۔

مرزا صاحب نے نہ تو آیت کا ترجمہ ٹھیک کیا ہے اور نہ اس کی مرادِ صحیح کو پہنچے ہیں۔ جناب مرزا صاحب! "بغیر اللہ کے" میں ب کس قسم کی ہے؟ اور اس کے کیا معنے ہیں؟ آیا آپ غیر اللہ اور بغیر اللہ میں فرق نہیں جانتے؟

اس آیت پر مرزائی پارٹی بڑا فخر کیا کرتی ہے۔ اور اسے مسیح علیہ السلام کی وفات کے لئے جلالی آیت کہا کرتی ہے۔ مگر جس طرح سے مرزا صاحب محاوراتِ عربیہ کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اسی طرح اُن کے مرید بھی اس کمال سے بے بہرہ ہیں ہم کہتے ہیں کہ یہ آیت بتوں کے حق میں ہے۔ ان کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ کفار مکہ اللہ کے سوائے جن کو پکارتے ہیں۔ وہ بے جان ہیں۔ کیونکہ سورت نحل جس کی یہ آیت ہے مکی ہے۔ لہٰذا یہ آیت مکہ کے کفار کی تردید کے لئے نازل ہوئی۔ نہ کہ عیسائیوں اور یہودیوں کی تردید کے لئے۔ اس پر مرزائیوں کی طرف سے یہ جواب ہوا کرتا ہے۔ کہ آیت میں الذین کا لفظ ہے۔ جو ذوی العقول کے لئے آیا کرتا ہے۔ پس اس میں عیسائیوں اور یہودیوں کی تردید ہے جن کے معبود ذوی العقول اشیار میں سے ہیں۔ یعنی حضرت عیسیٰؑ اور حضرت عزیر علیہما السلام۔ ہم کہتے ہیں اَلَّذِیۡنَ کا ذوی العقول سے مخصوص ہونا کسی کتاب علم نحو یا لغت میں تو نہیں لکھا۔ مرزا صاحب اور ان کی ذریت کی اپنی عربی بولی میں ہوگا۔ جو ہم پر حجت نہیں بلکہ زبان عربی میں اَلَّذِیۡ اور اس کی مؤنث اَلَّتِیۡ کا استعمال جاندار و غیر جاندار، ذوی العقول و غیر ذوی العقول دونوں طرح کی اشیاء پر آیا ہے ملاحظہ ہوں آیاتِ ذیل۔

پہلی آیت: ثُمَّ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ تَمَامًا عَلَی الَّذِیۡۤ اَحۡسَنَ وَ تَفۡصِیۡلًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ (انعام پ) ترجمہ پھر شان ان کو کہ ادا دی ہم نے موسیٰؑ کو کتاب پوری

ل دیکھو الدلیل الصریح مصنفہ مولوی مبارک علی سیالکوٹی بر حاشیہ صفحہ اخیر ۱۲ منہ۔

Marfat.com

کر کے ایسے طریق سے جو بہت خوبصورت ہے اور تفصیل ہر شئے کی۔" (۶ : ۱۵۴)

اس آیت میں لفظ اَحْسَنَ کی نسبت مفسرین کے دو قول ہیں۔ اوّل یہ کہ اَحْسَنَ اس جگہ صیغہ ماضی معلوم از باب افعال ہے۔ دوم یہ کہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ پس اَحْسَنَ کو صیغہ ماضی جاننے سے اَلَّذِیْ ذی عقل کے لئے ہوگا اور اس کے اسم تفضیل ہونے پر اس کا غیر عاقل کے لئے ہونا صاف ظاہر ہے۔

مغنی اللبیب باب الموصول صـ۱۳۷ جلد دوم میں اس آیت کی نسبت لکھا ہے ویکون احسن حینئذٍ اسم تفضیل لا فعلا ماضیا وفتحته اعراب لا بناء وهى علامة الجر۔

دوسری آیت وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ (انعام پ و بنی اسرائیل پ۱۵) یعنی یتیم کے مال کے نزدیک نہ جاؤ۔ مگر ایسے طریق سے جو بہتر ہو (۶:۱۵۲ و ۱۷:۳۴)

تیسری آیت وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِىْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيَامًا (نساء پ۴ ع ۱) یعنی اپنے وہ مال جو اللہ نے تمہارے لئے گذران کا سبب بنائے ہیں بے عقلوں کو نہ پکڑا دو۔" (۴ : ۵)

اسی طرح الّذی کا غیر ذوی العقول کے لئے بھی مستعمل ہونا شعراء کے کلام سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ متنبی جس نے مرزا صاحب کی طرح اپنی فصاحت اور بلاغت کے گھمنڈ پر نبوت کا دعوےٰ کیا تھا۔ اور اسی لئے متنبیؔ یعنے بناوٹی نبی کہا جاتا ہے۔ اپنے دیوان میں جس کی فصاحت و بلاغت علماء میں مسلّم ہے کہتا ہے ؎

وَالَّذِىْ تُنْبِتُ الْبِلَادُ سُرُوْرٌ
وَالَّذِىْ تُمْطِرُ السَّحَابُ مُدَامٌ

(ترجمہ) اب جو کچھ شہروں کی زمین میں اُگیگا وہ شراب ہی ہوگا۔ اور جو کچھ بادل برسا رہے ہیں وہ بھی شراب ہی ہوگا"

اسی طرح دیوان ابی العتاھیہ میں ہے ؎

Marfat.com

اَلِجِی لَا تُعَذِّبْنِیْ فَاِنِّیْ
مُقِرٌّ بِالَّذِیْ قَدْ کَانَ مِنِّیْ ۵

(ترجمہ) "اے اللہ مجھے عذاب نہ کر، کیونکہ جو کچھ مجھ سے ہو چکا ہے میں اس کا اقرار کرتا ہوں"

اسی طرح رضی شرح قافیہ باب موصول بیان ذوالطائیہ میں ہے ؎

فَاِنَّ الْمَآءَ مَاءُ اَبِیْ وَجَدِّیْ
وَبِیْرِیْ ذُوْ حَفَرْتُ وَذُوْ طَوَیْتُ

(ترجمہ) کیونکہ وہ پانی تو میرے باپ دادا کا ہے اور کنواں بھی میرا ہے جو میں نے کھودا اور سنوارا تھا"

اس شعر میں بنی طے کی لغت پر ذُوْ بمعنے اَلَّذِیْ ہے۔ اور غیر جاندار کے لئے مستعمل ہوا ہے۔

اس بیان سے ظاہر ہو گیا۔ کہ آیت زیر بحث میں اَلَّذِیْنَ سے کفار مکہ کے بُت مراد لینے محاورہ عرب کے خلاف نہیں۔ اگر کہا جائے کہ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ عام ہے، چاہے جاندار ہو چاہے بے جان۔ سب کے لئے بولا جاتا ہے۔ پس اس میں کفار مکہ کے بُت بھی شامل ہیں۔ اور ان کے سوائے اور بھی مثلاً حضرت مسیح اور عزیر علیہما السلام اور دیگر باطل معبود جو کسی قوم نے ٹھیرایا ہو۔ کیونکہ اس آیت میں دو لفظ اموات اور غیر احیاء فرمائے گئے ہیں۔ یعنی جو جاندار اللہ کے سوائے معبود مانے گئے ہیں۔ ان کے لئے تو اموات فرمایا۔ پس اس میں حضرت مسیح علیہ السلام اور عزیر علیہ السلام اور دیگر جاندار آ گئے۔ اور غیر احیاء میں بے جان معبود بت وغیرہ آ گئے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک کلمہ من دون اللہ عام ہے جاندار اور بے جان دونوں پر بولا جاتا ہے اور ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے سوائے ہر قسم کے باطل معبودوں کی تردید ہے لیکن اس آیت کے رو سے یہ کہنا کہ وہ سب جاندار و ذوی العقول معبود جن کو لوگ اللہ کے سوائے پکارتے

Marfat.com

ہیں۔ اس آیت کے نزول کے وقت مُردہ تھے۔ یا فی الحال مرے ہوئے ہیں۔ ٹھیک نہیں۔ کیونکہ اس آیت کے نزول کے وقت کفار مکہ فرشتوں کو خدا تعالےٰ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ اور ان کی پرستش کرتے تھے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں یہ مضمون کئی مقامات پر مذکور ہے۔ حالانکہ فرشتے جن کو کفار پکارتے تھے۔ اس آیت زیر بحث کے نزول کے وقت زندہ تھے اور اب تک زندہ ہیں۔ پس اگر اس آیت کی رو سے جملہ معبودات باطلہ فی الحال مردہ ثابت ہوتے ہیں۔ تو فرشتوں کی نسبت کیا جواب ہوگا۔ جیسا کہ پ۱۴ ع ۱۳۔ اور نیز پ۲۵ ع ۷۔ اور نیز پ۲۳ ع ۹۔ اور پ۲۷ ع ۴۔ میں مذکور ہے۔ کہ کفارِ مکہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں۔

دیگر یہ کہ اگر کوئی شخص یا قوم اس وقت کسی زندہ شخص کو معبود قرار دے لے۔ تو اس کو اس آیت کی رو سے جیتے جی کس طرح مردہ تسلیم کر سکتے ہیں۔ پس آیت اپنے مطلب میں غیر کافی رہے گی جس سے قرآن شریف پاک ہے۔

اموات کے متعلق اصل نکتہ یہ ہے۔ کہ یہ لفظ اللہ تعالےٰ کے سوائے ان سب معبودوں پر جو اس وقت مردہ ہیں اور جو اس وقت زندہ ہیں۔ دونوں پر صادق آسکتا ہے۔ فوت شدوں پر اس طرح کہ وہ موت چکھے ہوئے ہیں۔ اور مُردہ خدائی کے لائق نہیں۔ اور جو زندہ ہیں۔ ان پر اس طرح کہ جو آخرکار مرجائیگا۔ وہ بھی خدائی کے لائق نہیں کیونکہ جو اپنی بقا اور زندگی پر قادر نہیں وہ کس طرح معبود ہو سکتا ہے۔ دیکھئے قرآن شریف میں زندوں پر بھی میّت کا لفظ آیا ہے۔ اور اس کی وجہ یہی ہے کہ ان سب کو انجام کار موت چکھنی ہوگی۔ جیسا کہ فرمایا اللہ سبحانہٗ نے سورہ زمر میں کہ :-

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ تو بھی میّت ہے۔ اور یہ کافر بھی میّت ہیں "

(زمر پ ۲۳ ع اخیر) (۳۹: ۳۱)

اس آیت میں آنحضرت صلعم کو میّت کہا گیا ہے حالانکہ آپ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم) اس آیت کے نزول کے وقت صفحۂ دنیا پر موجود تھے اور اسی طرح آپؐ کے مخالفین کفار کو بھی میّت کہا گیا ہے حالانکہ وہ بھی زندہ موجود تھے۔ پس زندوں پر بھی اس لحاظ سے میّت کا لفظ بولنا جائز ہے کہ وہ سب انجام کار اپنے مقررہ وقت پر مر جائیں گے۔ پس اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام اس آیت زیر بحث کے حکم میں اس لحاظ سے داخل ہیں۔ کہ وہ بھی آخر کار مر جائینگے۔ جیسا کہ حدیث صحیح سے ثابت ہے نہ اس لحاظ سے کہ وہ اس وقت یا اس آیت کے نزول کے وقت مر چکے تھے۔ حاشا و کلاّ۔ قرآن شریف کا ہرگز یہ منشا نہیں ہے۔ اس آیت کو حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی و موت ہر دو سے کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ لفظ میّت کا اطلاق جیسا کہ ہم نے قرآن شریف سے ثابت کر دکھایا ہے۔ مردوں اور زندوں دونوں پر جائز ہے۔ پس اگر کسی خارجی دلیل سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت ثابت ہے تو بے شک آپؑ اس آیت میں اس لحاظ سے داخل ہیں۔ کہ آپ مر چکے ہیں۔ لیکن چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات قبل النزول کسی خارجی دلیل سے ثابت نہیں۔ اس لئے آپؑ مرے بھی نہیں۔ اور اگر کسی خارجی دلیل سے آپ کی حیات ثابت ہے تو بے شک آپ اس آیت میں اس لحاظ سے داخل ہو سکتے ہیں۔ کہ آپ آخر کار مر جائینگے۔ اور چونکہ آپ کی زندگی قرآن و حدیث ہر دو سے ثابت ہے جیسا کہ اس کتاب کا پہلا حصہ بلند آواز سے شہادت دے رہا ہے۔ اس لئے آپ ابھی مرے نہیں

پس مرزا صاحب کا اس آیت زیر بحث کو حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات کی دلیل سمجھنا عجب طرح کی اُلٹی منطق اور غلط استدلال ہے۔

امام فخرالدین رازیؒ نے اس آیت کے حکم میں فرشتوں کو بھی داخل کیا ہے۔ اور اس کی وجہ یہی بتائی ہے کہ آخر کار وہ بھی مر جائینگے۔ چنانچہ

Marfat.com

فرمایا۔ کہ تیسرا جواب یہ ہے کہ اَلَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ سے مراد فرشتے

والثالث ان یکون المراد بقوله والذین یدعون من دون الله الملائکة وکان ناس من غیر احیاءً لانه غیر باقیة حیاتهم (تفسیر کبیر جلد ۵ صلا۳)

ہیں اور کفار میں سے کئی لوگ ان کی بھی پرستش کرتے تھے۔ پس اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ وہ اموات ہیں۔ یعنی موت سے ان کو بھی بچاؤ نہیں وہ غیر احیاء ہیں۔ یعنی ان کی زندگی ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے۔"

قسم سوم میں سے بارھویں آیت یہ ہے اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ ثُمَّ رَزَقَکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ (پ ۲۱ سورہ روم) "یعنی اللہ وہ ہے، جس نے تم کو پیدا کیا۔ پھر تم کو رزق دیا۔ پھر تم کو ماریگا۔ پھر تم کو زندہ کریگا" (۳۰:۴۰)

مرزا صاحب فرماتے ہیں۔ کہ اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے اپنا قانون قدرت بتلایا ہے۔ کہ انسان کی زندگی میں صرف چار واقعات ہیں۔ پہلے وہ پیدا کیا جاتا ہے۔ پھر تکمیل اور تربیت کے لئے روحانی اور جسمانی طور پر رزق مقسوم اُسے ملتا ہے۔ پھر اس پر موت وارد ہوتی ہے۔ پھر وہ زندہ کیا جاتا ہے۔ اب ظاہر ہے۔ کہ ان آیات میں کوئی ایسا کلمہ استثنائی نہیں جس کے رو سے مسیحؑ کے واقعات خاصہ باہر رکھے گئے ہوں۔"

قسم سوم میں سے تیرھویں آیت یہ ہے۔ اَیْنَمَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ (پ۵۔ س نساء) "یعنی جس جگہ بھی تم ہو۔ اُسی جگہ تمہیں موت پکڑے گی۔ اگرچہ تم بڑے مرتفع برجوں میں بود و باش اختیار کرو۔" (۴:۷۸)

مرزا صاحب کہتے ہیں۔ کہ چونکہ اس آیت میں حضرت مسیحؑ کو مستثنےٰ نہیں کیا گیا۔ اس لئے حضرت مسیح مر گئے۔"

ان آیتوں سے جس طریق سے مرزا صاحب نے استدلال کیا ہے۔ اس کا تفصیلی ردّ اور جواب صفحہ ۸۲ سے ۸۸ تک گذر چکا ہے کہ استثناء،

Marfat.com

کے لئے ضروری نہیں کہ اسی عبارت میں موجود ہو، بلکہ قرآن شریف میں جہاں کہیں کسی امر کی تصریح پائی جائے۔ اور وہ کسی حکم عام کے خلاف نظر آئے تو وہ اس عام حکم سے مستثنےٰ کیا جاتا ہے۔ اور اس کی نظیریں بھی گذر چکی ہیں، اور آپ کا یہ کہنا کہ انسان کے لئے یہ چار دن مراتب ہیں۔ اور اس سے عمر طبعی کے انحاد کا استدلال کرنا۔ سو یہ بھی اچھی طرح سے باطل ثابت ہو چکا ہے اور اگر بالفرض یہ آیتیں کسی طرح اشارۃً یا دلالۃً حضرت مسیح علیہ السلام کی موت پر دلالت کریں بھی، تو بھی بمقابلہ ان تصریحات کے جو آیات اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ اور بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ اور وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتَابِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ میں آپ کی زندگی اور رفع آسمانی کے بارے میں موجود ہیں۔ کچھ مفید نہیں۔ کیونکہ دلیل خاص دلیل عام پر مقدم ہوتی ہے۔ اور عبارت النص کے مقابلے میں اشارۃً اور دلالۃً اعتبار نہیں ہوتا اور اسی طرح منطوق کے مقابلہ میں مفہوم کو پیش نہیں کر سکتے۔

قسم سوم میں سے چودھویں آیت یہ ہے۔ یٰٓاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ (فجر پ ۳۰ ع ۸۹:۲۷ تا ۳۰)

مرزا صاحب اس آیت کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں:۔

"اے نفس بحق آرام یافتہ اپنے رب کی طرف واپس چلا آ۔ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔ پھر اس کے بعد میرے ان بندوں میں داخل ہو جا۔ جو دنیا کو چھوڑ گئے ہیں اور میری بہشت کے اندر آ۔"

اور پھر اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر اس طرح استدلال کرتے ہیں:۔

"اس آیت سے صاف ظاہر ہے۔ کہ انسان جب تک فوت نہ ہو جائے۔ گذشتہ لوگوں کی جماعت میں ہرگز داخل نہیں ہو سکتا۔ لیکن معراج کی حدیث سے جس کو بخاری نے بھی مبسوط طور پر اپنی صحیح میں لکھا ہے۔ ثابت ہو گیا ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم

Marfat.com

فوت شدہ نبیوں کی جماعت میں داخل ہے۔ لہٰذا حسب دلالت صریحہ اس نص کے مسیح ابن مریمؑ کا فوت ہو جانا ضروری طور پر ماننا پڑا۔"

قسم سوم میں سے **پندرھویں** آیت یہ ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰىٓ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ۔ (انبیاء پ ۱۷ (۲۱: ۱۰۱، ۱۰۲)

مرزا صاحب اس آیت کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں:-

"جو لوگ جنتی ہیں اور ان کا جنتی ہونا ہماری طرف سے قرار پا چکا ہے وہ دوزخ سے دور کئے گئے ہیں۔ اور وہ بہشت کی دائمی لذات میں ہیں۔ اور **پھر کہتے ہیں**:-

"اس آیت سے مراد حضرت عزیر اور حضرت مسیح علیہما السلام ہیں اور ان کا بہشت میں داخل ہو جانا اس سے ثابت ہوتا ہے۔ جس سے ان کی موت بھی بپایۂ ثبوت پہنچتی ہے۔"

قسم سوم میں سے **سولھویں** آیت یہ ہے۔ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ (پ ۲۷ سورۃ قمر) (۵۴: ۵۴، ۵۵)

مرزا صاحب اس آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:-

"یعنی متقی لوگ جو خدا تعالیٰ سے ڈر کر ہر ایک قسم کی سرکشی کو چھوڑ دیتے ہیں وہ فوت ہونے کے بعد جنات اور نہر میں ہیں۔ صدق کی نشستگاہ میں باقتدار بادشاہ کے پاس۔"

"فوت ہو جانے کے بعد" مرزا صاحب نے از خود بڑھا یا ہے۔ قرآن شریف میں اس کے لئے کوئی لفظ نہیں۔

ان تینوں آیتوں سے حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات پر استدلال کرنے کے **جواب** میں اول تو یہی کافی ہے۔ کہ ان آیتوں میں حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات کا ذکر نہیں ہے۔ مرزا صاحب نے اپنی رائے و قیاس سے نتیجہ نکالا ہے۔ اور ان کا یہ قیاس ان آیات کے منطوق کے خلاف ہے۔ جو خاص

Marfat.com

طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی اور نزول ثابت کر رہی ہیں۔ لہٰذا یہ استدلال درست نہیں۔ لیکن تفصیلی جواب یہ ہے کہ بہشت میں داخل ہونا روزِ قیامت کو ہوگا نہ کہ مرنے کے ساتھ ہی۔ اگر یہ درست ہے۔ کہ مرنے کے ساتھ ہی بہشت میں دخول ہو جاتا ہے۔ تو پھر قیامت کس لئے ہے؟ پس یہ آیتیں مرزا صاحب کو کسی طرح بھی مفید نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں جو لوگ جنتی ہیں۔ ضرور ہیں۔ گو وہ اس وقت بھی مردہ ہوں

مرزا صاحب نے پہلی آیت کے ساتھ حدیثِ معراج کو ملا کر جو استدلال کیا ہے۔ وہ بھی ٹھیک نہیں۔ کیونکہ اوّل تو مرزا صاحب معراج جسمانی کے منکر ہیں۔ جیسا کہ وہ اپنے ازالہ میں لکھتے ہیں: "سیرِ معراج اس جسم کثیف کے ساتھ نہیں تھا" (ازالہ اوہام)

دیگر یہ کہ مرزا صاحب نے معراج کی سب حدیثوں پر نظر نہیں کی۔ اگر کرتے۔ تو آپ کو معلوم ہو جاتا۔ کہ بعض حدیثوں میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اپنی زبانِ مبارک سے نزولِ ثانی کو بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ سنن ابن ماجہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود سے موقوفاً اور مسند امام احمد میں مرفوعاً صحیح سند سے مروی ہے کہ

عن عبد اللہ ابن مسعود قال لما کان لیلۃ اسری برسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لقی ابراہیم وموسٰی وعیسٰی فتذاکروا الساعۃ فبدءوا بابراہیم فسألوہ عنہا فلم یکن عندہ منہا علم ثم سألوا موسٰی فلم یکن عندہ منہا علم فرد الحدیث الی عیسٰی ابن مریم فقال قد عہد

جس رات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج کرایا گیا۔ اس رات آپ نے حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام (اولو العزم پیغمبروں) سے ملاقات کی۔ تو ان سب میں قیامت کی بابت ذکر چلا۔ سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا گیا۔ آپ کو قیامت

Marfat.com

الیٰ فیما دون وجبتہا فاما وجبتہا فلا یعلمہا الا اللہ فذکر خروج الدجال قال فانزل فاقتلہ الحدیث (سنن ابن ماجہ باب فتنۃ الدجال و خروج عیسیٰ بن مریم و خروج یاجوج و ماجوج ص۳۰۹)

کے وقوع کی بابت کوئی خبر نہ تھی۔ پھر موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا۔ آپ کو بھی کچھ معلوم نہ تھا۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی باری آئی۔ تو آپ نے کہا کہ ہاں قیامت کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا مجھ سے عہد ہے لیکن قیامت کے واقع ہونے کا وقت سوائے خدا کے کسی کو معلوم نہیں

پھر آپنے دجّال کا ذکر کیا اور کہا پھر میں نازل ہوں گا۔ اور اس کو قتل کروں گا۔" (الحدیث)

اس حدیث سے روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے قرب قیامت میں نازل ہونے کی بابت ذکر کر رہے ہیں۔ مرزا صاحب چاہے کیسے استدلال پیش کریں اور نصوص کو چاہے کیسے بعید احتمال سے رد کریں۔ اس حدیث کی تصریح کے مقابلہ میں ان کے مفید مطلب کوئی بات بن نہیں پڑتی۔

اگر کہا جائے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرات ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام تینوں سے ملاقات کی تو بہرحال تینوں کو ایک حال میں ماننا پڑیگا۔ خواہ ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کو عیسےٰ علیہ السلام کی طرح زندہ مانو۔ خواہ عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی طرح فوت شدہ تسلیم کرو۔ تو اس کا **جواب** یہ ہے کہ ملاقات تین طرح پر ہوتی ہے۔ اوّل ہر دو جانب سے بدنی ملاقات و مصاحبت ہو۔ دوم یہ کہ ہر دو جانب سے روحانی ہو۔ سوم یہ کہ ایک طرف سے روحانی اور دوسری طرف سے بدنی۔ سو معراج کی رات میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر یہ تینوں کیفیتیں پوری کی گئیں۔ تاکہ آپ کو ہر طرح کا کمال حاصل ہو۔ حضرت ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام سے آپ کو قسم سوم کی ملاقات ہوئی۔ یعنی آپ کی طرف سے بدنی ملاقات تھی۔ اور انکی طرف سے روحانی۔ کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو معراج جسم مبارک

کے ساتھ کرایا گیا تھا۔ جیسا کہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ اور رسالہ سَلَّمُ الْوُصُوْلِ اِلٰی اَسْرَارِ اِسْرَاءِ الرَّسُوْلِ میں بڑی تحقیق و تدقیق سے ثابت کیا گیا ہے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات قرآن اور حدیث صحیح بخاری سے ثابت ہے۔ پس حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی طرف سے روحانی ملاقات تھی۔ اور آنحضرت صلعم کی طرف سے جسمانی۔

اسی طرح حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی آپس میں قسم دوم کی ملاقات تھی۔ یعنی دونوں طرف سے روحانی۔ اور ان کے ساتھ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو نبی صلعم کی طرح قسم سوم کی ملاقات تھی۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رفع آسمانی جسمانی قرآن شریف سے ثابت ہے۔ جیسا کہ اسی کتاب کا پہلا حصہ بآواز بلند قرآنی شہادت سے پکار رہا ہے۔ باقی رہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کی ملاقات۔ سو یہ قسم اول میں سے تھی۔ یعنی دونوں طرف سے جسمانی۔ کیونکہ حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت روح اللہ علیہ السلام دونوں کا معراج جسمانی قرآن شریف سے ثابت ہے۔ پس معترض کا اعتراض باطل ہوا۔ ملاقات کی تقسیم جو اوپر کی گئی ہے۔ مرزا صاحب کی طرح از خود نہیں بنائی گئی بلکہ اہل اللہ کے نزدیک مسلم ہے۔ اور حدیث صحیح بخاری سے ماخوذ ہے اور وہ حدیث یہ ہے :۔

عن ابن عباس قال مرالنبیؐ صلے اللہ علیہ وسلم بقبرین فقال انھما لیعذبان وما یعذبان فی کبیر اما احدھما فکان لا یستتر من البول واما الاٰخر فکان

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گذرے آپ نے فرمایا۔ کہ ان مُردوں کو عذاب ہو رہا ہے۔ اور جس گناہ کی بابت ان کو عذاب ہو رہا ہے۔ اس سے بچنا کوئی بڑی بات نہیں ایک تو

Marfat.com

یمشی بالنمیمۃ ثم اخذ جریدۃ	پیشاب سے پرہیز نہیں کیا کرتا تھا۔ اور
رطبۃ نشقھا نصفین نغرز فی	دوسرا چغلی کھاتا پھرتا تھا۔ پھر آپؐ نے ایک
کل قبر واحدۃ قالوا یا	ہری ٹہنی لی۔ اور اس کے دو ٹکڑے کئے
رسول اللہ لم فعلت قال	ایک کو ایک قبر پر گاڑا اور دوسرے کو دوسری
لعلہ یخفف عنھما	پر۔ صحابہ رضی اللہ عنہم جو ساتھ تھے انہوں
مالم ییبسا	نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسولؐ۔ آپ نے
(صحیح بخاری	کس لئے ایسا کیا؟ آپؐ نے فرمایا امید ہے کہ
کتاب الوضوء)	جب تک یہ ٹہنیاں خشک نہ ہو جائیں، ان سے
	عذاب ہلکا کیا جائے گا۔"

* * *

یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے۔ پس یہ متفق علیہ ہونے کی وجہ سے اوّل درجہ کی صحیح حدیث ہے۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ قسم اوّل کی ملاقات تھی۔ یعنی ہر دو جانب سے بدنی مصاحبت تھی۔ اور ان مُردوں کے ساتھ قسم سوم کی۔ یعنی آپؐ کی طرف سے بدنی تھی۔ اور ان کی طرف سے روحانی۔

اسی طرح جنگ بدر کے مقتول کافروں کو جب گڑھے میں ڈالا گیا۔ تو آپؐ نے کنارے پر کھڑے ہو کر اُن کے نام مع ولدیت کے پکار کر کہا کہ کیا اب تم کو اچھا معلوم ہوتا ہے یا نہیں؟ کہ تم نے اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی۔ ہم نے تو اپنے رب کا وعدہ سچا دیکھ لیا۔ کیا تم نے بھی وہ وعدہ جو عذاب کے بارے میں تم سے کیا جاتا تھا سچا پا لیا یا نہیں؟ جب آپؐ نے ان لاشوں سے ایسی باتیں کیں۔ تو پاس سے حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ ایسے جسموں سے باتیں کرتے ہیں۔ جن میں روح نہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ خدا کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے تم اس بات کو جو میں

Marfat.com

اُن سے کہتا ہوں۔ ان سے زیادہ نہیں سُنتے۔" یعنی وہ اس وقت بسبب صاحبِ حال ہونے کے میری بات کو بالکل حق الیقین کے مرتبے پر سُنتے ہیں۔ یا یہ کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کی آواز ان کو بطور معجزہ کے سُنا دی۔"

یہ حدیث صحیح بخاری کی ہے۔ اور اس سے بھی تقسیم مذکور واضح ہے۔ پس مرزا صاحب کا آیات زیرِبحث کے ساتھ حدیث معراج کو ملا کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا وہم کرنا صحیح نہیں۔

قسم سوم میں سے ستر ہویں آیت اور مرزا صاحب کی ترتیب کی اکیسویں آیت یہ ہے۔ مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ یعنی محمد صلے اللہ و آلہ وسلم تم میں سے کسی مرد کا باپ نہیں ہے۔ مگر وہ رسول اللہ ہے۔ اور ختم کرنے والا نبیوں کا۔" (احزاب پ۲۲) (۳۳: ۴۰)

اس آیت کے تحت مرزا صاحب لکھتے ہیں :-

"یہ آیت بھی صاف دلالت کر رہی ہے۔ کہ بعد ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے کوئی رسول دنیا میں نہیں آئے گا۔ پس اس سے بھی بکمال وضاحت ثابت ہے کہ مسیح ابن مریم رسول اللہ دنیا میں نہیں آسکتا۔ کیونکہ مسیح ابن مریم رسول ہے اور رسول کی حقیقت اور ماہیت میں یہ امر داخل ہے۔ کہ دینی علوم کو بذریعہ جبرئیل حاصل کرے۔ اور ابھی ثابت ہو چکا ہے۔ کہ اب وحی رسالت تا بقیامت منقطع ہے۔ اس سے ضروری طور پر یہ ماننا پڑتا ہے۔ کہ مسیح ابن مریم ہرگز نہیں آئیگا۔ اور یہ امر خود مستلزم اس بات کو ہے کہ وہ مر گیا۔"

مرزا صاحب کا یہ استدلال حضرت مسیح کی موت اور ان کے نازل نہ ہونے کے بارے میں تو بالکل غلط ہے۔ کیونکہ مرزا صاحب کا استدلال محض قیاسی ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رفع آسمانی اور زندگی اور نزول قطعی دلائل سے ثابت ہے۔ ہاں اس آیت سے مرزا صاحب کا دعویٰ نبوت

Marfat.com

ضرور جھوٹا ثابت ہوتا ہے، جیسا کہ انشاء اللہ مذکور ہوگا۔

مرزا صاحب کا اس آیت سے منشا یہ ہے۔ کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ آئیں۔ تو یا تو آپ منصب نبوت سے معزول ہوکر آئیں گے۔ یا نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین نہ رہیں گے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی جدید نبی منع ہے جیسا کہ آپ کے بعد مرزا صاحب اور آپ کے دوسرے ہم مشربوں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اگر کوئی پچھلا نبی جس کو آپ سے پیشتر نبوت مل چکی ہو پھر آئے تو وہ اس کے روسے منع نہیں۔ جیسے کہ عیسیٰ علیہ السلام کہ ان کو آپ سے پیشتر نبوت مل چکی ہوئی ہے۔ اور جب پھر نازل ہوں گے۔ تو اُن کی نبوت وہی ہوگی۔ جو پہلے تھی۔ نہ کہ مرزا صاحب کی طرح نئی نبوت۔ احادیث نبویہ سے ایسا ہی ثابت ہے۔ چنانچہ مسند امام احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ بے شک رسالت اور نبوت ختم ہوچکی ہے۔ پس میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا نہ کوئی نبی۔"

عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ الرِّسَالَۃَ وَالنُّبُوَّۃَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ (رسند الامام)

مسند امام احمد میں بروایت حضرت اُبی بن کعب ایک اور حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میری مثال ایسی ہے۔ کہ کوئی شخص ایک حویلی تعمیر کرائے۔ مگر ایک اینٹ کی جگہ خالی رہ جائے۔ (جب لگے تو وہ حویلی پوری ہو) پس میں پیغمبروں میں اُس آخری اینٹ کی مانند ہوں" (صحیح بخاری ملخصاً)

اِن احادیث اور ان کی مانند دوسری احادیث کو زیر نظر رکھنے سے صاف کھل جاتا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہی فرماتے ہیں۔ کہ مجھے نبوت عطا ہونے کے بعد اب کسی اور شخص کو منصب نبوت نہیں ملیگا۔ نیز مفسرین علیہم الرحمۃ نے اس خدشہ کو اسی طرح دُور کیا ہے چنانچہ تفسیر ارشاد العقل السلیم الیٰ مزایا الکتاب الکریم میں آیت خاتم النبیین کے ذیل میں لکھا ہے۔ کہ " آپ کے

Marfat.com

ولا یقدح فیہ نزول عیسیٰ بعدہ علیہما السلام لان معنی کونہ خاتم النبیین انہ لا ینبأ احد بعدہ وعیسیٰ ممن نبیٔ قبلہ وحین ینزل انما ینزل عاملا علی شریعۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مصلیاً الی قبلتہ کانہ بعض امتہ۔

(خاتم النبیین ہونے میں عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔ کیونکہ آپ کے خاتم النبیین ہونے کے یہ معنے ہیں کہ آپ کے بعد کسی کو نبوت نہیں ملیگی۔ اور عیسیٰ علیہ السلام تو ان میں سے ہیں، جو آپ سے پہلے نبی بنائے گئے ہیں، دیگر کہ جب وہ نازل ہوں گے تو آپ ہی کی شریعت پر عمل کریں گے۔ اور آپ ہی کے قبلے کی طرف منہ کرکے نماز پڑھیں گے گویا وہ آپ کی اُمت ہی سے ہیں۔ (پس اس لحاظ سے بھی کوئی حرج واقع نہیں ہوا۔)

اسی طرح دیگر تفاسیر میں ہے مثلاً بیضاوی - خازن - مدارک اور فتح البیان - اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے آنحضرت صلعم کی ختم نبوت میں کچھ حرج ہوتا ہے۔ تو کیا مرزا صاحب کے دعوے نبوت سے حرج نہیں ہوتا؟ اور اگر مرزا صاحب بروز کا (جو باطل ہے) عذر کرکے اس زد سے بچ سکتے ہیں۔ تو کیا عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے یہ عذر کہ آپ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے کے نبی ہیں، اور آیت میں اور حدیث میں کسی نئے نبی کی بابت نفی ہے، صحیح نہیں؟ انصاف! انصاف!! انصاف!!!

اگر عدل وانصاف سے سوچا جائے۔ تو جس صورت سے مرزا صاحبؒ نے اور آپ کے متقدمین دجالوں نے نبوت کا دعوے کیا ہے۔ قرآن وحدیث میں اسی کی تردید ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں آیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ قیامت قائم نہ ہوگی۔ حتیٰ کہ میری اُمت میں سے قریباً تیس دجال نہ ہو لیں۔ جن میں سے ہر ایک یہی کہیگا۔ کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ اس حدیث کو حدیث لا نبیّ بعدی اور آیت خاتم النبیین کے ساتھ رکھ کر انصاف کریں۔ تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ مرزا صاحب کا دعویٰ نبوت وہ

Marfat.com

ہے۔ جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان مدعیانِ نبوت کو دجّال اور کذاب کہتے ہیں۔ پس آیت زیرِ بحث کی رو سے آپ کا دعویٰ غلط نکلا، نہ کہ عیسیٰؑ کا نزول۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے انکار میں مرزا صاحب کے پاس کوئی معقول وجہ اور دلیل نہیں۔ صرف شکوک وشبہات ہیں۔ جن سے لوگوں کو بہکاتے ہیں۔ اور اپنا اُلّو سیدھا کرتے ہیں۔ اسی طرح ایک یہ شبہ بھی ڈالا کرتے ہیں۔ کہ جب عیسیٰ علیہ السلام پھر نازل ہوں گے۔ تو کیا ان کی نبوت چھینی جائیگی؟ اور وہ کس شریعت پر عمل کرینگے؟ عیسوی شریعت پر یا محمدی پر؟ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ حضرت عیسیٰؑ کی نبوت چھینی نہیں جائے گی۔ کیونکہ اہلِ سُنّت کے نزدیک نبوت ایک ایسا منصب ہے۔ جو چھینا نہیں جاتا۔ (دیکھو تمہید ابی الشکور سالمی) اور نہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شریعت منسوخ ہوگی، بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی اپنی پچھلی نبوت سے نازل ہوں گے۔ اور شریعت محمدیؐ پر عمل کریں گے اور اسی کے مطابق فیصلے کریں گے۔ اس کی حکمت اور راز پہلے حصہ کے صفحہ ۱۲۴ پر[۱] بیان ہو چکا ہے نیز یہ کہ ایک وقت میں دو نبیوں کا ہونا اور ایک کا امام ہونا اور دوسرے کا تابع ہونا ممتنع نہیں۔ بلکہ قرآن شریف سے بالتصریح ثابت ہے۔ جیسے کہ حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام دونوں ایک وقت میں ہوئے ہیں۔ اور دونوں نبی تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اصل صاحب شریعت اور امام تھے۔ اور حضرت ہارون علیہ السلام آپ کے تابع اور خلیفہ تھے۔ چنانچہ سورۂ فرقان میں فرمایا

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا۔ (فرقان پ۱۹)

یعنی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب (توریت) دی۔ اور اس کے ساتھ اس کے بھائی ہارون کو اس کا وزیر بنایا۔ (۲۵:۳۵) اسی طرح سورہ اعراف میں فرمایا۔ کہ جب موسیٰ علیہ السلام حسب وعدہ الٰہی کوہ طور پر چلے تو اپنے بھائی

وَقَالَ لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ (اعراف پ۹) (۷:۱۴۲) ہارون علیہ السلام کو کہنے لگے کہ میرے بعد میری قوم میں میرا خلیفہ رہنا۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارونؑ کو

[۱] طبع اول نیز طبع سوم وچہارم صفحہ ۱۹۰

اپنا خلیفہ مقرر کرتے ہیں۔ اور قوم کو صرف اپنی طرف منسوب کرتے ہیں۔ حالانکہ حضرت ہارون علیہ السلام بھی نبی تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ "ہم نے وَوَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَحْمَتِنَا أَخَاهُ هَارُونَ نَبِيًّا (مریم پ۱۶) موسیٰؑ کو اپنی رحمت سے اس کا بھائی ہارونؑ نبی کر کے بخشا"۔ (۱۹ : ۵۳)

اسی طرح حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت لوط علیہما السلام دونوں ایک وقت میں ہوتے ہیں۔ اور دونوں نبی تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اصل صاحب شریعت اور امام تھے۔ اور حضرت لوط علیہ السلام باوجود نبی ہونے کے اُن کے تابع تھے۔ چنانچہ حضرت لوط علیہ السلام کی نبوت و رسالت کی بابت فرمایا وَإِنَّ لُوطًا لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ (الصافات پ۲۳) یعنی "بے شک حضرت لوطؑ بھی رسولوں میں سے ہیں"۔ (۳۷ : ۱۳۳) اور ان کے حضرت ابراہیمؑ کے تابع ہونے کی بابت فرمایا۔ فَآمَنَ لَهُ لُوطٌ (عنکبوت پ۲۰) یعنی "(حضرت) لوط حضرت (ابراہیم علیہما السلام) پر ایمان لائے"۔ (۲۹ : ۲۶)

اسی طرح حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام دونوں ایک وقت میں نبی تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام امام تھے۔ اور حضرت یحییٰ علیہ السلام ان کی تابع تھے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰؑ کی صفات میں فرمایا۔ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللَّهِ آل عمران پ۳) یعنی "حضرت یحییٰ کلمۃ اللہ یعنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرنے والے ہوں گے (۳ : ۳۹) پس اسی طرح جب عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے، تو اس وقت شریعت محمدیؐ منسوخ نہیں ہو جائیگی۔ بلکہ اصل صاحب شریعت اور امام جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہوں گے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپؐ کے خلیفہ اور وزیر اور تابع بھی ہوں گے۔ اور نبی بھی ہوں گے۔ اسی لئے صحیح مسلم کی حدیث جو حضرت نواس بن سمعان کی روایت سے ہے۔ اس میں آپ کو چار دفعہ نبی اللہ کہا گیا ہے۔

Marfat.com

اگر کہا جائے کہ جو کچھ تم نے لکھا ہے۔ وہ ایسے نبیوں کی بابت ہے جو ایک زمانے میں دنیا پر موجود تھے۔ مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی صورت میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف نہیں رکھتے۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام کے نزول کی صورت میں تو یہ امر بطریقِ اَولیٰ جائز ہے۔ کیونکہ جب حقیقۃً دو نبی اکٹھے ہو سکتے ہیں۔ تو زمانہ اور زندگی کے لحاظ سے یہ کیوں منع ہے۔ یعنی یہ کہ ایک تو باعتبار زمانِ نبوت کے ہو۔ اور دوسرا اپنی حقیقی زندگی سے موجود ہو تو کوئی حرج نہیں۔ تو آپ کی تسلی کے لئے ہم یہ امر بھی قرآن شریف سے ثابت کرتے ہیں اللہ تعالےٰ نے فرمایا:۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۡ

ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب دی اور اس کے بعد اس کے قدم بقدم کئی رسول بھیجے۔ (۲: ۸۷)

اسی طرح سورہ مائدہ میں فرمایا:۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا (مائدہ پ ۶)

ہم نے توریت نازل کی، اس میں ہدایت اور نور تھا۔ اس کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔ خدا کے فرمانبردار نبی"۔ (۵: ۴۴)

ان آیتوں سے صاف ظاہر ہے۔ کہ شریعت موسوی کی تابع کئی رسول مبعوث کئے گئے۔ اور وہ سب حضرت موسےٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ہوئے۔ پس حضرت موسےٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے آئین و شریعت پر کئی نبیوں کے ہونے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عیسیٰ ؑ کے نازل ہو کر دنیا میں زندہ موجود ہونے میں کوئی فرق نہیں، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عیسٰے علیہ السلام کے نازل ہونے کی حکمت اور ضرورت پہلے باب کے صفحہ ۱۲۴[1] و صفحہ ۱۲۵ میں گذر چکی ہے پس ثابت ہو گیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہونے کے یہ معنی ہیں کہ آپ کے

[1] طبع اول۔ طبع سوم صفحہ ۱۸۹ و صفحہ ۱۹۰۔

Marfat.com

بعد کسی کو نبوت نہیں ملیگی۔ نہ یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جن کو آپ سے پیشتر نبوّت مل چکی ہوئی ہے۔ نہیں آئیں گے۔ بلکہ اس آیت سے مرزا صاحب کی نبوت صاف جھوٹی ثابت ہوتی ہے۔ اور ان لوگوں جیسی ہے۔ جن کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دجّال اور کذاب کہا ہے۔ اور ان کی تعداد تیس کے قریب بتلائی ہے۔ جن میں سے بہت سے گذر چکے ہیں۔

قسم سوم میں سے اٹھارہویں آیت یہ ہے۔ فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (پ ۱۷ ع ۱) (۲۱ : ۷) مرزا صاحب اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں۔ یعنی اگر تمہیں ان بعض امور کا علم نہ ہو جو تم میں پیدا ہوں تو اہل کتاب کی طرف رجوع کرو۔ اور ان کی کتابوں کے واقعات پر نظر ڈالو تاکہ اصل حقیقت تم پر منکشف ہو جائے۔ سو جب ہم نے موافق حکم اس آیت کے اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ کی کتابوں کی طرف رجوع کیا اور معلوم کرنا چاہا۔ کہ کیا اگر کسی نبی گذشتہ کے آنے کا وعدہ دیا گیا ہو۔ تو وہی آجاتا ہے۔ یا ایسی عبارتوں کے کچھ اور معنے ہوتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ اسی امر متنازعہ فیہ کا ہمشکل ایک مقدمہ حضرت مسیح ابن مریم آپ ہی فیصل کر چکے ہیں۔ اور ان کے فیصلے کا ہمارے فیصلے کے ساتھ اتفاق ہے۔ دیکھو کتاب سلاطین و کتاب ملاکی نبی اور انجیل جو ایلیا کا دوبارہ آسمان سے اُترنا کس طور سے حضرت مسیح نے بیان فرمایا ہے۔ انتہی بالفاظہ۔

مرزا صاحب کی عبارت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اہل کتاب کی کتابوں کی طرف رجوع کرنے کا حکم کرتا ہے۔ پس اس آیت کے حکم سے ہم نے بائیبل پر نظر کی۔ تو اس میں حضرت ایلیا کا آسمان سے اُترنا پایا۔ مگر اس کی صورت حضرت مسیح نے یہ بیان فرمائی۔ کہ ایلیا کا آنا حضرت یحییٰ کے آنے سے پورا ہو گیا ہے۔ پس اسی طرح احادیث میں جو حضرت مسیح کا آسمان سے اترنا آیا ہے اس کے

Marfat.com

معنے بھی یہی ہیں کہ کوئی شخص مثیل مسیح آئے گا۔ چنانچہ وہ میں آ گیا ہوں اور حضرت مسیح فوت ہو چکے ہوئے ہوں۔

مرزا صاحب کا استدلال بالکل غلط ہے۔ اور وہ آیت کے صحیح مطلب کو ہرگز نہیں سمجھے۔ اس آیت زیر بحث کی صحیح تفسیر انشاء اللہ تعالےٰ ہم بعد میں کرینگے۔ پہلے مرزا صاحب کی مراد کے موافق فرض کر کے ان کے استدلال کو غلط ثابت کرتے ہیں۔

اوّل:۔ اس طرح کہ اللہ تعالےٰ نے ہم کو اہل کتاب کی طرف رجوع کرنے کا حکم اس شرط سے کیا ہے۔ کہ ہم کو اپنی شریعت میں وہ بات معلوم نہ ہو۔ جیسا کہ صاف ارشاد فرمایا:۔ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ یعنی اگر تم نہیں جانتے۔" پس جب آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ صلعم سے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی حیات حقیقی اور رفع آسمانی اور نزول عینی ثابت ہے۔ اور ہمیں اس میں کوئی تردد اور بے علمی کا خدشہ نہیں۔ تو ہم اہل کتاب کی کتابوں کی طرف کیوں رجوع کریں۔ کیا آسمانی اور حق اور محفوظ اور غیر محرّف کتاب کو چھوڑ کر بندوں کی بنائی ہوئی اور محرّف کتابوں کے پیچھے لگنا اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ ھُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ ھُوَ خَیْرٌ کا مصداق نہیں۔ (یعنی کیا تم بہتر چیز کے بدلے میں ادنیٰ چیز کو لیتے ہو)۔" (بقرہ پ (۲:۶۱)

دوم:۔ اس طرح کہ الیاس علیہ السلام کے آسمان پر جانے اور وہاں سے پھر اُترنے کا مسئلہ قرآن و حدیث سے کہیں بھی ثابت نہیں۔ نہ حقیقۃً اور نہ مثالاً۔ پس مرزا صاحب اس پر اپنی مماثلت کی بنا نہیں رکھ سکتے۔ قرآن شریف سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام کے دوبارہ آنے کی بابت کبھی کوئی پیشگوئی نہیں کی گئی۔ یہ یہودیوں کا منگھڑت عذر تھا اور نیز یہ بھی کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام حضرت الیاس علیہ السلام کے مثیل نہ تھے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ان کی تعریف ان لفظوں سے سنائی تھی:۔

Marfat.com

اِنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکَ بِیَحْیٰی مُصَدِّقًا بِکَلِمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ وَسَیِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ (آل عمران پ۳) (۳ : ۳۹)

(اے زکریا!) اللہ تعالیٰ تجھ کو ایسے لڑکے کی بشارت دیتا ہے۔ جس کا نام یحییٰ ہوگا۔ وہ کلمۃ اللہ کی یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی (جو ان سے بعد پیدا ہوئے) تصدیق کرنے والا ہوگا۔ اور اپنی قوم کا سردار ہوگا۔ اور عورتوں سے علیٰحدہ رہنے والا اور بہت پاکباز ہوگا۔ اور صالحین انبیاء میں سے ہوگا۔"

پس اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے حضرت الیاسؑ کے نزول کی پیشگوئی ہوئی ہوتی۔ اور اس کا پورا ہونا حضرت یحییٰؑ کے آنے سے ہوتا تو یہ امر حضرت زکریا علیہ السلام کو ضرور معلوم ہوتا۔ کیونکہ اس وقت آپ ہی بوجہ نبی ہونے کے کامل العلم تھے۔ اور دوسرے لوگ آپ کے علم کے محتاج تھے۔ لہٰذا ضروری تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ آپ کو حضرت یحییٰؑ کی بشارت یوں سناتا۔ کہ یہ وہ مولود مسعود ہے۔ جو مدتوں سے منتظر و موعود ہے۔ تاکہ حضرت زکریا علیہ السلام اپنے بیٹے سے اس پیشگوئی کے پورا ہونے سے زیادہ خوش ہوں۔ مگر چونکہ اللہ تعالیٰ نے باوجود سبب کے موجود ہونے کے اس امر کا ذکر نہیں کیا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ نہ الیاس علیہ السلام کا نزول خدا کی طرف سے بتلایا گیا تھا۔ اور نہ حضرت یحییٰؑ کا ان کا مثیل ہونا درست ہے۔

اسی طرح سورت مریمؑ میں حضرت یحییٰؑ علیہ السلام کی صفت میں فرمایا لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا (مریم پ۱۶، ۱۹ : ۷) یعنے ہم نے اس سے پیشتر اس کا ہمنام بنایا ہی نہیں" سمیؔ کے معنی نظیر و شبیہ اور مثیل کے بھی ہیں۔ جیسا کہ اسی سورت میں آگے آتا ہے۔ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِیًّا (مریم پ۱۶، ۱۹ : ۶۵) یعنی کیا تو کوئی ایسا شخص جانتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا نظیر ہو" پس جب اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے پیشتر ان کا ہمنام و مثیل بنایا ہی نہیں۔ تو اب مرزا صاحب ان کو حضرت الیاسؑ کا مثیل کس طرح قرار دیتے۔ اور کس طرح اس پر اپنے دعوائے مماثلت کی بنیاد رکھ سکتے ہیں؟

Marfat.com

سوم :- اس طرح کہ انجیل سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضرت یحییٰؑ نے مثیل الیاس ہونے کا دعوے کیا۔ اور نہ وہ تھے۔ بلکہ یہودیوں کے پوچھنے پر اس سے صاف انکار کیا۔ جیسا کہ انجیل یوحنا باب اوّل میں آیت ۱۹ سے ۲۱ تک لکھا ہے

"(۱۹) اور یوحنا کی گواہی یہ تھی۔ جبکہ یہودیوں نے یروشلم سے کاہنوں اور لاویوں کو بھیجا ہے۔ کہ اس سے پوچھیں کہ تو کون ہے (۲۰) اور اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ مسیح نہیں ہوں۔ (۲۱) تب اُنہوں نے اس سے پوچھا تو اور کون ہے؟ کیا تو الیاس ہے؟ اس نے کہا۔ میں نہیں ہوں۔ پس آیا تو وہ نبی ہے۔ اُس نے جواب دیا۔ نہیں"

اس عبارت اور اس سے بعد کی عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام جن کا انجیلی نام یوحنا ہے۔ کاہنوں کے سوال پر اپنے مثیل الیاس ہونے سے صاف انکار کرتے ہیں۔ پس مرزا صاحب کا دعویٰ مماثلت بالکل بے بنیاد ہے۔ اگر یہ عذر کیا جائے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہودیوں کے اعتراض پر حضرت الیاسؑ کی پیشین گوئی کے پورا ہونے کی بابت حضرت یحییٰؑ کا آنا پیش کیا تھا۔ تو اس کا جواب اوّل تو یہ ہے۔ کہ یہ انجیل سے ثابت نہیں۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی زبان سے حضرت یحییٰؑ کو پیش کیا۔ دوم اگر تسلیم بھی کرلیں۔ تو حضرت یحییٰؑ کے اپنے انکار کے مقابلے میں ہو بہو مدعی سست گواہ چست کا معاملہ نظر آتا ہے۔ کیونکہ خود حضرت یحییٰ علیہ السلام اپنے آپ کو مثیلِ الیاس قرار دے سکتے تھے۔ اگر کہا جائے کہ کیا پھر حضرت مسیحؑ نے غلط جواب دیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسی سے سمجھا سکتا ہے۔ کہ یہ معاملہ بالکل من گھڑت ہے۔ چہارم اس طرح کہ اگر بالفرض اسے تسلیم بھی کرلیں۔ کہ حضرت الیاسؑ کی نسبت پیشین گوئی کی گئی تھی۔ اور وہ حضرت یحییٰؑ کے آنے سے پوری ہوئی تو پھر بھی یہ ایک نظیر ہی بنے گی۔ نہ کہ علت موجبہ کہ اس کے رُو سے یہ ضروری قرار دیا جائے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیشینگوئی بھی اسی رنگ میں پوری ہو۔ یہ نکتہ اہلِ علم پر مخفی نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ یہ ضروری

Marfat.com

نہیں کہ دوسرا واقعہ خواہ مخواہ پہلے معاملہ کی مانند ہو۔

اس سارے بیان سے واضح ہوگیا۔ کہ مرزا صاحب نے اپنے دعوئے مماثلت کے متعلق جس امر کو بنا قرار دیا تھا۔ وہ بالکل غلط ہے۔ اور ان کو کسی طرح مفید نہیں۔ پس اس آیت زیر بحث سے عیسےٰ علیہ السلام کی وفات ثابت نہ ہوسکی۔

اب ہم اس آیت فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ کا صحیح مطلب بیان کرکے ناظرین کو قرآنی نکتوں سے مسرور کرتے ہیں۔ اس آیت اور اس کے بعد کی آیتوں کے متعلق ہم صرف وہی کچھ نقل کردینا مناسب خیال کرتے ہیں۔ جو کچھ شیخ علی مہائمی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے:۔

"(اے پیغمبر) ہم نے تجھ سے پیشتر جو رسول بھیجا ہے۔ وہ (انسانوں میں سے) مرد ہی تھا اور بشریت اور رسالت میں کس طرح منافات ہوسکتی ہے۔ کیونکہ رسالت کے لئے تو آسمان سے اترنا شرط نہیں۔ بلکہ صرف اس قدر کافی ہے۔ کہ ہم ان کی طرف فرشتہ بھیجنے سے ان کو وحی کرتے رہے ہیں۔ پس اگر یہ معاملہ شیطان کے نزول سے ملتبس ہوجائے تو تم اہل الذکر کو جو بڑے پائے کے علماء ہیں۔ پوچھ دیکھو۔ اگر خود قصور نظر کے سبب اس میں فرق نہیں جان سکتے۔ اور انبیاء پر فرشتے نازل ہونے میں یہ بھی شرط نہیں۔ کہ وہ بشریت سے بالکل باہر ہوجائیں۔ کیونکہ اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ وہ جماد یعنے بے جان ہو۔ اور یہ باطل ہے۔ کیونکہ ہم نے ان پیغمبروں کو پتھروں کی طرح بیجان جسم نہیں بنایا۔ کہ کھائیں نہیں۔ کیونکہ جمادات کو ملائکہ سے کوئی نسبت نہیں پس صرف طعام کے ترک کردینے سے ان کی مناسبت کامل نہیں ہوسکتی۔ اور یا یہ صورت ہے کہ وہ پیغمبر حیات کے کمال کے رو سے ایسے ہوں۔ کہ مریں نہیں۔ لیکن وہ ہمیشہ رہنے والے بھی نہیں۔ (پس کفار کا اعتراض درست نہیں) پیغمبروں کے لئے تو یہی شرط ہے کہ دلائل کے رو سے ان کی سچائی ثابت کی جائے۔ سو ہم نے ایسا کردیا۔ پھر ہم نے ان کے متعلق اپنے وعدوں کے سچا کرنے سے بھی ان کو سچا ثابت کردیا۔ کہ ان کے دشمنوں کو ہلاک کیا۔ اور اس پر یہ دلیل ہے۔ کہ ان کو ہم نے بچالیا۔ باوجود اس کے کہ وہ بھی ان

ہلاک شدوں کے بیچ میں بسنے تھے۔ اور ان کے ساتھ کے مومنوں کو بھی بچا لیا۔ (جن کے بچانے کے متعلق ہماری مشیت ہوا کرتی ہے)۔

آیت فَاسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ کے متعلق صحیح تفسیر یہی ہے۔ جو لکھی گئی۔ مرزا صاحب اس کا نہ صحیح مطلب سمجھتے ہیں۔ اور نہ ان کا استدلال صحیح ہے۔ بلکہ اس آیت میں مرزا صاحب کی صریح تکذیب پائی جاتی ہے۔ کیونکہ اس میں اللہ تعالےٰ ان وعدوں کا سچا ہونا ضروری فرماتا ہے۔ جو پیغمبروں کے ساتھ ان کے دشمنوں کی ہلاکت کے متعلق کئے جاتے ہیں۔ اور یہ روز روشن کی طرح ظاہر ہے۔ کہ مرزا صاحب جب کسی کو کوئی ڈر سناتے ہیں تو وہ اس سے محفوظ رہتا ہے۔ اور اگر تجربہ سے طاعون کے دنوں میں کچھ ہلچل مچاکر لوگوں کو اپنی طرف کرنا چاہتے ہیں۔ تو ان کے اپنے مخلص مرید بھی اس کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جب سے آپ کا جھوٹا ہونا عام لوگوں میں مشہور اور واضح ہو چکا ہے اور اسی طرح کبھی آپ زلزلہ کو دیکھ کر کچھ اپنے تجربہ سے اور کچھ تجربہ کار لوگوں سے سن سنا کر دوبارہ اور سہ بارہ اعلان کر دیتے ہیں۔ اور مریدوں کو گھروں سے باہر نکلنے کا حکم دیتے ہیں۔ اور خود بھی باہر نکل جاتے ہیں تاکہ آپ کے ایسے عمل اور تاکیدی حکم سے دوسرے لوگوں پر کچھ اثر پڑے۔ مگر نہ زلزلہ آتا ہے اور نہ کچھ اور ہوتا ہے۔ اور مفت میں آپ فضیحت اٹھاتے ہیں۔ بلکہ اس سے لوگ اور آپ کی تکذیب پر مضبوط ہو جاتے ہیں۔ اور ان کا ایمان سلامت رہتا ہے۔

قسم سوم میں سے انیسویں آیت اور مرزا صاحب کی ترتیب کے رو سے انیسویں آیت یہ ہے۔ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (سورہ حشر پ ۲۸) "یعنے رسول جو کچھ تمہیں علم اور معرفت عطا کرے وہ لے لو۔ اور جس سے منع کرے وہ چھوڑ دو" (۵۹ : ۷)

اس آیت کے رُو سے مرزا صاحب نے بعض احادیث نبویہ سے استدلال کیا ہے۔ اور اپنی اُلٹی منطق سے یہ نتیجہ نکالا ہے۔ کہ حضرت عیسےٰ مر گئے ہیں۔ پہلی حدیث یہ ہے۔ عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم

اعمار امتی ما بین الستین الی السبعین و اقلھم من یجوز ذالک رواہ الترمذی و ابن ماجۃ (مشکوٰۃ) یعنی اکثر عمریں میری امت کی ساٹھ سے ستر برس تک ہونگی۔ اور ایسے لوگ بہت کمتر ہوں گے۔ جو ان سے بھی تجاوز کریں اس کے بعد فرماتے ہیں کہ:۔

"یہ ظاہر ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم اس امت کے شمار میں ہی آ گئے ہیں پھر اتنا فرق کیونکر ممکن ہے کہ اور لوگ تو ستر برس تک مشکل سے پہنچیں۔ اور ان کا یہ حال ہو کہ دو ہزار کے قریب ان کی زندگی کے برس گذر گئے۔ اور اب تک مرنے میں نہیں آتے۔ بلکہ بیان کیا جاتا ہے کہ دنیا میں آ کر پھر چالیس یا پینتالیس برس زندہ رہیں گے"۔

دوسری حدیث مرزا صاحب نے یہ پیش کی ہے عن جابر قال سمعت النبی صلے اللہ علیہ وسلم یقول قبل ان یموت بشھر تسئلونی عن الساعۃ وانما علمھا عند اللہ واقسم باللہ ما علی الارض من نفس منفوسۃ یأتی علیھا مائۃ سنۃ و ھی حیۃ رواہ مسلم اور روایت ہے جابرؓ سے کہ کہا سنا میں نے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے کہ وہ قسم کھا کر فرماتے تھے۔ کہ کوئی ایسا زمین پر مخلوق نہیں کہ اس پر سو برس گذریں۔ اور وہ زندہ رہے"۔

چونکہ مرزا صاحب جانتے ہیں کہ یہ حدیث بوجہ علی الارض کی قید کے ہمارے مفید مطلب نہیں بیٹھ سکتی۔ اس لئے اس کے معنے بدلنے اور خلاف مراد تاویل کرنے میں بہت زور لگایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"اس حدیث کے معنے یہ ہیں کہ جو شخص زمین کی مخلوقات میں سے ہو، وہ شخص سو برس کے بعد زندہ نہیں رہیگا۔ اور ارض کی قید سے مطلب یہ ہے کہ تا آسمان کی مخلوقات اس سے باہر نکالی جائے۔ لیکن ظاہر ہے۔ کہ حضرت مسیح ابن مریم آسمان کی مخلوقات میں سے نہیں ہیں۔ بلکہ وہ زمین کی مخلوقات اور ما علی الارض میں داخل ہیں"۔

اس آیت زیر بحث اور دونوں حدیثوں کے جواب میں اول تو یہ عرض ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رفع آسمانی اور آپ کا نزول آیات قرآنیہ و احادیث صحیحہ مرفوعہ سے ثابت ہے۔ اور ان آیات و احادیث میں

Marfat.com

اُن کی موت کا کوئی ذکر نہیں۔ مرزا صاحب کا اپنا نیا اجتہاد اور رائے و قیاس ہے جو نصوصِ قطعیہ کے مقابلہ میں پیش نہیں ہو سکتا۔

دیگر یہ کہ اس آیت کے ترجمے میں مرزا صاحب نے علم و معرفت کی تخصیص کہاں سے نکالی۔ کیونکہ اگر آیت کے ماقبل پر نظر کریں تو ذکر فئے اور غنیمت کا چلا آرہا ہے پس اس آیت کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ غنیمت اور فئے میں جو کچھ تم کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم دیں اُسے لے لو۔

اور اگر کلمہ مَا کے ابہام اور عموم پر نظر کریں۔ تو ہر معاملہ میں خواہ علم کے متعلق ہو، خواہ عمل کے، خواہ کسی امر کے فیصلے کے ہو۔ اس آیت کا حکم لیا جائے گا۔ پس اس آیت کے رُو سے تو عیسےٰ علیہ السلام کا آسمان پر ہونا اور اس سے نازل ہونا ثابت کر سکتے ہیں۔ کیونکہ احادیث میں آپ کے آسمان سے نازل ہونے کی تصریح موجود ہے۔ لہٰذا یہ آیت ہمارے مفید مطلب ہوئی۔ نہ کہ مرزا صاحب کے۔

سوم یہ کہ ساٹھ ستر سال عمر کی حدیث سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت کرنی عجب طرح کی بے استادی ہے۔ کیونکہ اوّل تو حدیث میں صاف کہا گیا ہے۔ کہ بعض کی اس سے زیادہ بھی ہوگی۔ اور اس زیادتی کی انتہائی حد نہیں بتائی۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام کی عمر کو اس سے متجاوز سمجھ کر آپ کو فوت شدہ تصور کر لیں۔ اور عمر طبعی کی تردید پیچھے مفصل گزر چکی ہے۔ دیگر یہ کہ اُمتی کا لفظ صاف بتلا رہا ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یہ سب کچھ اپنی اُمت کے لوگوں کی بابت فرما رہے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام آپ کی اُمت کے لوگوں میں سے نہیں ہیں۔ بلکہ وہ مستقل نبی ہیں۔ اور نزول کے وقت نبی ہی ہوں گے۔ مطلق خلافت دیگر امر ہے۔ اور اُمت میں سے ہونا دیگر امر ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کا امت میں سے نہ ہونا حدیث صحیح مسلم سے بصراحت ثابت ہے۔ جیسا کہ حضرت جابرؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت میں سے ایک گروہ حق پر رہیگا۔ اور اپنے مخالفوں کے مقابلے میں غالب رہیگا۔ پس

Marfat.com

عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے۔ تو جو شخص اُس وقت مسلمانوں کا امیر ہوگا۔ (یعنی امام مہدی علیہ السلام) وہ کہیگا۔ کہ آیئے حضرت ہمیں نماز پڑھایئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جماعت کرانے سے انکار کریں گے۔ اور کہینگے۔ کہ تمہارا امام تم ہی سے ہے یہ فضیلت اللہ تعالےٰ نے اسی اُمّت کو بخشی ہے" صاف ظاہر کر رہا ہے۔ کہ آپ اس اُمّت کے لوگوں میں سے نہیں ہونگے۔ ورنہ یہ عذر ٹھیک نہیں۔ اس حدیث سے مرزا صاحب کی مماثلت کا رنگ بھی اُڑ گیا۔ کیونکہ مسیح موعودؑ اس اُمّت کے لوگوں میں سے نہیں۔ اور مرزا صاحب اس امت کے لوگوں میں سے ہیں۔ پس اس حدیث کے رُو سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر کو کم سمجھنا سخت غلطی ہے۔ دیگر یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام کی آسمانی زندگی زمینی زندگی میں معدود نہیں۔ جیسے کہ وَکَہۡلًا میں اشارہ کیا گیا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس اُمّت میں سے نہ ہونے کے بارے میں جو کچھ ہم نے لکھا ہے۔ مرزا صاحب بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور یہ بات اُن کی اپنی عبارت سے ظاہر ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"یہ ظاہر ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم اس اُمّت کے شمار میں ہی آگئے ہیں"

"شمار میں ہی آگئے ہیں" پنجابی اُردو ہے۔ صحیح اس طرح ہے" شمار ہی میں آگئے ہیں" خیر کچھ ہو۔ شمار ہی میں آجانا اور فی الحقیقت ہونے میں فرق ظاہر ہے۔ پس ہمارا مطلب ثابت ہے۔ دیگر یہ کہ اگر بالفرض مرزا صاحب کی اس بارے میں ساری باتیں مان بھی لیں۔ تو بھی مرزا صاحب کی مراد پوری نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اس حدیث کے رو سے وفات مسیح کی بنا مرزا صاحب کے قیاس ورائے پر ہے اور آپ کے نزول عیسیٰ کی بنا صحیح حدیث کی تصریح سے ہے۔ پس عیسیٰ علیہ السلام اس حدیث کے حکم سے مستثنٰی رہیں گے۔

دوسری حدیث کا جواب۔ یہ ہے کہ حدیث میں کلمہ علی الارض شہادت دے رہا ہے۔ کہ یہ حکم اُن زندہ چیزوں کے بارے میں ہے۔ جو زمین پر موجود ہوں۔

Marfat.com

اور عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر ہیں ۔ اس لئے اس حدیث کے حکم میں نہیں آسکتے ۔ اور مرزا صاحب کا علی الارض کے معنے زمینی مخلوق کرنا زبانِ عربی کے محاورات سے خلاف ہے ۔ مرزا صاحب نے لکھتے وقت صحیح مسلم کی شرح پر تو نظر کرلی ہوتی ۔ تاکہ آپ کو علی الارض کے استعمال کا موقع معلوم ہوجاتا ۔ مرزا صاحب خوب پہچانتے ہیں ۔ کہ اس حدیث سے مراد کسی طرح پوری نہیں ہوسکتی ۔ اس لئے اِدھر اُدھر کھینچ تان کرکے حدیث کے مطلب کو بگاڑنا چاہا ہے ۔ مگر اہلِ علم پر آپ کا یہ دھوکا اور مغالطہ مخفی نہیں رہتا ۔

قسم سوم میں سے **بیسویں** آیت اور مرزا صاحب کی ترتیب کی رُو سے تیسویں اور آخری آیت یہ ہے ۔ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا "یعنی کفار کہتے ہیں کہ تو آسمان پر چڑھ کر ہمیں دکھلا ۔ تب ہم ایمان لائیں گے ۔ ان کو کہدے ۔ کہ میرا خدا اس سے پاک تر ہے ۔ کہ اس دار الابتلا میں کھلے کھلے نشان دکھلادے ۔ اور میں بجز اس کے اور کوئی نہیں ہوں مگر ایک آدمی" ۔

مرزا صاحب نے اس آیت کے ترجمہ میں اپنی طرف سے زیادتی کی ہے ۔ اور قرآن کے الفاظ کی پابندی نہیں کی ۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ :-

"اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ کفار نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے آسمان پر چڑھنے کا نشان مانگا تھا ۔ اور انہیں صاف جواب ملا کہ یہ عادت اللہ نہیں کہ کسی جسم خاکی کو آسمان پر لے جائے ۔ اب اگر جسم خاکی کے ساتھ ابن مریم کا آسمان پر جانا صحیح مان لیا جائے ۔ تو یہ جواب مذکورہ بالا سخت اعتراض کے لائق ٹھیریگا ۔ اور کلام الٰہی میں تناقض اور اختلاف لازم آئے گا ۔ لہٰذا قطعی اور یقینی امر یہی ہے کہ حضرت مسیح بجسدہ العنصری آسمان پر نہیں گئے ۔ بلکہ موت کے بعد آسمان پر گئے ہیں" ۔

اس کے بعد مرزا صاحب نے حضرت یحییٰ اور حضرت آدم اور حضرت ادریسؑ اور حضرت ابراہیم اور حضرت یوسف علیہم السلام کا ذکر کرکے کہا ہے کہ :-

Marfat.com

"جس طرح معراج کی رات میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ نبی ملے۔ اسی طرح حضرت عیسٰی علیہ السلام بھی ملے۔ پس جس طرح موت کے بعد یہ سب اٹھائے گئے ہیں۔ اسی طرح حضرت عیسٰی علیہ السلام بھی موت کے بعد اٹھائے گئے ہیں۔"

آنحضرت صلعم کے معراج کی رات میں دیگر انبیاء سے ملاقات کرنے اور حضرت عیسٰی علیہ السلام سے بھی ملاقات کرنے کا بیان بالتفصیل پہلے گزر چکا ہے۔ اب اس آخری آیت زیر بحث کا جواب سنیئے۔ کہ مرزا صاحب نے اس آیت کے ماقبل پر نظر نہیں کی۔ اور نہ اس کی صحیح تفسیر سمجھی ہے۔ صرف اپنی پرانی عادت یعنی خواہش نفسانی سے جس طرح چاہا۔ قرآن شریف کے مطلب کو بگاڑ کر اپنا مطلب پورا کرنا چاہا ہے۔

تفصیل و بیان اس اجمال کی یہ ہے۔ کہ سوالات کفار جن کے جواب میں کلمہ جامعہ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا تعلیم کیا گیا ہے۔ یہ ہیں "کفار کہتے ہیں کہ ہم

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْبُوْعًا اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ

تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ حتی کہ تو ہمارے لئے زمین سے چشمے جاری کر دے۔ یا تیرے پاس کھجور اور انگور کا باغ ہو، اور اس کے نیچے نہریں جاری ہوں۔ یا تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دے۔ جیسا کہ تو کہا کرتا ہے یا اللہ تعالٰے اور فرشتوں کو ضامن لے آئے یا تیرے لئے کوئی گھر سونے کا بنا ہوا ہو۔ یا تو آسمان پر چڑھ جائے۔ اور ہم تیرے چڑھنے کو نہیں مانیں گے۔ جب تک کہ وہاں سے کوئی ایسی کتاب نازل کرے۔ جسے ہم خود پڑھ لیں اے پیغمبر صلعم، ان کو ان سوالات کے جواب میں یہی کہہ دو کہ میرا رب پاک ہے۔

Marfat.com

هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا (کہ کوئی اس پر زور و تحکم کرے) میں تو صرف ایک (فرمانبردار)
رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل پ۱۵) بندہ اور رسول ہوں"۔ (۱۷: ۹۰-۹۳)

ان آیات میں کفار کی ان اقتراحات کا ذکر ہے۔ اوّل آنحضرت صلعم کا اعجازی قوت سے زمین سے چشمے جاری کرنا۔ دوم آنحضور سرور عالم صلعم کے لئے خرما و انگور کا باغ موجود ہونا اور اس میں نہروں کا بہتے ہونا۔ سوم آسمان کا ٹکڑہ عذاب کے لئے گر پڑنا۔ چہارم اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور ملائکہ کی ضمانت تصدیق یا ان کو سامنے لانا۔ پنجم آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے سونے کا محل ہونا۔ ششم آنحضرت سید الرسل و افضل البشر کا آسمان پر چڑھ جانا۔ اور وہاں سے کتاب کا اُتار لانا جسے کفار خود پڑھ لیں۔

یہ بالکل بدیہی اور مصرح امر ہے۔ کہ ان سب سوالات کے جوابات میں ایک ہی کلمہ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا تعلیم کیا گیا ہے۔ اگر یہ جواب امر ششم یعنی آسمان پر چڑھ جانے کے محال ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ تو باقی سب امور بھی مستبعد و ناممکن ماننے پڑیں گے۔ کیونکہ جملہ سوالات کا ایک ہی جواب سکھایا گیا ہے۔ پس واضح ہو کہ ان کل امور کا ممکن اور غیر ممتنع ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے۔ اور ایسے خوارق کا ذوات بابرکات انبیاء علیہم السلام سے باذن الٰہی واقع ہونا محل استبعاد نہیں۔ کیونکہ معجزہ یعنی خرق عادت ممکن ہے۔ پہلے ہم ان سب امور کو قرآن کریم سے ممکن ثابت کرتے ہیں۔ اور پھر قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ کی صحیح تفسیر بیان کریں گے۔ اور اس کے بعد یہ ذکر کریں گے کہ باوجود ان امور کے ممکن ہونے کے پھر کفار کی طلب پوری کیوں نہ کی گئی۔

امر اوّل یعنی پیغمبر برحق کے معجزے سے زمین میں سے چشموں کا پھوٹ پڑنا آیت فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا (بقرہ پ۱) (۲: ۶۰) سے ثابت ہے۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ سے پتھر پر عصا مارنے سے بارہ چشمے پھوٹ پڑنا اور اسی طرح رسول اللہ صلعم کی انگلیوں سے فوارے جاری ہو پڑنا۔ اور نیز

Marfat.com

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ایڑیوں کی ضربوں سے آب زمزم کا پیدا ہونا امر مطلوب کے ممکن ہونے کی بڑی بھاری دلیل ہے۔ اور ان ہر دو واقعات کا ذکر صحیح بخاری میں موجود ہے۔ امر دوم اور پنجم یعنے پیغمبر برحق کے لئے باغات وانہار و محلات کے میسر ہونے کی دلیل بھی قرآن شریف سے ثابت ہے۔ چنانچہ سورہ فرقان میں کفار کے اس سوال کو ذکر کرکے جواب فرمایا ہے:۔

تَبَارَكَ الَّذِي إِنْ شَاءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِنْ ذَٰلِكَ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَيَجْعَلْ لَكَ قُصُورًا۔ (فرقان ع ۲ پ ۱۸) ۲۵ : ۱۰)

" وہ اللہ بہت برکت والا ہے جو اگر چاہے۔ تو تیرے لئے ایک چھوڑ کئی باغات ان باغوں سے بہتر دیا کرے۔ کہ ان کے نیچے نہریں بھی چلتی ہوں۔ اور تجھے ایک چھوڑ کئی محل بھی میسر کر دے "

نیز حضرت سلیمان علیہ السلام کی بادشاہی اور ان کے لئے جڑاؤ شیش محل کا میسر ہونا سورہ نمل میں مذکور ہے۔ اور اسی طرح شیاطین کا آپ کے لئے مسخر ہونا اور آپ کے لئے سمندروں میں سے بیش بہا موتی نکالنا اور طرح طرح کے تکلف اسباب خانگی تیار کرنا سورہ انبیاء، سبا اور ص میں مذکور ہے۔

سبحان اللہ! انبیاء علیہم السلام تو بہترین خلائق ہوتے ہیں۔ ان کے لئے خزانہ الٰہی میں کس چیز کی کمی ہے۔ یہ فریبندہ اسباب تو دیگر افراد بنی نوع بلکہ کفار کے لئے بھی اس دنیا میں میسر ہو سکتے ہیں۔ بلکہ بعض کو حاصل ہیں۔ چنانچہ سورہ زخرف میں فرمایا:۔

وَلَوْلَا أَنْ يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً لَجَعَلْنَا لِمَنْ يَكْفُرُ بِالرَّحْمَٰنِ لِبُيُوتِهِمْ سُقُفًا مِنْ فِضَّةٍ وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُونَ۔

اور اگر یہ نہ ہوتا کہ سب لوگ کفر ہی پر کمر باندھ لیں گے۔ تو ہم منکرین کے گھروں کی چھتیں اور سیڑھیں اور دروازے اور تخت اور تکیہ گاہ سب کچھ چاندی کے کر دیتے۔ اور اسی طرح دیگر

Marfat.com

وَلِبُيُوتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ وَزُخْرُفًا (پ ۲۵ زخرف) اسباب بھی سب کچھ سونے کا عطا کر دیتے ۔ (۴۳ : ۳۳ تا ۳۵)

اس آیت میں کفار کے لئے چاندی کی چھتیں اور سیڑھیں اور دروازے اور تخت اور تکیہ گاہ اور دیگر اسباب طلائی میسر ہو سکنے کا ذکر ہے ۔ اور ظاہر ہے ۔ کہ ان اسباب کا حاصل کر لینا (بتوفیقہ تعالیٰ) طاقت بشری سے خارج نہیں ہے ۔ پس جب عامہ خلائق کے لئے ممکن ہوا ۔ تو انبیاء ۔ جو خواص خدا یا نہ ایزدی ہوتے ہیں ۔ ان کے حق میں کس طرح محال ہوگا ۔ خواص کا ایسے اسباب فانیہ کو محبوب نہ جاننا امر دیگر ہے ۔ اور ان کے حق میں معاذ اللہ محال و ممتنع ہونا امر دیگر ہے ۔

امر سوم ۔ یعنی آسمان سے کوئی ٹکڑا عذاب کے طور نازل ہونا کفار کے مقولہ كَمَا زَعَمْتَ سے ظاہر ہو رہا ہے ۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی ان کو اس عذاب سے ڈرایا تھا ۔ جس پر کفار نے مطالبہ کے وقت اس کا حوالہ دیا ہے ۔ اور وہ ڈر جو ان کو سنایا گیا تھا ۔ سورہ سبا میں مذکور ہے :۔

اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ (پ ۲۲ السبا ع ۱) اگر ہم چاہیں ۔ تو ان کو زمین میں دھنسا دیں یا آسمان سے کوئی ٹکڑہ بطور عذاب نازل کر دیں ۔ (۳۴ : ۹)

اسی طرح سب آسمانوں اور زمین کا سقوط و زوال ممکن ہونا کئی آیات سے ثابت ہوتا ہے ۔ چنانچہ ارشاد ہے :۔

اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ (فاطر پ ۲۲) ۔ آسمان اور زمین کو صرف اللہ تعالیٰ ہی نے تھاما ہوا ہے ۔ اور اگر وہ نہ تھامے اور وہ گر جائیں تو پھر ان کو کوئی بھی نہ تھام سکے ۔ (۳۵ : ۴۱)

بلکہ قیامت کو یہ سب آسمان و زمین فنا کر دیئے جائیں گے ۔ اور یہ امر قرآن شریف میں کئی جگہ مذکور ہے ۔ چنانچہ تبدیل زمین و آسمان کی نسبت سورہ ابراہیم کے آخر

Marfat.com

میں فرمایا:-

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ (ابراهیم پ۱۳ ع ۶) "جس دن زمین اور آسمان نئے تبدیل کئے جائیں گے" (۱۴ : ۴۸)

پس آسمان سے کوئی ٹکڑہ بطور عذاب نازل ہونا بھی ناممکن و محال نہ ہوا۔

امر چہارم :- یعنی اللہ سبحانہٗ و تعالےٰ اور ملائکہ کو ضامن کرکے صداقت نبوت کو ثابت کرنا اس میں کونسا استبعاد ہے۔ قرآن شریف اس سے بھرا پڑا ہے۔ چنانچہ فرمایا:-

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَا اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا (نساء پ۶ ع ۲۳) - (۴ : ۱۶۶) "اللہ تعالےٰ تو اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ اس نے اس قرآن شریف کو تجھ پر اپنے علم سے سچ سچ نازل کیا ہے۔ اور فرشتے بھی شہادت دیتے ہیں اور شہادت کے لئے تو اللہ ہی کافی ہے"۔

اور اگر قبیلاً معنے قبلاً سمجھیں۔ تو بھی مستبعد نہیں۔ کیونکہ اتیانِ باری بکیفیۃ تَلِيْقُ بِشَانِهِ الْعَظِيْمِ ممتنع بالغیر ہے۔ اور ہر ممتنع بالغیر ممکن بالذات ہوتا ہے جیسا کہ اس کتاب کے حصہ اول میں ثابت ہو چکا ہے۔ ملاحظہ ہوں آیات

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ (البقرہ پ۲ ع۹) (۲ : ۲۱۰) اور وَجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا (فجر پ۳۰) (۸۹ : ۲۲) وغیرہا اور احادیث نزول باری سبحانہٗ۔

امر ششم یعنی آسمان پر بارادہ الٰہیہ چڑھ سکنا عامہ بشر بلکہ کفار کے حق میں بھی ممکن ہے۔ چنانچہ سورہ حجر کے شروع میں فرمایا:-

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ۔ (حجر پ۱۴) "اور اگر ہم کفار پر آسمان کا دروازہ بھی کھول دیں اور وہ اس میں دن ہوتے چڑھ بھی جائیں۔ تو پھر بھی کہیں گے۔ کہ ہم کو کسی نے جادو کر دیا ہے"۔ (۱۵ : ۱۴)

Marfat.com

پس عباد صالحین و حضرات مرسلین جو بدت اعزہ و اکرم ہیں۔ ان کے لئے کس طرح محال ہو سکتا ہے۔ اسی طرح کتاب کا لکھی ہوئی صورت میں آسمان سے اتر سکنا سورہ انعام کی آیت سے ثابت ہے۔ جیسا کہ فرمایا :-

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ لَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ (انعام ۱ پ)

اور اگر ہم تجھ پر لکھی لکھائی کتاب بھی نازل کریں اور یہ کفار اس کو اپنے ہاتھوں سے ٹٹول بھی لیں تو بھی کہیں گے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔ (۶:۷) بلکہ تورمیت کا نزول شہادت دعویٰ قائم کر رہا ہے

الغرض یہ سب آیات طیبہ صاف بتلا رہی ہیں۔ کہ امور سئولہ کفار ممکن و غیر ممتنع ہیں۔ تو پھر آیت سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا سے عدم استحالہ کس طرح بجا ہے۔ اس صورت میں تو قرآن حکیم میں تعارض ہو گا۔ وَهٰذا باطل۔ اگر اسی آیت کو بغور دیکھیں۔ تو اسی سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ کفار معترضین کو اس امر کا علم تھا۔ کہ حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم معراج جسمانی کے مدعی ہیں اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَاءِ کے بعد وَلَنْ نُؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَقْرَؤُهُ۔ اسی لئے کہا کہ آپ پچھلے معراج کا حوالہ نہ دیں۔ مزید بریں کفار کا سوال کرنا ہی اس امر پر دال ہے۔ کہ وہ ان امور خارقہ عادات کا ظہور ذوات بابرکات انبیاء علیہم السلام سے ممکن جانتے تھے۔ اسی لئے یہ امور پیش کئے۔ کہ اگر آپ ان ممکنات کو واقعات کر دکھائیں۔ تو آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ اور آپ کی رسالت کی تصدیق کریں گے۔

پھر اگر یہ سوال ہو کہ اگر سب امور مقترحہ ممکنات میں سے ہیں تو سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا کی صحیح تفسیر جس سے یہ جواب ہر امر کے ساتھ منطبق ہو جائے کس طرح ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اس کی صحیح تفسیر جس کی دوسری آیات موید و مصدق ہیں۔ یہ ہے جو تفسیر ابن کثیر و سراج منیر سے نقل کی جاتی ہے :-

وقولہ تعالیٰ ۔ سُبْحَانَ رَبِّیْ
هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا
ای سبحانہ وتعالیٰ وتقدس ان یتقدم
احد بین یدیہ فی امر من امور
سلطانہ وملکوتہ بل ھو الفعال
لما یشاء ان شاء اجابکم لما
سألتم وان شاء لم یجبکم وما
انا الا رسول الیکم ابلغکم رسالات
ربی وانصح لکم وقد فعلت
ذلک وامرکم فیما سألتم الی اللہ
عزوجل (ابن کثیر)

اس آیت سُبْحَانَ رَبِّیْ کے معنے یہ ہیں۔
کہ اللہ تعالیٰ اس امر سے پاک ہے کہ کوئی
شخص اس کی بادشاہی میں پیش دستی
یا اس کے سامنے بڑھ کر بات کر سکے بلکہ
جس امر کو چاہتا ہے۔ خود کرتا ہے۔ پس
اگر وہ چاہے گا۔ تو تمہارا سوال قبول کریگا۔
ورنہ نہیں۔ اور میں تو صرف اس کے حکم
کا مطیع اور اس کا رسول ہوں۔ میرا کام صرف
تبلیغ رسالت ہے۔ جو میں کر چکا ہوں اور
جو کچھ تم نے سوال کئے ہیں۔ ان کا معاملہ خدا
کے سپرد ہے۔

اسی طرح تفسیر سراج منیر میں بھی بوضاحت اس امر کو محقق کیا ہے۔

ولما تم تعنتہم وکان لسان
الحال طالبا من اللہ تعالیٰ
الجواب عنہ امر اللہ تعالیٰ
بجوابھم بقولہ قل ای لھؤلاء
البعداء الاشقیاء سبحان
ربی ای تعجبا من اقتراحاتہم
وتنزیھا للہ من ان یاتی
احد یتحکم علیہ او یشارکہ
احد فی القدرۃ وقرأ ابن کثیر
وابن عامر بصیغۃ الماضی
والباقون قل بصیغۃ الامر

"اور جب وقت کفار کی سرکشی اور کج بحثی
حد کو پہنچ گئی۔ تو آپ کی زبانِ حال اللہ تعالیٰ
سے اس بات کا جواب طلب کر رہی تھی۔
پس اللہ تعالیٰ نے جواب سکھایا کہ ان بدبختوں
سے کہو کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے پاک ہے
کہ کوئی شخص اس پر حکم دوڑا سکے یا قدرت
میں اس کا شریک ہو سکے۔ میں اپنے اختیار
سے یہ امر نہیں کر سکتا۔ کیونکہ میں تو ایک
رسول ہوں۔ اور مجھ سے پہلے جتنے رسول
ہوئے تھے۔ اپنے اختیار سے کوئی بھی معجزہ
نہ دکھاتا تھا۔ بلکہ صرف وہی جو اللہ تعالیٰ

Marfat.com

وَهَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا كما
كان من قبلي من الرسل و
كانوا لا يأتون قومهم إلا بما
يظهره الله على أيديهم بما
يلائم حال قومهم ولم يكن
أمر الآيات إليهم ولا لهم أن
يتحكموا على الله حتى يخبرهم بها
هذا هو الجواب المجمل وأما
التفصيل فقد ذكر في آيات
أخر كقوله تعالى وَلَوْ نَزَّلْنَا
عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوهُ
بِأَيْدِيهِمْ
وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ
بَابًا
وَ
نَحْوَ ذَالِكَ

جن کے ہاتھ پر ظاہر کرے۔ اور ان کی قوم کے حال کے موافق ہوں اور معجزات کا دکھانا رسولوں کے اختیار میں نہیں ہوتا تھا۔ اور نہ اُن کو یہ قدرت ہوتی تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ پر حکم اور زور کرکے اپنی مرضی سے معجزے طلب کریں۔ اس آیت میں یہ جواب مجمل دیا گیا ہے۔ اور تفصیل کے ساتھ دیگر مقامات میں مذکور ہے۔ مثلاً آسمان سے کتاب اتارنے کا جواب سورہ انعام میں فرمایا گیا ہے۔ کہ اگر ہم تجھ پر لکھی لکھائی کتاب بھی نازل کرتے۔ اور یہ مشرک لوگ اس کو اپنے ہاتھوں سے ٹٹول بھی لیتے۔ تو بھی یہ منکر اس کو جادو کہہ کر انکار کر دیتے۔ اور آسمان پر چڑھنے کا جواب سورہ حجر میں فرمایا کہ اگر ہم ان کفار کے لئے آسمان کا دروازہ بھی کھول دیں اور یہ لوگ اس پر چڑھ بھی جائیں تب بھی یہ منکر کہیں گے۔ کہ ہم کو کسی نے جادو کر دیا ہے۔ اور اسی طرح اور سوالات کے تفصیلی جواب دیگر آیات میں دیتے ہیں۔"

تفسیر سراج منیر نے تو بیشک ظلمات و وساوس و شبہات کو دُور کر دیا۔ اور قلب مومن کو منور کر دیا۔ اور یہ بھی ظاہر کر دیا۔ کہ یہ امر ممتنعات میں سے نہیں۔ بلکہ اعراض صرف ان کے تعنت کی وجہ سے ہے اور نیز یہ کہ یہ جواب مجمل سب امور مسئولہ عنہا کا جواب ہے۔ اور ہر امر کا بالتفصیل جواب دیگر آیات میں مذکور ہے۔ چنانچہ مثال کے طور پر دو امر صعود الی السماء اور تنزیل کتاب کے امکان میں وہی آیتیں ذکر کیں۔ جو ہم پہلے لکھ چکے ہیں اور باقی امور کے جواب کی تفصیل کی طرف ونحو ذالک سے اشارہ کر دیا کہ

Marfat.com

طالب تفصیل خود قرآن شریف میں تدبّر و تفحّص کرکے ڈھونڈ لے۔ فالحمد للہ علیٰ نعمائہ الشاملۃ وآلائہ الکاملۃ۔

تفسیر کبیر میں بھی اس جواب کی اسی طرح تقریر کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:-

تقریر الجواب۔ ان یقال اما ان یکون مرادکم من ھذا الاقتراح انکم طلبتم الاتیان من عند نفسی بھذہ الاشیاء او طلبتم منی ان اطلب من اللہ تعالیٰ اظہارھا علی یدی لتدل علی کونی رسولا حقا من عند اللہ و الاول باطل لانی بشر والبشر لا قدرۃ لہ علی ھذہ الاشیاء والثانی ایضا باطل لانی قد اتیتکم بمعجزۃ واحدۃ وھو القرآن والدلالۃ علی کونہا معجزۃ فطلب ھذہ المعجزات طلب لما لا حاجۃ الیہ ولا ضرورۃ فکان یجری التعنت والتحکم وانا عبد مامور لیس لی ان اتحکم علی اللہ فسقط ھذا السوال نثبت ان قولہ قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا جواب کاف فی ھذا الباب (تفسیر کبیر)

"اس جواب کی تقریر اس طرح ہے کہ کفار کے سوال کی دو صورتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ ان امور کو اپنے اختیار سے کر دکھاؤں۔ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ سے طلب کروں۔ کہ وہ میری صداقت کے لئے ان امور کو ظاہر کرے۔ پس یہ دونوں صورتیں باطل ہیں۔ پہلے تو اس لئے کہ میں بشر ہوں اور اپنے اختیار سے ان اشیاء پر قادر نہیں ہوں۔ اور دوسری اس وجہ سے کہ معجزہ تو میں تمہارے پاس لاچکا ہوں۔ کیونکہ یہ قرآن شریف میری نبوت کی تصدیق کے لئے کافی معجزہ ہے۔ پس تمہارے معجزہ کی طلب محض تعنّت اور تحکم ہے۔ اور میں تو اللہ تعالیٰ کا مطیع بندہ ہوں۔ میں اتنی قدرت نہیں رکھتا کہ تحکم اور زور سے کوئی امر اس سے طلب کروں۔ پس یہ سوال کفار مردود ہے۔ اور ثابت ہو گیا کہ

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا

اس بارے میں کافی جواب ہے۔"

Marfat.com

جو تقریر مفسرین علیہم الرحمۃ سے اس جواب کے بارے میں نقل کی گئی ہے۔ وہ بالکل حق اور مراد الٰہی کے عین مطابق ہے۔ اور دیگر آیات اس کی تائید و تصدیق کرتی ہیں۔ پس یہ تفسیر تفسیر القرآن بالقرآن ہے۔ اصل اس سارے مضمون کا آیت سورہ مومن وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ (مومن پ۲۴ ع۸) یعنی کوئی رسول بغیر اذن الٰہی کوئی نشان و معجزہ نہیں دکھا سکتا۔" (۴۰: ۷۸) کیونکہ معجزہ مقدورِ بشر سے خارج شئے کا نام ہے اور رسول بھی بوجہ بشر ہونے کے بذات خود بالاستقلال خرق عادت پر قادر نہیں ہوتے۔ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ۔

ایسے امور جن سے دیگر عاجز ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسولِ برحق کے دست مبارک پر ظاہر کرتا ہے۔ اور وہ اس کی صداقت کے دلائل ہوتے ہیں۔ مثلاً حضرت روح اللہ علیہ السلام اپنی رسالت کی صداقت کے بارے میں اِنِّیْ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ الآیہ اور موسیٰ علیہ السلام اپنی رسالت کی تصدیق میں فرعون کے سامنے اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ فرماتے ہیں۔ اور فرعون اس پر طلب کرتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ فَاْتِ بِهٖۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ۔ ان آیتوں سے معلوم ہوا۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کے وسیلے کچھ عجائب جو مقدور بشر سے خارج ہوں۔ ظاہر کیا کرتا ہے۔ یہ ان کے صدق پر دلیل ہوا کرتے ہیں۔ اور ایسے عجائب کوئی رسول بغیر اذن الٰہی کے دکھا نہیں سکتا۔

اب قرآن شریف کے چند مقامات ذکر کئے جاتے ہیں۔ جن میں اسی طرح کفار نے اقتراحی آیات کا مطالبہ کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلعم کو یہی جواب تعلیم کیا ہے۔ کہ ان سے کہدو کہ میرا کام اتباع وحی اور تبلیغ رسالت ہے۔ معجزات اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔ چاہے تو دکھائے ورنہ نہ دکھائے۔ اس میں اس پر میرا کوئی تحکم و تغلب تو نہیں کہ بزور معجزہ طلب کروں۔ چنانچہ فرمایا:۔ اور اے پیغمبر جس وقت تم ان کو وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا ان کی طلب کے موافق کوئی معجزہ نہیں دکھاتے

لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا قُلْ اِنَّمَا اَتَّبِعُ مَا	تو یہ کہتے ہیں کہ کیوں نہیں از خود بنالیتا۔ ان کو جواب دے
يُوحٰی اِلَیَّ مِنْ رَّبِّیْ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ	کہ میں تو صرف وحی الٰہی کا تابع ہوں۔ یہ قرآن شریف
رَّبِّكُمْ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ	تمہارے رب کی طرف سے کافی معجزہ ہے۔
وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ	اور مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت کا سبب ہے،
اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ؁	اور جب میں اس کو پڑھا کروں تو تم اس کو چپ چاپ
(پ ۹، اعراف ع ۲۴ (۷: ۲۰۳، ۲۰۴)	غور سے سنا کرو۔ کہ تم بھی مومن ہو کر رحمت میں داخل ہو جاؤ"

دیکھو اس آیت میں کیسے صاف طور پہ فرما دیا کہ ان سے کہدو کہ میں امر الٰہی کے تابع ہوں۔ اپنی حول و قوت سے کچھ نہیں دکھا سکتا۔ اور منصب تبلیغ رسالت سے ہرگز سرمو تجاوز نہیں کرسکتا۔ اور اگر تمہاری غرض طلب آیات سے طلب حق ہے۔ اور ہدایت حاصل کرنا ہے۔ تو تصدیق رسالت کے لئے قرآن شریف کافی دلیل ہے۔ اسے غور سے چپ چاپ سنتے رہو۔ امید ہے۔ کہ تم کو ہدایت نصیب ہو جائیگی"

اسی طرح دوسری جگہ سورۂ عنکبوت میں فرمایا" اور یہ کفار کہتے ہیں۔ کہ اس پر

وَ قَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ	کوئی معجزہ کیوں نازل نہیں ہوا۔ اے پیغمبرؐ تم ان
رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ	سے کہدو کہ معجزات تو اللہ تعالےٰ کے اختیارات
وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ اَوَ لَمْ	میں ہیں۔ میں تو ایک ڈر سنانے والا ہوں۔
يَكْفِهِمْ اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ	اے پیغمبرؐ! کیا ہم نے اُن پر ایسی کتاب نازل نہیں کی
يُتْلٰى عَلَيْهِمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً	جو ان پر پڑھی جاتی ہے۔ اور ان کو تصدیق رسالت
وَّ ذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ؁	کے لئے اعجازی رہبری کرتی ہے۔ پس وہ رسالت کا کافی
(پ ۲۱ ع عنکبوت (۲۹: ۵۰، ۵۱)	ثبوت ہے۔ اور مومنین کے لئے موجب رحمت اور نصیحت ہے"

ناظرین! غور کریں۔ کہ سورۂ اعراف کی آیات اور یہ آیات کیسے بالاتفاق ایک ہی مضمون کو ادا کرتی ہیں۔ اور یہ جواب کچھ ہمارے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ انبیاء سابقین سے بھی یہی منقول ہے۔ اور انہوں

Marfat.com

نے بھی یہی جواب دیا۔ کہ ہم اپنی مرضی سے بغیر اذن الٰہی نشان نہیں دکھا سکتے۔ چنانچہ سورہ ابراہیم میں فرمایا۔ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطَانٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ رکوع ۲ پ ۱۳ ابراہیم، یعنی ہم بغیر اذن الٰہی کوئی معجزہ نہیں دکھا سکتے"۔ (۱۴: ۱۱) ان آیات سے صاف معلوم ہوگیا کہ کفار کے اقتراح آیات کے جواب میں قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا کی تعلیم کرنا اس وجہ سے نہ تھا۔ کہ یہ امور ناممکن تھے۔ بلکہ یہ تعلیم کیا گیا۔ کہ اللہ تعالےٰ اس امر سے پاک ہے۔ کہ اپنی سلطنت میں کسی کی مرضی پہ انتظام کرے۔ یا کوئی شخص اس پہ تحکم کرے۔ اور حسب اقتراح اس سے آیات طلب کرے۔ اگر غرض ان کفار کی طلب حق ہے۔ تو تصدیق رسالت کے لئے کافی دلائل ظاہر ہوچکے ہیں۔ اور دلیل کافی پہ زیادتی طلب کرنا تعنّت وتحکم ہوتا ہے۔ پس اس سے اعراض کرنا چاہئے۔ اور منصب رسالت کو محفوظ رکھنا چاہئے۔ مطلب اس آیت کا یہ تھا۔ جو بیان کیا گیا۔ خوش فہم لوگوں نے اور کا اور سمجھ لیا۔ اور کہاں کی کہاں بے تکی ہانک دی۔

اگر یہ سوال کیا جائے۔ کہ جب یہ امور ممکن تھے۔ اور نبی برحق کے معجزہ سے بعید نہ تھے۔ تو پھر کیوں ان کو پورا نہ کر دکھایا۔ تو اس کا جواب وہ ہے۔ جو اجمالاً اوپر گذر چکا ہے۔ اور وہ خود قرآن شریف نے تعلیم کیا ہے کہ قرآن شریف تصدیق رسالت کے لئے کافی ثبوت ہے۔ اس پہ غور کرو۔ تو تمہارا مطلب ومقصود پورا ہوجائیگا۔ یہ ضرور نہیں کہ جو کچھ تم کہتے جاؤ۔ اور احتمالات بعیدہ سے رد کرتے جاؤ۔ میں ہر روز اُسے پورا کرنے کے لئے تیار رہوں دیکھنا تو یہ ہے۔ کہ رسولِ مدعی رسالت جو کچھ پیش کرتا ہے۔ اسے دعوئے رسالت سے مناسبت وتعلق ہے یا نہیں۔ اور وہ اثبات نبوّت کے لئے کافی ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو پھر اس پہ زیادتی کی طلب کیوں کی جاتی ہے۔ معجزے سے غرض تو یہ ہے۔ کہ تصدیق رسالت کی طرف ہدایت کرسکے۔ پس قرآن شریف اپنے اعجاز سے تم کو ساکت وملزم کر رہا ہے۔ اور تصدیق رسالت کے لئے

Marfat.com

بصدائے بلند پکار رہا ہے مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ۔

آیات مذکورہ سے ناظرین کے خاطر نشین ہو گیا ہو گا۔ کہ کفار مکہ کے متعنتانہ سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے تصدیق رسالت محمدی کے لئے قرآن شریف کو پیش کیا ہے۔ آپ کے مزید اطمینان کے لئے اب ہم یہ بیان کرتے ہیں۔ کہ سورہ بنی اسرائیل میں جن سوالات کے جواب میں سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا تعلیم کیا گیا ہے۔ ان آیتوں کے پہلے بھی قرآن مجید کے معجز اور بے مثل ہونے کو بڑے ہی پُرزور دعویٰ اور تحدّی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ اے پیغمبر ان کو سنادو۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا۔ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ (الٰی) قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل پ ۱۵)	کہ اگر تمام انسان اور جن مجتمع ہو کر اور ایک دوسرے کی امداد پر کمر باندھ کر کوشش کریں۔ کہ اس قرآن عظیم کی نظیر بھی لا سکیں۔ تو ہرگز نہیں لا سکیں گے۔ بیشک ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کا بیان نصیحت واضح طور پر پھیر پھیر کر بیان کیا ہے۔ مگر اکثر لوگ انکار ہی اختیار کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اے پیغمبر ان کو کہدو۔ کہ میرا رب اس بات سے پاک ہے کہ کوئی اس پر تحکم کر سکے میں تو صرف ایک بندہ اور اس کا رسول ہوں۔"

آیت ماقبل کو ساتھ ملانے سے صاف ظاہر ہو گیا۔ کہ سورہ بنی اسرائیل میں بھی سورہ اعراف اور سورہ عنکبوت کی طرح طلب معجزات کے جواب میں قرآن شریف ہی پر کفایت کی گئی ہے۔ پس اس جواب سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا کو جن معنوں میں مرزا صاحب نے لیا تھا وہ ہرگز صحیح نہیں۔ اس جواب کا صحیح مطلب وہی ہے۔ جو تفسیر کبیر وغیرہ سے پیشتر گذر چکا ہے۔

تَمَّ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصّٰلِحٰتُ

۱۶ - جون - ۱۹۵۸ء

تصحیح کردہ: عبدالقیوم مہر

Marfat.com

نجم الھدی فی تفسیر سورۃ النجم — عرائس البیان فی تفسیر سورۃ الرحمن — الانوار الساطعه فی تفسیر سورۃ الواقعة

مولانا مرحوم کی تفسیر تبصیر الرحمن کی طرز پر تینوں سورتوں کی تفسیر (ھر سورۃ کا ترجمه تفسیر و حواشی) ایک جلد میں۔

ھدیه بلا جلد ایک روپیه چار آنے

امان الخائفین

خدا یاد حضرات و خواتین کے لیے قرآن و حدیث کی بعض دعائیں اور بعض اذکار مسنونه مع اردو ترجمه۔ یه رساله اس سے قبل شائع نہیں ھوا۔

ایک آنه کا ٹکٹ وصول ھونے پر مفت

نماز مسنون مترجم، طبع نہم

اس میں نماز کے پورے اذکار مسنونه مع ترجمه درج ھیں۔ حاشیے پر بعض ضروری مسائل درج کیے گئے ھیں۔ اس کے علاوہ نماز جنازہ، طریق نماز جنازہ اور نماز جنازہ کی دعا، خطبۂ جمعه و عیدین و نکاح، مسائل خطبه اور ترتیب نماز به طریق سنت درج ھیں۔

ھدیه ۳ آنے

★

ملنے کا پته:

عبدالقیوم میر، ایم اے، میانه پورہ، سیالکوٹ شہر

Marfat.com

ریاض الحسنات، طبع دوم، مشتملبر پنجسورہ

(سورۂ الم السجدہ، سورۂ یس، سورۂ الملک، سورۂ نوح اور سورۂ مزمل) ہر سورت کے فضائل و مسائل، بین السطور ترجمہ اور حواشی درج کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ نصاب السالکین (اسماے حسنی الہیہ، اسم اعظم اور بعض اذکار مسنونہ) اور سلاح المؤمنین، یعنی، مختلف حالات و حاجات کی دعائیں درج کی گئی ہیں۔

حجم: $\frac{۲۰\times۳۰}{۱۶}$ کے ۸۰ صفحات۔ هدیہ: ۱۲ آنے

★

الکواکب المضیئہ لازالۃ شبہات الشیعہ

مضمون نام سے ظاہر ہے۔ صحابۂ کبار، رضی اللہ عنہم، کے متعلق حضرات اہل تشیع کے بعض اعتراضات کے جواب میں صیغۂ تبلیغ سے مفت شائع ہوئی ہے۔

تقطیع $\frac{۲۰\times۳۰}{۱۶}$ - صفحات ۹۶

دو آنے کے ٹکٹ وصول ہونے پر مفت

★

ملنے کا پتہ:

عبدالقیوم میر، ایم اے، میانہ پورہ۔ سیالکوٹ شہر

ذخیرہ
کتب خانہ میاں جمیل احمد شرقپوری نقشبندی مجددی

Marfat.com

ریاض الحسنات، طبع دوم، مشتملبر پنجسورہ

(سورۂ الم السجدہ، سورۂ یس، سورۂ الملک، سورۂ نوح اور سورۂ مزمل) ہر سورت کے فضائل و مسائل، بین السطور ترجمہ اور حواشی درج کیے گئے ہیں - اس کے علاوہ نصاب السالکین (اسماے حسنی الھیہ، اسم اعظم اور بعض اذکار مسنونہ) اور سلاح المؤمنینؒ، یعنی، مختلف حالات و حاجات کی دعائیں درج کی گئی ہیں -

حجم : $\frac{۲۰\times۳۰}{۱۶}$ کے ۸۰ صفحات - هدیہ : ۱۲ آنے

★

الکواکب المضیئہ لازالۃ شبہات الشیعہ

مضمون نام سے ظاہر ہے- صحابۂ کبار، رضی اللہ عنہم، کے متعلق حضرات اہل تشیع کے بعض اعتراضات کے جواب میں صیغۂ تبلیغ سے مفت شائع ہوئی ہے-

تقطیع $\frac{۲۰\times۳۰}{۱۶}$ - صفحات ۹۶

دو آنے کے ٹکٹ وصول ہونے پر مفت

★

ملنے کا پتہ:

عبدالقیوم میر، ایم اے، میانہ پورہ ۔ سیالکوٹ شہر

ذخیرہ
دیوان جمیل احمد شرقپوری نقشبندی مجددی ... پاکستان

Marfat.com

وَقَولِهِم اِنّا قَتَلنَا المَسِيحَ عِيسَى ابنَ مَريَمَ رَسُولَ اللّٰهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلٰكِن شُبِّهَ لَهُم وَاِنَّ الَّذِينَ اختَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنهُ مَا لَهُم بِهِ مِن عِلمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا بَل رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا حَكِيمًا وَاِن مِن اَهلِ الكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤمِنَنَّ بِهِ قَبلَ مَوتِهِ وَيَومَ القِيٰمَةِ يَكُونُ عَلَيهِم شَهِيدًا

الحمدللہ کہ کتاب مُستطاب نافعِ خاص و عام دافعِ شبہاتِ اوہام

مثبتِ حیاتِ مسیح

مسمّٰی بہ

شہادۃُ القرآن

حصہ اوّل

حصہ دوم

باعلی النداء

بِاَنَّ المسیح رُفِعَ حیًا اِلی السمآءِ

جس میں حیاتِ مسیح علیہ السلام کا قطعی ثبوت دے کر قاضی اکمل احمدی کے جواب کا جواب دیا گیا ہے،

مع حواشی "سعادت الاقران" بکشف لطائف شہادت القرآن،

ہر دو مصنّفہ

حضرت مولانا حاجی و حافظ ابو تمیم محمدؐ ابراہیم میر صاحب فاضل سیالکوٹی

بعد از ترمیم مناسب و اضافۂ ضروری و نظرِ ثانی حضرت مصنّف

بماہ ذی الحجہ ۱۳۷۷ھ مطابق جون ۱۹۵۸ء

طبع ہوئی

بار چہارم

قیمت

Marfat.com